جامِ جہاں نما

اردو صحافت کی ابتدا

گربچن چندن

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

جامِ جہاں نما

اردو صحافت کی ابتدا

گُربچن چندن

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی



صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار۔ دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202002

پہلی بار دسمبر ۱۹۹۲ء　　تعداد: 500　　قیمت: =/75

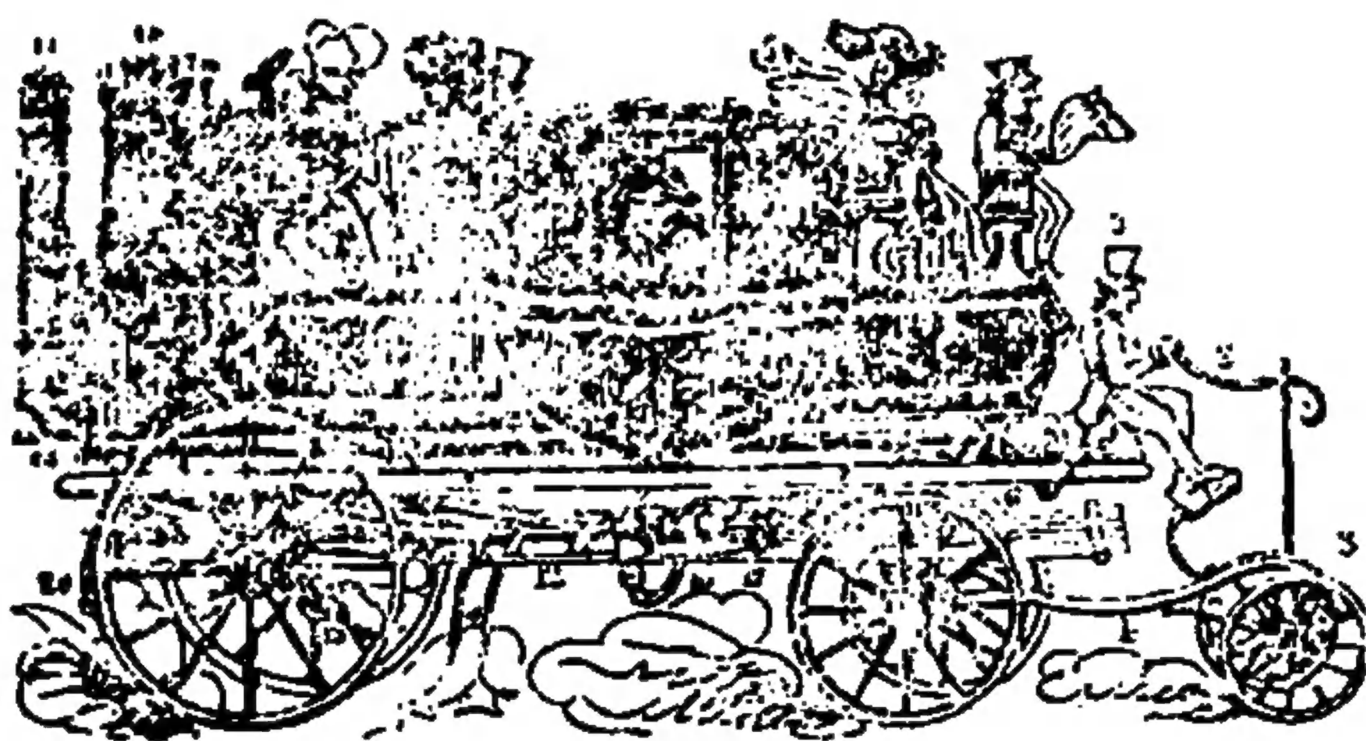
لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی۔

انتساب

اپنے خدا داد مرشد
جناب مالک رام کے نام
علم کا پر نور معبد
جس کے قدموں میں مجھ نااہل کو
بیٹھنے کی مسرت عطا ہوئی
انھوں نے نہ صرف اس کتاب
کی تحقیق میں میری رہنمائی کی
بلکہ اس کے مسودے کی
نوک پلک بھی درست کی

فہرست تصاویر

فہرست



ایک دخانی گاڑی

میں ان کا شکر گزار ہوں

اس کتاب کی تحقیق و تحریر کے سلسلے میں متعدد اکابر اور اصحاب نے میری علمی اور مشاورتی مدد کی۔ ان سب کا میں تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اگر یہاں کوئی نام شامل نہ ہوا ہو تو اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں:

ڈاکٹر ایس این جاوا۔ انھوں نے مجھے فارسی مراسلات کے اردو ترجمے عنایت کیے۔ ڈاکٹر سوہن لال بھٹناگر۔ انھوں نے "جامِ جہاں نما" کے فارسی مندرجات کے اردو ترجمے عنایت کیے۔ جناب صابر ابوہری۔ انھوں نے فارسی کے کئی حوالوں کی توضیح عنایت کی۔ جناب شانتی رنجن بھٹاچاریہ۔ انھوں نے ہری ہردت اور ابتدائی بنگلہ صحافت کے بارے میں معلومات دیں۔ میر محمود حسین مرحوم۔ انھوں نے ٹیپو سلطان کی صحافت کے بارے میں معلومات عنایت کیں۔ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم۔ انھوں نے جنوبی ہند کی اردو صحافت کے بارے میں نادر معلومات مہیا کیں۔ ڈاکٹر بی۔ ایم شنکھدھر۔ انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ ڈاکٹر سلیم قریشی ڈپٹی کیوریٹر۔ انڈیا آفس لائبریری۔ لندن، انھوں نے موضوعاتی نوادر کی فراہمی میں شخصی دلچسپی سے مرحمت کیا۔ جناب شاہد علی خاں۔ انھوں نے اس کتاب کے مسودے پر وافر پسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کی طباعت کو فی الفور اپنے ہاتھ میں لیا۔ جناب محمود انصاری۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ۔ ڈاکٹر خلیق انجم۔ جناب سوم آنند۔ جناب مہدی عباس حسینی جناب راج نرائن راز۔ سید ضیاء اللہ۔ شیخ سلیم احمد۔ جناب محسن زیدی اور جناب حمید الماس نے وقتاً فوقتاً مفید مشورے اور تراشے مہیا کیے۔ جناب ایم حبیب خاں نے صحافت کی قدیم کتابوں اور رسالوں کی فراہمی میں مدد کی۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر راج کمار پرتی اور ان کے دفتر کے جناب ایس ایم آر باقر، اسسٹنٹ ڈائرکٹر، جناب جینتی داس، اسسٹنٹ ڈائرکٹر، جناب این پی شرما، آرکویسٹ شریمتی مینا کپور، آرکویسٹ، جناب آر سی پوری، لائبریرین، جناب راج منی آرکونسٹ اور دیگر افراد نے قدم قدم پر تعاون دیا۔ پرکاش رانی۔ میری اہلیہ نے میرے مطالعے اور تحریر میں قدم قدم پر گھریلو سہولتیں مہیا کیں۔ انھوں نے میرے مزاج کی بوالعجبیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے روزمرّہ کو ان سے ہم آہنگ کیا۔

تعارف

ایک زمانے سے اردو صحافت کے مؤرخین یہ نظریہ پیش کر رہے ہیں کہ مارچ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے جاری ہونے والا اردو کا اولین اخبار "جام جہاں نما" برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک سرکاری یا نیم سرکاری گزٹ تھا۔ ان کے نزدیک اس کی پیشانی پر شائع ہونے والا کمپنی کا سرکاری نشان اس امر کا اعلان تھا، نیز اس کی خبروں کے ذرائع بھی بیشتر انگریزی اخبار تھے۔

ان مؤرخوں کا دعوا ہے کہ یہ اخبار فرنگی افسروں کی تعلیمی اور تربیتی ضرورتوں کے لیے جاری کیا گیا تھا کیونکہ اس زمانے میں ان نوواردوں کے لیے ایسی تدبیروں کی ضرورت تھی۔ ان مؤرخوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس پرچے کی اشاعت کا ایک برطانوی تجارتی کوٹھی کے ہاتھوں میں ہونا بھی لامحالہ اس کا برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعلق ثابت کرتا ہے۔

پھر کچھ مصنفوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اردو کا پہلا اخبار نہیں ہے بلکہ اس سے قبل اٹھارویں صدی کے آخری دہے میں ٹیپو سلطان نے میسور سے اور انیسویں صدی کے پہلے دہے میں فورٹ ولیم کالج کے ایک معاون لائبریرین مولوی اکرام علی نے کلکتہ سے اردو کے اخبارات جاری کیے تھے۔

اس کتاب میں انھیں نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس جائزے کی بنیاد نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (قومی دفتر خانۂ ہند) اور دیگر مستند

ذرائع سے حاصل کردہ ان معلومات پر ہے جو آج تک منظرِ عام پر نہیں آئی تھیں۔

ان معلومات میں سرفہرست حکومت کے چیف سکریٹری، ولیم بٹر ورتھ بیلی کا تبصرہ ہے جو انھوں نے "جام جہاں نما" کے پہلے چھ ماہ کے شماروں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد کیا تھا۔ انھوں نے اس اخبار کو سیاسی بیداری کے جذبات پیدا کرنے والا اور سامراج کے استحکام کے خلاف خطرہ بننے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ اسی تبصرے کی بنیاد پر گورنر جنرل جان ایڈم نے کمپنی کی حکومت کا اولین پریس آرڈیننس جاری کیا تھا اس آرڈیننس کے خلاف راجا رام موہن رائے نے قانونی احتجاج کیا تھا، اسی سے شہ پاکر دیسی صحافت میں فرنگی حکومت کے ناگوار اقدام کے خلاف اعتراض اور احتجاج کا جذبہ فروغ پذیر ہوا۔

ساتھ ہی "جام جہاں نما" کے پس منظر اور اس کے اپنے زمانے کے صحافتی ماحول، بالخصوص قومی لسانی صحافت کے حالات بھی پیش کیے گئے ہیں تاکہ اس اخبار کی ہستی اور وقعت کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

یہ نئی معلومات ظاہر کرتی ہے کہ "جام جہاں نما" کے بارے میں مروجہ نظریات حقیقت سے دور ہیں اور اردو صحافت کی عمارت کی یہ پہلی اینٹ سیدھی نصب نہیں کی گئی۔ اس کے نتیجے میں اردو صحافت کے قاری اور طالب علم آج تک مسلسل گمراہی کا شکار ہوتے رہے ہیں۔

یہ کتاب صرف "جام جہاں نما" کی روداد ہی نہیں بلکہ اس میں اردو صحافت کی ابتدا، اردو سماج کے ارتقا اور ان کے سیاق میں پیدا ہونے والے جدید ہندستان کے کئی اہم مسائل کی مبادیات کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ ہم نے نئے ہندستان کی تشکیل، ایک سامراج پسند برطانوی تجارتی کمپنی کے مغلیہ عہد کے زوال اور ملک کے اندرونی انتشار کے سبب حاصل کردہ اقتدار کی ستم رانیوں اور اٹکھیلیوں کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس اقتدار کی کئی اولین فارسی اخباروں نے مخالفت کی تھی۔ ان اخباروں کی پشت پر ایک بالغ قلمی صحافت تھی جس کی جانشین اردو صحافت بنی۔

کتاب میں فارسی کی قلمی صحافت کے نمونوں کے اردو ترجمے اور اس کا کم و بیش تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے جو غالباً اپنی نوعیت کا اولین مطالعہ ہے۔ یہ صحافت

سترہویں اور اٹھارہویں صدیوں میں، جب فارسی سرکاری زبان تھی، ملک کے کئی صوبوں میں اس وقت بھی رائج تھی، جب انگریزی صحافت کی ابھی یہاں بسم اللہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کا دائرہ کار اعلا سرکاری حلقوں تک محدود تھا۔ اس کا مقصد اپنے حکمرانوں کو ملک کے ان حالات سے آگاہ کرنا تھا، جو حکومت کے لیے کوئی مسئلہ پیدا کرسکتے تھے۔ اس صحافت کی حیثیت بلاشبہ ایک کورٹ سرکلر کی سی تھی لیکن اس کے وقائع نگاروں کا مواد آج کے نامہ نگاروں کے مواد سے مختلف یا جدا نہیں تھا۔ ہندستان میں جاری ہونے والے اوّلین انگریزی اخباروں نے ان وقائع نگاروں سے حسبِ ضرورت کام لیا اور یہ مقصد حاصل کرنے کی خاطر فارسی زبان سیکھی جس سے مغرب کے علم و دانش کے حلقوں میں مشرق کے علم و دانش کی کرنیں داخل ہوئیں۔

"جام جہاں نما" نے جو فارسی کی مروّج قلمی صحافت کا جانشینِ اوّل تھا، فارسی صحافت کو پہلی بار اردو زبان کے ایک عوامی اخبار میں پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اردو صحافت کے لیے خبروں کے انتخاب، اداریوں اور تبصرہ آرائی کا ایک انداز اور معیار بھی تخلیق کیا جو جلد ہی شمالی ہند کی اردو صحافت کے لیے رہنما ثابت ہوا۔ ہم نے شمالی ہند میں اردو صحافت کے بانی "دہلی اردو اخبار" اور "جام جہاں نما" کا ایک موازنہ بھی پیش کیا ہے۔ یہ بھی اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔

یہ امر حیرت ناک ہے کہ ہمارے اس اوّلین اخبار سے جو تقریباً ساٹھ سال تک جاری رہا اور جو اجرا کے چھے سال بعد ہی صاحبِ مطبع اور کمپنی کے نشان سے آزاد بھی ہوگیا، آج تک انصاف نہیں کیا گیا بلکہ ستم ہے کہ اسے ایک بے وقعت، طفیلی اور کاسہ لیس اخبار کا درجہ دے کر تاریخ کے کوڑے دان میں پھینک دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اخبار جس سے ہندستان کے گوشے گوشے کے اخباروں، مشاہدوں اور مبصروں نے استفادہ کیا تھا اور جسے حکومت کے ایک سکریٹری نے اپنے وقت کا "بہترین، محتاط اور ذی فہم" اخبار قرار دیا تھا، اپنے مورّخوں ہی کے ہاتھوں اردو صحافت کا مظلوم ترین اخبار بن گیا۔

اس اخبار سے عدم توجہی یا نیم توجہی کی ایک بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس کے مالک اور اڈیٹر کے بارے میں پوری معلومات دستیاب نہیں ہورہی ہیں۔ راقم الحروف نے ان کی فراہمی کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ دستیاب ریکارڈ کی کھوج لگائی۔ اخباروں میں اشتہار

چھپوائے۔ اکابر اردو کو خطوط لکھے، ذاتی طور پر ان سے استفسار کیا لیکن افسوس کہ اخبار کے بانی ہری ہر دت اور اوّلین اڈیٹر سدا سکھ لعل کے شخصی کوائف میسّر نہ ہوئے۔ بہر حال اس تلاش کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جاری رہنی چاہیے بالخصوص اخبار کے فارسی کے اپنے ریکارڈ اور اس کے ہمعصر بنگلہ اخباروں کی چھان بین جاری رہنی چاہیے۔ اردو صحافت کی تاریخ میں "جام جہاں نما" کو محض ایک نیم بخت یا سرکاری سرپرستی میں شائع ہونے والا خام اخبار قرار دے کر چھوڑ دینے سے یہ تاریخ درجۂ استناد حاصل نہیں کر سکے گی۔

اس اخبار کے بانیوں نے جس کاوش اور لگن سے تقریباً پانچ سال تک اس کا اردو اڈیشن مرتب کر کے شائع کیا وہ اردو صحافت اور اردو نثر کی تاریخ کا نہ صرف ایک منفرد بلکہ نہایت تعمیری باب ہے۔ بہر حال اس کے مندرجات اور دیگر ریکارڈ کی مدد سے جتنی معلومات براہ راست یا بلا واسطہ مل سکی ہیں یا ان بزرگوں کے موقف اور کردار کے بارے میں جو واضح شواہد میسّر آئے ہیں ہم نے ان اوراق میں محفوظ کر دیے ہیں۔

ان شواہد کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اس اخبار کا بانی ایک فارسی داں بنگالی ہندو تھا جس نے سب سے پہلے عوامی صحافت کی نشر کے لیے اردو کی صلاحیت کو دریافت کیا اور اسے عملی جامہ پہنایا۔ سرکاری ملازم ہونے کے باوجود وہ نہ صرف ایک جدت پسند صحافی تھا بلکہ صحافیوں کے مساوی حقوق کی حفاظت کے لیے اس نے اپنے حاکموں سے دو ٹوک بات کرنے کی جرأت بھی کی۔

اس کتاب کا موضوع "جام جہاں نما" کی حیاتِ اردو ہے لیکن کہیں کہیں اس کے فارسی حصے سے بھی ایسے امور شامل کیے گئے ہیں جن سے اس کے موقف اور کردار کو سمجھنے میں مدد مل سکے لیکن یہ کسی اعتبار سے بھی اخبار کے فارسی اڈیشن کا تجزیہ نہیں ہے۔ یہ اڈیشن جس نے اپنے اوصاف کی بدولت عمرِ خضر پائی ایک الگ تحقیق اور تجزیے کا مستحق ہے لیکن افسوس کہ اس پر آج تک کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

اس کتاب کے حقائق "جام جہاں نما" کے اصلی پرچوں اور دیگر متعلقہ حوالوں سے حاصل کیے گئے ہیں۔ لیکن ہمیں کوئی ایسا بھرم یا دعوا نہیں ہے کہ اب اس ریکارڈ سے مزید استفادہ ممکن نہیں ہے۔ امرِ واقع یہ ہے کہ یہ ریکارڈ دہلی کے علاوہ کلکتہ، لندن اور کئی دوسرے مقامات پر بکھرا ہوا ہے اور اس کی موجودگی کسی سیدھے عنوان یا دروازے کی پابند نہیں بلکہ اس دور

کے مشترکہ ریکارڈ اور بستوں میں مستور ہے۔ اس دفینے سے بیرحاصل موضوعاتی دریافتوں کے لیے ایک اداراتی پروجیکٹ کی ضرورت ہے۔

ہمارا مقصد اردو صحافت کے کسی مورخ کی سبکی کرنا نہیں نہ ہم "جام جہاں نما" کے بارے میں کوئی مبالغہ آمیز رویہ پیدا کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس تفاوت، یک رخی اور بے اعتنائی کی طرف توجہ دلانا ہے جو ہمارے مورخ آج تک اردو صحافت کے بعض گوشوں سے برتتے رہے ہیں۔ یہ صحافت بنگالی کے بعد برصغیر کی دوسری قدیم ترین صحافت ہے اور نئے ہندستان کے ذہن کو بنانے والے انیسویں صدی کے سب سے اہم زمانے کے مزاج اور شعور کی پرورش گاہ رہی ہے۔ اس کے معماروں میں ہر طبقے کے ارباب فکر و نظر شریک رہے ہیں۔ ان کا مجموعی مقصد علم و دانش کی خدمت اور فروغ تھا۔ اس صحافت کے معمار اول - جام جہاں نما "نے اسی مقصد کو حرز جاں بنایا تھا۔ ہمارے مورخوں کو وہ ہندستان میں ہوں یا پاکستان میں، اسی امر کو ترجیح دینی چاہیے تاکہ اردو صحافت، صحافت کے مسلّمہ اصولوں کے احترام میں علم کی ایک مضبوط شاخ بن سکے۔

تحقیق کی ہر کتاب خود تو ختم ہو جاتی ہے، لیکن اس کے موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ہم بھی اس کتاب کو اپنے موضوع کی ایک ابتدائی کاوش ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اگر یہ اس موضوع پر مزید توجہ اور تشویش پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو ہم اسے اپنی ٹھوس کامیابی تصور کریں گے۔

گربچن چندن

نئی دہلی

۸/ اکتوبر ۱۹۹۲ء

پہلا باب

اردو کا سب سے پہلا اخبار

ہندستان کے اردو اخباروں کی سب سے پہلی غیر سرکاری ڈائرکٹری "اختر شاہنشاہی" ۱۸۸۸ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس کے ایک مختصر اندراج میں بتایا گیا کہ یکم جنوری ۱۸۱۰ء کو کلکتہ میں "ہندستانی پریس" کے نام سے ایک چھاپہ خانہ قائم ہوا جس کے مالک مولوی اکرام علی اور مہتمم مولوی خلیل الدین تھے۔[1]

اس کے حوالے سے اردو صحافت کے ایک مصنف سید محمد اظہر نادم سیتاپوری نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کلکتہ میں اپنے اسی پریس سے ۱۸۱۰ء ہی میں مولوی اکرام علی نے، جو سیتاپور میں پیدا ہوئے تھے اور معاش کی تلاش میں کلکتہ چلے گئے تھے، "اردو اخبار" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا جو اردو کا "سب سے پہلا" اخبار تھا۔[2]

یہی نظریہ اردو کے کچھ اور مصنفین نے بھی اپنے متفرق مضامین میں پیش کیا ہے۔ لیکن نادم سیتاپوری نے اس پر ایک پوری کتاب لکھ دی جو ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔[3] اس کتاب میں انھوں نے کہا کہ اس اخبار کا کوئی ریکارڈ آج دستیاب نہیں ہوتا لیکن "اس نایابی کا سہارا لے کر یہ یقین کر لینا مناسب نہیں ہے کہ اس نام کا کوئی اخبار انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں نکلا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ چل کر "اردو اخبار" (کلکتہ) کے شمارے سامنے آ جائیں۔"[4]

ظاہر ہے کہ یہ نظریہ قیاس اور خوش فہمی کا حامل ہے۔ اگر اس کی بنیاد کسی منطق یا ثبوت سے پختہ کی جاتی تو اسے تسلیم کیا جا سکتا تھا لیکن جس "اختر شاہنشاہی" کے حوالے

سے صاحبِ نظریہ نے "اردو اخبار" کا ظہور قائم کیا ہے اس کے اپنے اوراق میں کلکتہ سے جاری ہونے والے اس نام کے کسی اخبار کا کوئی اندراج نہیں ملتا حالانکہ بقول نادم سیتاپوری اس کے مولف نے "ہندستان کے ہر ہر شہر اور قصبہ کی خاک چھان کر ہندستانی پریس اور اخبارات کی یہ تاریخ مرتب کی ہے[؎] دوسرے الفاظ میں خود مولف بھی جنھوں نے اپنے دیباچے میں کہا ہے کہ "آج تک جس قدر مطابع و اخبارات جاری ہوئے ان کی فہرست ردیف وار بہت کوشش سے مرتب کی گئی" اس "اردو اخبار" کے وجود کی کوئی اطلاع نہیں پا سکے تھے۔

دستیاب سرکاری ریکارڈ سے بھی اس دعوا کی تصدیق نہیں ہو سکی کہ "ہندستانی پریس" کے بانی مولوی اکرام علی سیتاپوری تھے اور اس کا سالِ قیام ۱۸۱۰ء تھا۔ یہ وہ پریس ہے جس نے فورٹ ولیم میں قائم کردہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کالج کی بیشتر نصابی کتابیں شائع کیں۔

اس کالج میں تعلیم و تدریس کا کام ۲۴ نومبر ۱۸۰۰ء سے شروع ہوا[؎] اگرچہ کالج کا باضابطہ قیام ۱۸ اگست ۱۸۰۰ء کو ہو گیا تھا[؎] تاہم اس سے طبع ہونے والی اولین کتاب پر اس کا سالِ طباعت ۱۸۰۲ء دیا گیا ہے۔ یہ ہندستانی (اردو) زبان کی ایک گرامر تھی اور اس کے مصنف ڈاکٹر جان بارتھ وک گلکرسٹ تھے[؎] انھوں نے اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نووارد افسروں کو اردو زبان سے جلد سے جلد دستگاہ پیدا کرنے کے لیے مرتب کیا تھا۔

یہ اطلاعات ہمیں فورٹ ولیم کالج کی ایک مبسوط تاریخ میں ملتی ہے جو ۱۸۱۹ء میں کالج کے وزیٹر گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز کی منظوری سے شائع ہوئی اور جس کے مولف کیپٹن ٹامس روبک اس کالج کی انتظامیہ کونسل کے ایک معاون سکریٹری تھے[؎] موصوف اس کالج میں مختلف اوقات پر ہندستانی (اردو)۔ برج بھاشا۔ فارسی اور عربی زبانوں کے سرکاری ممتحن، معاون پروفیسر اور اس کی کونسل کے قائم مقام سکریٹری بھی رہے۔ یہ ضخیم تاریخ چھے سو ستّر صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سراسر کالج کے سرکاری ریکارڈ سے مرتب کی گئی ہے۔ اسے فورٹ ولیم کالج کے پہلے اٹھارہ سال پر ایک بائبل کی حیثیت حاصل ہے۔ ۱۸۱۸ء میں کالج کے سالانہ جلسے میں وزیٹر لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے خطبے میں اس کی طباعت سے

عین قبل کہا کہ "یہ کتاب اس ملک کی بہت بڑی آبادی کے لیے مفید مطلب ہو گی۔ اس میں کالج کے روزِ قیام سے ہونے والے ہر قابلِ یادگار واقعہ کا ریکارڈ شامل ہو گا۔[۱۰]"

اس تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ مولوی اکرام علی اس کالج میں ایک لائبریرین تھے اور اس منصب پر ان کا تقرر اکتوبر ۱۸۱۶ء میں ہوا[۱۱]

اس تاریخ کو نادم سیتاپوری نے بھی "فورٹ ولیم کالج پر سب سے زیادہ مستند کتاب" تسلیم کیا ہے[۱۲]۔ مزید انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہندستانی پریس سے ۱۸۱۱ء میں عربی کی ایک قدیم کتاب "اخوان الصفا" کا اردو ترجمہ شائع ہوا تھا، جو مولوی اکرام علی نے کیا تھا[۱۳]

ٹامس روبک کی کتاب میں جو نیشنل آرکائیوز نئی دہلی کی لائبریری میں دستیاب ہے اس ترجمے کی طباعت کا کئی اوراق پر ذکر ملتا ہے لیکن ایک کے سوائے باقی تمام جگہوں پر صاحبِ ترجمہ کا نام مولوی تراب علی لکھا گیا ہے۔

سب سے پہلی بار یہ ذکر کتاب کے متن میں فورٹ ولیم کالج کے ۱۸۱۰ء کے سالانہ جلسے میں کالج کے وزیٹر کے (جو گورنر جنرل یا قائم مقام گورنر جنرل ہی ہوتا تھا) خطبے میں ملتا ہے۔ اس خطبے میں اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ منٹو نے بتایا کہ زیرِ نظر سال کے شعبۂ ہندستانی کے پروگرام میں "عربی کی ایک موقر تصنیف 'اخوان الصفا' کے ایک حصے کے اردو ترجمے کی طباعت شامل ہے...... یہ ترجمہ مولوی تراب علی نے کیا ہے جو لکھنؤ کے ایک باشندے ہیں اور عربی اور ہندستانی دونوں زبانوں میں اعلا مہارت رکھتے ہیں۔ اس کام میں ان کی مدد کالج کے شعبۂ ہندستانی کے فاضل دیسی منشیوں نے کی ہے[۱۴]۔"

پھر ۱۸۱۱ء کے جلسے میں قائم مقام وزیٹر لیفٹیننٹ جنرل جارج ہیوٹ کے خطبے میں بتایا گیا ہے کہ زیرِ نظر سال میں "اخوان الصفا" کی طباعت مکمل ہو چکی ہے۔ "یہ ترجمہ اصل عربی کتاب سے مولوی تراب علی اور دیگر افراد نے کالج کے شعبۂ ہندستانی کے صدر کیپٹن ٹیلر اور لیفٹیننٹ اے۔ لاکٹ (کالج کے ایک ممتحن) کی نگرانی میں کیا۔[۱۵]"

پھر ۱۸۱۴ء کے جلسے میں گورنر جنرل لارڈ موئرا کے خطبے میں مولوی تراب علی کے بارے میں اطلاع ملتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ "مولوی تراب علی کو جو کالج کے اورینٹل لائبریرین ہیں عربی گرامر پر ایک قابلِ قدر مسودہ بعنوان "وسیط النحو" لائبریری میں جمع

کرانے کے صلے میں کالج کونسل کی طرف سے ایک انعام دیا گیا تھا[۹]

مولوی تراب علی کے بارے میں نادم سیتاپوری نے اپنی تحقیق کی بنا پر بتایا ہے کہ "علامہ تراب علی نامی کی پیدائش بھی سیتاپور کے ضلع میں ہوئی تھی۔ وہ مولوی اکرام علی کے ایک بہت ہی قریبی رشتے کے بھائی، استاد اور سرپرست تھے۔ تلاش معاش میں کلکتہ چلے گئے اور وہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمرۂ اساتذہ میں شامل ہو گئے"[۱۰]

ٹامس روبک کی کتاب کے آخر میں پانچ ضمیمے شامل ہیں۔ ان میں سے دوسرے ضمیمے میں کالج کی ہندستانی مطبوعات کی فہرست درج کی گئی ہے۔ اس فہرست میں "اخوان الصفا" کا ہندستانی میں ترجمہ کرنے والے کا نام مولوی اکرام علی ہے اور مولوی تراب علی کا کوئی ذکر نہیں ہے[۱۱]

اس حتمی اندراج سے اندازہ ہوتا ہے کہ "اخوان الصفا" کے اردو ترجمے کا بنیادی کام غالباً مولوی اکرام علی ہی نے کیا۔ پھر اس کتاب میں ان کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے جو اصل مترجم کے بارے میں ایک حتمی ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اخوان الصفا (ترجمہ اردو) کے بارے میں نادم سیتاپوری کے نظریے کی بنیاد یہی امور ہیں۔ لیکن یہ بنیاد صرف مولوی اکرام علی کے صاحب ترجمہ ہونے تک محدود ہے۔ ان امور سے مولوی خلیل الدین کے اس کے طباعتی انتظام کا مہتمم ہونے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ٹامس روبک کے ضمیمے میں اس مہتمم کا نام اے۔ ایچ۔ ہبرڈ دیا گیا ہے۔

نادم سیتاپوری نے مزید یہ دعوا بھی کیا ہے کہ اکرام علی ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کے قائم ہوتے ہی اس کے شعبۂ تصنیف سے منسلک ہو گئے تھے[۱۲] اس دعوے کی تصدیق فورٹ ولیم کالج کے ریکارڈ سے نہیں ہوتی۔ اس ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ کالج کے اولین منشیوں کا تقرر ۴ مئی ۱۸۰۱ء کو ہوا۔ شعبۂ ہندستانی کے لیے کل چودہ منشی متعین کیے گئے۔ ان کی فہرست میں مولوی اکرام علی کا نام کہیں نہیں ملتا[۱۳]

نادم سیتاپوری نے "اخوان الصفا" کے دیباچے سے طویل اقتباسات نقل کیے ہیں، جن میں مولوی اکرام علی نے بتایا ہے کہ وہ "موافق اخی الاستادی جناب بھائی صاحب قبلہ مولوی تراب علی صاحب دام ظلہٗ کے (بلانے پر) شہر کلکتہ میں آئے" اور ان کی سفارش پر وہاں مسٹر ابراہام لاکٹ نے کمپنی کے حساب میں انھیں "اپنے پاس نوکر متعین کرایا"۔

"بعد چند روز" کالج کے مدرسِ ہندی کپتان جان ولیم صاحب نے انھیں رسالہ اخوان الصفا کا" جو انسان و بہائم کے مناظرے میں ہے" آسان اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے کہا (اصل عربی تصنیف کی کل ۱۵ جلدیں تھیں۔ مولوی اکرام علی کو ان میں سے صرف ایک رسالے کا ترجمہ کرنے کے لیے کہا گیا۔) اور ان کا یہ ترجمہ گورنر جنرل لارڈ منٹو کے عہد میں سن ہجری بارہ سو پچیس ۱۲۲۵ھ اور سن عیسوی اٹھارہ سو دس ۱۸۱۰ء میں مرتب ہوا۔[۲۱]

دیباچے کی ان عبارتوں میں مولوی اکرام علی کی کلکتہ میں آمد یا فورٹ ولیم کالج میں ان کے تقرر کی کسی تاریخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نہ اس میں ان کے "ہندستانی پریس" یا کسی اور پریس کے بانی یا مالک ہونے یا اس سے "اردو اخبار" کے نام سے اپنا اخبار جاری کرنے کا کوئی ذکر ہے۔

بہر حال ٹامس روبک ہی کی تاریخ سے ۱۸۱۵ء میں ہندستانی پریس کے موقف کے بارے میں بہت اہم بلکہ فیصلہ کن معلومات مل جاتی ہیں۔ اس سال کے جلسے میں قائم مقام وزیٹر این بی ایڈمونسٹن نے جو اپریل ۱۸۰۱ء سے کالج کی کونسل کے ممبر تھے[۲۲] اپنے خطبے میں کالج کے دوسرے شعبوں کی رفتارِ ترقی بیان کرتے ہوئے اس کے طباعت کے شعبے اور فارسی کی قدیم لغت "برہانِ قاطع" کے دستیاب نادر مسودے کی طباعت کے پروگرام پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

طباعت کے شعبے پر بھی توجہ اور نگہداشت رکھی گئی۔ یورپ سے حال ہی میں نسخ یا عربی کے عمدہ قسم کے ٹائپ کے حروف منگوائے گئے ہیں جنھیں استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے تجربے کی بنا پر اندازہ ہے کہ فارسی ڈکشنری (برہانِ قطع) کا مشرقی دنیا کا جو بہترین مسودہ دستیاب ہے، وہ اب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گا اور اس کا صحیح اور عمدہ (مطبوعہ) اڈیشن میسر ہو جائے گا۔ اس کی طباعت کا کام کالج کے قائم مقام سکریٹری اور ممتحن کپتان ٹامس روبک کے ہاتھوں میں ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندستانی پریس کا انتظام اور نظم و نسق کالج اور کمپنی کے افسروں کے ہاتھوں میں تھا اور وہ اس کی اصلاح و بہتری پر نہ صرف نظر رکھتے تھے بلکہ اس کے لیے ضروری سامان بھی یورپ سے درآمد کرتے تھے۔

ان تمام حوالوں سے نادم سیتاپوری کے اس بیان کو تقویت نہیں ملتی کہ انیسویں صدی

کے ابتدائی زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعاون سے مولوی اکرام علی نے کلکتہ میں "ہندستانی پریس" قائم کیا تھا اور اس کے مہتمم مولوی خلیل الدین تھے۔[۲۳]

نادم سیتا پوری مزید رقم طراز ہیں: تاریخی حیثیت سے اس کا کوئی ثبوت ابھی تک فراہم نہیں ہو سکا کہ یہ پریس مشین کہاں سے کس قیمت پر حاصل کی گئی تھی۔ البتہ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس مطبع کے قیام اور ضروری سامان کی فراہمی میں اکرام علی کے چہیتے شاگرد ابراہم لاکٹ کا ہاتھ ضرور تھا جو اس زمانے میں فورٹ ولیم کالج کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ہو سکتا ہے یہ مشین کالج ہی کی کوئی زائد مشین ہو جسے اکرام علی کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا ہو۔[۲۴]

قطع نظر اس کے کہ یہ بیان مفروضوں اور خوش فہمیوں پر مبنی ہے، اس میں کئی مغالطے بھی ہیں۔

تاریخی حیثیت سے فورٹ ولیم کالج کے ریکارڈ سے یہ ثبوت واضح طور پر ملتا ہے کہ اس پریس کو ٹائپ اور طباعت کا دوسرا سامان مسٹر فرانسس گلیڈون نے دیا تھا۔ موصوف سرکاری اخبار "کلکتہ گزٹ" کے اڈیٹر تھے اور مشرقی علوم کے فروغ میں عملی دلچسپی لیتے تھے۔ انھوں نے ان علوم کی کئی کتابیں بھی شائع کی تھیں اور کالج کے قیام کے ساتھ ہی انھیں وہاں شعبۂ فارسی کے صدر کا منصب دیا گیا تھا۔ ان کے اس عطیے کے لیے فورٹ ولیم کالج کی کونسل نے اپنے ۹ر فروری ۱۸۰۲ء کے اجلاس میں باضابطہ طور پر شکریے کی ایک قرار داد پاس کی تھی۔ قرار داد مختصر تھی لیکن یہ صریح اور حتمی ہے۔ اس میں کہا گیا۔

کالج کونسل نے اس مقصد کا ایک حکم منظور کیا کہ یہ فرانسس گلیڈون کا اس امر کے لیے شکریہ ادا کرے کہ انھوں نے فورٹ ولیم کالج کو ٹائپ اور مشرقی حروف کا قیمتی سامان دیا ہے۔ دستخط سی۔ راتھمین سکریٹری[۲۵]

مزید برآں فورٹ ولیم کالج کے ریکارڈ میں ایک خط بھی ملتا ہے جو مسٹر جان بارتھوک گلکرسٹ نے ۳۰ر جنوری ۱۸۰۱ء کو کالج کونسل کے سکریٹری کو لکھا تھا۔

مسٹر گلکرسٹ معاش کی تلاش میں ۱۷۸۲ء میں ہندستان میں آئے تھے اور انھوں نے اپنے فطری رجحان اور گہرے ذوق کی بدولت ہندستان کی کئی زبانوں میں مہارت

حاصل کرلی۔ ۱۷۹۸ء تک ہندستانی زبان کے قواعد اور لغت پر ان کی یکے بعد دیگرے چار کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ جس کی بدولت انھیں اس دور کی علمی زندگی میں ایک بلند مقام حاصل ہو چکا تھا۔ جنوری ۱۷۹۹ء میں انھوں نے گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کے ایما پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے نو وارد افسروں کی ہندستانی زبان میں تعلیم و تربیت کے لیے "اورینٹل سیمے نری" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔[۴۵] یہ تجربہ بہت کامیاب ہوا۔ جب اپریل ۱۸۰۱ء میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تو انھیں اس کے شعبۂ ہندستانی کا صدر مقرر کر دیا گیا۔

کالج کونسل کے سکریٹری کے نام اپنے خط میں انھوں نے کہا:

مسٹر فرانسس گلیڈون نے ٹائپ اور طباعت کا دوسرا سامان جو کالج کونسل کو دیا ہے، غالباً اس سے بہتر سامان اس وقت دستیاب نہیں ہو سکتا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ کالج کونسل کے سامنے آپ میری اس خواہش کا اظہار کر دیں کہ ہندستانی زبان کی جو کتابیں میں عنقریب چھاپنے والا ہوں، ان کی طباعت کے لیے میں اس سامان کو اپنی تحویل میں لے کر اپنے شعبے کے کام میں لانا چاہتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اسے آپ کو حسب الطلب بر تمام و کمال واپس کر دوں گا۔ میری تحویل کے دوران میں اس میں سے اگر کوئی چیز ضائع یا کم ہوئی تو اس کو میں پورا کر دوں گا۔[۴۸]

اس تجویز سے قبل کالج کی درسی کتب کی طباعت دوسرے چھاپہ خانوں میں ہوتی تھی۔ چنانچہ کالج کے ریکارڈ میں کونسل کے سکریٹری مسٹر سی راتھمین کے نام گلکرسٹ کے ایک اور خط مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۸۰۲ء سے پتا چلتا ہے کہ "چار درویش" کی طباعت ہرکارہ پریس میں اور "شکنتلا ناٹک" و "مثنوی میر حسن" کی طباعت کلکتہ گزٹ کے پریس میں ہوئی تھی اور ان کتابوں کے پانچ پانچ سو نسخے چھپے تھے۔ اس پورے سال کی کتب کی تالیف اور طباعت کے متوقع اخراجات کے لیے گلکرسٹ نے اپنے خط کے ساتھ ۶۳ ہزار روپے کا ایک تخمینہ منسلک کیا تھا، جس کے بعد سکریٹری کونسل نے انھیں اطلاع کی کہ آیندہ وہ کالج کے لیے کوئی کتاب کونسل کی پیشگی منظوری حاصل کیے بغیر فراہم نہ کریں۔[۴۹] اسی کا نتیجہ تھا کہ جب کچھ مزید دلائل کے بعد گلکرسٹ نے کالج کے اندر ہی طباعت کا اپنا انتظام کرنے کی تجویز پیش کی تو کونسل نے اسے فوراً منظور کر لیا اور چھاپہ خانہ

اور اس کا جملہ سامان ان کے سپرد کر دیا ہے[۱]

اسی سامان سے گلکرسٹ نے اس پریس کی داغ بیل ڈالی جو ہندستانی پریس کے نام سے مشہور ہوا۔ اس زمانے میں کالج کی طباعتی ضرورتیں اپنے شباب پر تھیں۔ لارڈ ویلزلی اسے جلد از جلد ایک اعلا اور مستند ادارہ بنانے کے خواہاں تھے۔ اگرچہ مسٹر فرانسیس گلیڈون سے حاصل شدہ طباعت کا سامان نہایت خاطر خواہ تھا پھر بھی" گلکرسٹ کے اقدام کے تقریباً" ایک ہی ماہ بعد کونسل نے فیصلہ کیا کہ کالج کے استعمال کے لیے چھاپے کی دو اور مشین خریدی جائیں اور اس کے لیے ڈھائی سو روپے کی رقم بھی فوراً منظور کر دی گئی[۲]

پھر ۱۸۱۰ء میں جس سال میں نادم سیتاپوری نے مولوی اکرام علی کے "چہیتے شاگرد ابراہم لاکٹ کی مدد سے ہندستانی پریس کے قیام" کا دعوا کیا ہے، کالج کونسل کے سکریٹری مسٹر لاکٹ نہیں بلکہ ڈاکٹر ولیم ہنٹر تھے۔ ابراہم لاکٹ صرف معاون سکریٹری تھے[۳]

مصیبت یہ ہوئی کہ نادم صاحب کو جیسا کہ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے، ٹامس روبک کی کتاب" دستیاب نہ ہو سکی"[۴] اور نہ ہی غالباً انھیں فورٹ ولیم کالج کی کارروائی کا ریکارڈ ہی دیکھنے کا موقع ملا لہٰذا انھوں نے اپنا نظریہ دوسروں کے غیر مصدقہ حوالوں پر استوار کر لیا اور اس کے لیے انھوں نے قیاسات سے بہت کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جملوں میں " غالباً" "ممکن ہے" اور "سنا ہے" کے الفاظ بار بار آتے ہیں[۵]

حسن اتفاق سے مولوی اکرام علی، مولوی خلیل الدین اور مولوی تراب علی سب کی ولادت، بقول نادم سیتاپوری، ان کے اپنے وطن مالوف سیتاپور کے ضلع میں ہوئی۔ پس عین ممکن ہے کہ انھوں نے یہ نظریہ اپنے بزرگوں کی عزت افزائی کے لیے وضع کیا ہو۔ اپنے دعوے کی جزوی تائید انھیں اختر شاہنشاہی" سے مل گئی، جو بلاشبہ بڑی محنت اور لگن کا ثمرہ ہے۔ بہر حال اس دور کی صحافت پر حرف آخر نہیں ہے۔ یہ صرف ایک ابتدائی کاوش ہے۔ یہ کتاب ایک فرد واحد کے محدود ذرائع سے مرتب ہوئی۔ لہٰذا اس میں کئی مقامات پر خلا اور خلل واقع ہو گیا۔

اردو صحافت کی ہماری کئی تاریخیں اغلاط اور مفروضات کی گرفت میں ہیں اور ہمارے اولین دستیاب مطبوعہ اخبار "جام جہاں نما" کا حلیہ تو اس گرفت کی وجہ سے بے حد مسخ ہوا ہے۔

"ہندستانی پریس" کے موضوع پر براہ راست تبصرہ کرتے ہوئے مشہور محقق محمد عتیق صدیقی نے بڑے وثوق سے کہا ہے کہ "یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ مولوی اکرام علی نے نہیں بلکہ گل کرسٹ نے ۱۸۰۲ء میں یہ چھاپا خانہ قائم کیا تھا اور گل کرسٹ ہی کی ملکیت تھا۔"[۳۵]

بہرحال جیسا کہ اوپر دیے گئے گل کرسٹ کے خط سے ظاہر ہے، یہ "ملکیت" ایک امانت کا درجہ رکھتی تھی۔

اس سلسلے میں نیشنل لائبریری، کلکتہ کے، جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قدیم ریکارڈ دستیاب ہے، ایک معاون لائبریرین نے "کلکتہ کے قدیم اردو مطابع" کے موضوع پر اپنے تحقیقی تذکرے میں بتایا ہے۔

ہندستانی پریس کا قیام فورٹ ولیم کالج کے قیام کے ایک سال بعد ۱۸۰۱ء میں اردو اور فارسی کی درسی کتب کی طباعت کی غرض سے ہوا اور اس میں طباعت کا کام ۱۸۰۲ء سے شروع ہوا۔ اس کے ہتمم گل کرسٹ تھے، جن کو خود ارباب کالج نے اس پریس کا ٹائپ اور طباعت کا دوسرا سامان فراہم کیا تھا جو انھیں مسٹر فرانسیس گلیڈون سے ملا تھا۔ ۱۸۰۴ء میں جب مسٹر گل کرسٹ انگلستان واپس چلے گئے تو اس پریس کا انتظام ڈاکٹر ولیم ہنٹر، مسٹر ولیم میکڈوگل (لیفٹننٹ ولیم میکڈوگل کمپنی ہی کے ملازم تھے) اور میکنٹوش فلٹن اینڈ کمپنی (کلکتہ کی ایک برطانوی تجارتی کوٹھی) کی مشترکہ نگرانی میں آگیا۔ پھر جب ۱۸۱۱ء میں ڈاکٹر ولیم ہنٹر جاوا چلے گئے تو وہ یہ انتظام ڈاکٹر ولسن (مشہور مستشرق و سکریٹری، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) کے سپرد کر گئے جنھوں نے بعد میں کیپٹن ٹامس روبک کو اپنی شرکت میں لے لیا جو اس کالج میں عربی و فارسی کے استاد تھے۔[۳۶]

اس موضوع کے ایک اور مصنف ڈاکٹر جاوید نہال نے لکھا ہے کہ ہندستانی پریس سے مولوی اکرام علی کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس پریس کے مالک ڈاکٹر ولیم ہنٹر اور ڈاکٹر ولسن تھے اور منتظم دیوان رام کمل سین تھے۔[۳۷]

دیوان رام کمل سین کے بارے میں کلکتہ کے ایک اور مصنف شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے ان کے سوانح نگار بی۔ سی۔ مترا کے حوالے سے بتایا ہے کہ وہ ۱۸۰۴ء میں "ہندستانی

پریس" میں بحیثیت ایک کمپوزیٹر کے ملازم ہوئے اور پھر اپنی قابلیت کی بدولت ۱۸۱۰ء کے اواخر میں اس کے منیجر ہو گئے اور ۱۸۲۸ء تک اس کا سارا تجارتی کام چلاتے رہے۔ ..... ۱۸۲۸ء تک اکرام علی کا "ہندستانی پریس" سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لیے "اردو اخبار" کے نام کا کوئی اخبار ۱۸۱۰ء یا اس کے بعد تک اس پریس سے اکرام علی کی ادارت میں جاری نہیں ہوا ہے۔"[۲۸]

البتہ صحافت کے ایک اور مورخ آر۔ آر۔ بھٹناگر سے ایک مختصر اطلاع ملتی ہے کہ مولوی اکرام علی نے ۱۸۱۰ء میں کلکتہ میں "ہندستان پریس" کے نام سے ایک چھاپہ خانہ قائم کیا۔ جہاں فارسی زبان کی سنگی طباعت (لیتھو) کا اولین نمونہ طبع ہوا۔ "یہ اس دور کی فارسی زبان کی قلمی صحافت کا اولین لیتھوگراف تھا۔" اس کے ساتھ ہی موصوف نے اخبار "انڈین ڈیلی میل" (تاریخ نہیں دی) کے حوالے سے کہا ہے کہ مولوی اکرام علی نے ۱۸۱۰ء میں ایک اخبار جاری کیا "جس کا نام "ہندستانی" تھا اور جس کی زبان فارسی تھی۔ لیکن اس اخبار کے بارے میں اور کوئی مواد دستیاب نہیں۔"[۲۹]

اس حوالے سے نادم سیتاپوری کے دعووں کی تائید کا جو پہلو نظر آتا ہے وہ سراسر فریبِ نظر ہے کیونکہ نہ اس اخبار کا نام "اردو اخبار" تھا اور نہ اس کی زبان ہی اردو تھی۔ یہ فارسی زبان کا اخبار تھا اور انڈین ڈیلی میل ہی کے مطابق اس پر کوئی مواد آج تک دستیاب نہیں ہوا۔

اردو کے اولین اخبار کے بارے میں ہمارے ہاں ایک دعوا اور بھی ہے۔ اس کے مطابق اردو کا سب سے پہلا اخبار اٹھارہویں صدی کے اواخر میں (۱۷۹۴ء کے آس پاس) میسور کے حکمراں ٹیپو سلطان نے جاری کیا اور اس کا نام "فوجی اخبار" تھا۔

"اس نظریہ کے مصنف محمد سعید عبدالخالق کے مطابق یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو مبینہ طور پر میسور کے سرکاری پریس میں چھپتا تھا۔" اس کی تقسیم سلطان کی فوج تک محدود ہوتی تھی۔ اس اخبار میں فوجی خبروں اور احکام وغیرہ کے علاوہ انگریزوں کی شکایت اور فرانسیسیوں کی تعریف ہوتی تھی۔ یہ مطبع ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ضبط کر لیا گیا۔ اور جہاں کہیں اس اخبار کے نسخے دستیاب ہوئے انھیں تلف کر دیا گیا۔"[۳۰]

مجھے اس اخبار کا ذکر سب سے پہلے ڈاکٹر محمد صادق کی "ہسٹری آف اردو لٹریچر" (تاریخ ادب اردو) میں ملا جو ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن انھوں نے لکھا تھا کہ انھیں اس کی اطلاع ڈاکٹر تصدق حسین خالد سے ملی تھی یعنی گویا انھوں نے خود محمد سعید عبدالخالق کی کتاب، جو ۱۹۴۲ء میں حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوئی، نہیں دیکھی تھی یا دوسرے الفاظ میں انھیں دستیاب نہیں ہوئی تھی۔

اسّی صفحات کی یہ چھوٹی سی کتاب، جس کے مصنف اس کی تصنیف کے وقت حیدرآباد (دکن) میں ایک طالب علم تھے، حقیقتاً کمیاب ہے۔ خاصی تلاش کے بعد مجھے اس کا نسخہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی کی ڈائرکٹر ڈاکٹر فہمیدہ بیگم سے میسّر ہوا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مصنف کا ماخذ "بنگلور کے ایک عمر رسیدہ بزرگ کی اپنے مرحوم دادا کی روایت" ہے جس کی تائید میں انھوں نے کوئی مستند شہادت یا دستاویزی حوالہ پیش نہیں کیا بلکہ خود یہ تاثر دیا ہے کہ آج اس اخبار کا کوئی شمارہ دستیاب نہیں کیونکہ "انگریزوں نے ۱۷۹۹ء میں فتح میسور کے بعد اس کا تمام ریکارڈ تلف کر دیا تھا۔"

یہ اتلاف کا نظریہ کچھ حلق سے نہیں اترتا۔ اُن دنوں انگریز حکام ہر قسم کا ریکارڈ حفاظت سے رکھنے کی راہ پر چل رہے تھے۔ ان کا اس زمانے کا محفوظ کیا ہوا ریکارڈ آج بھی لندن، دہلی، کلکتہ اور کئی دوسری راجدھانیوں کے آرکائیوز میں بڑے بڑے کمرے گھیرے ہوئے ہے اور روزِ اوّل سے یہ سیکڑوں عالموں اور محققوں کی علمی ضرورتوں کے لیے میسّر آ رہا ہے۔ پھر ایک شکست خوردہ اور جنگ میں کام آ جانے والے حکمران کے مبیّنہ مطبوعہ اخبار کے ریکارڈ کو تلف کرنے کی ضرورت یا شدّت ہی کیا تھی؟ انگریز نے تو اپنے دشمن نپولین بونا پارٹ کے نام ٹیپو سلطان کے وہ خطوط بھی محفوظ کیے ہیں جو اس نے اپنی جاسوسی سے ان کے منزلِ مقصود پر پہنچنے سے قبل ہی اڑا لیے تھے۔ پھر ریکارڈ تو ہکیز گزٹ کا بھی تلف نہیں کیا گیا تھا حالانکہ اس کے بانی اڈیٹر نے کمپنی کے کچھ حکام کے گھناؤنے راز شائع کیے تھے اور پھر اٹھارھویں صدی کے دیسی زبان کے ایک اوّلین اخبار کا ریکارڈ تو ویسے ہی ایک ایسا اثاثہ تھا جسے تلف کرنے کے لیے کوئی بھی ذہن آمادہ نہیں ہو سکتا۔

بہرحال زیرِ بحث ریکارڈ کے بارے میں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (نئی دہلی) میں ایک

رپورٹ ملتی ہے جس میں بتایا گیا کہ میسور کی فتح اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد گورنر جنرل ارل آف مارنگٹن (لارڈ ویلزلی) کو سرنگا پٹنم کے قلعے اور محل سے ٹیپو سلطان کے ریکارڈ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملا جس کے معائنے اور فہرست سازی کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشرقی علوم سے واقف "فارسی مترجم" نیل بنجمن ایڈمونسٹن NEIL BENJAMIN ADMONSTONE کو متعین کیا گیا۔ یہی صاحب جن کے دفتر میں متعدد یورپین معاون اور ہندستانی منشی تعینات تھے، ۲۴ اپریل ۱۸۰۱ء کو فورٹ ولیم میں قائم برطانوی حکومت کے خفیہ سیاسی اور خارجہ امور کے محکمے کے سکریٹری اور پھر ۲۰ جولائی ۱۸۰۱ء کو اس حکومت کے اولین فارسی سکریٹری مقرر ہوئے[۲۲]۔ انھوں نے گورنر جنرل سے حاصل شدہ ریکارڈ کے مشمولات کی مدراس کے فورٹ سینٹ جارج میں قیام کر کے جو رپورٹ تیار کی وہ ۱۶۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کل ۱۷۹ اندراجات ہیں لیکن کسی بھی اندراج میں ٹیپو سلطان کے "فوجی اخبار" یا کسی چھاپہ خانے کا ذکر نہیں ملتا۔

اس رپورٹ میں ہندستان سے برطانوی اقتدار کے اخراج کے موضوع پر ٹیپو سلطان کی فرانس اور افغانستان کی حکومتوں سے نامہ و پیام کی دستاویزوں کا ذکر جا بجا ملتا ہے اور اس موضوع پر خود ایڈمونسٹن کا یہ تبصرہ بھی موجود ہے کہ "ٹیپو سلطان برطانوی قوم سے سخت نفرت کرتا تھا اور اسے ناروا منصوبوں کا مرتکب سمجھتا تھا مزید اس کا عقیدہ تھا کہ وہ برطانیہ کے خلاف ایک 'جہاد' کر رہا ہے۔ اس نے کابل کے (حکمران) زمان شاہ اور فرانس کے گرینڈ سگنیور GRAND SUGNIOR کو اپنے مراسلات میں لکھا کہ 'برطانوی اقتدار کا مقصد اسلام کی تخریب کرنا ہے'[۲۳]۔ اسلام کے خطرے میں ہونے کی ایسی دلیل سب سے پہلے غالباً ٹیپو سلطان ہی نے پیش کی۔

بہرحال اس ریکارڈ کے تمام مشمولات میں ٹیپو سلطان کے "فوجی اخبار" یا کسی بھی اخبار کے کسی بھی شمارے، اداریے یا مضمون کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس رپورٹ میں "مطبوعہ دستاویزوں" کے الفاظ ضرور ملتے ہیں لیکن ان کی "تفصیل" میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ یہ ٹیپو سلطان کے کسی چھاپہ خانے سے طبع ہوئی تھیں۔ اور جو "تفصیل" دی گئی ہے اس میں مندرجہ ذیل مدات درج کی گئی ہیں۔

(۱) محل میں ملنے والے کاغذات کی تصدیق شدہ نقلیں اور ان کے ترجمے۔

(۲) فارسی اور مرہٹی دستاویزوں کے تصدیق شدہ ترجمے۔

(۳) سات مارچ ۱۷۹۸ء تا ۲ ستمبر ۱۷۹۹ء ٹیپو سلطان مرحوم اور گورنر جنرل میں خط وکتابت کی مطبوعہ نقلیں اور ترجمے۔

(۴) ۳۰ جولائی ۱۷۹۸ء کو جزیرہ فرانس ISLE OF FRANCE میں جنرل ملارٹک GEN. MALARTIC کے اعلان کی مطبوعہ نقل اور ترجمہ۔

(۵) ۱۲ اگست ۱۷۹۸ء کے گورنر جنرل کے نوٹ کے ایک اقتباس کی مطبوعہ نقل جس میں وہ اطلاع شامل ہے جو گورنر جنرل کو فرانس سے ٹیپو سلطان کی مخالفانہ گفت وشنید کے بارے میں ملی تھی۔[۱۲]

پھر رپورٹ کے آخری اندراج میں بتایا گیا ہے کہ ۳ ستمبر ۱۷۹۹ء کو گورنر جنرل کی طرف سے لندن میں ایسٹ انڈیا ہاؤس میں حکومت کے سکریٹری ڈبلیو ریمزے کو جو مراسلہ بھیجا گیا اس کے ساتھ ایک "اغلاط نامہ" شامل کیا گیا جس میں ان مطبوعہ دستاویزات میں ہو جانے والی غلطیاں بتائی گئیں جو گورنر جنرل کی طرف سے سکریٹری موصوف کو پہلے بھیجی گئی تھیں۔ گویا دفتر کے کارندوں سے دستاویزوں کی نقلیں وغیرہ تیار کرتے وقت جو غلطیاں ہو گئی تھیں ان کی اصلاح کی گئی۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ "مطبوعہ دستاویزیں" کسی اخبار کے اصل شمارے نہیں تھے کیونکہ اصل شماروں میں غلطیاں نکالنے اور انھیں باقاعدہ تحریر کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

کتاب کے مصنف کا دعوا ہے کہ ٹیپو سلطان کا فوجی اخبار قریب پانچ سال تک چھپتا رہا۔ حیرت ہے کہ سرکاری اہتمام سے اتنی مدت تک چھپنے والے اور افواج کے کئی دستوں میں تقسیم ہونے والے اس ہفت روزہ اخبار کے تقریباً ڈھائی سو شماروں میں سے کوئی ایک شمارہ بھی کسی سرکاری دفتر یا نجی ذخیرے میں نہ رہ سکا۔ مصنف نے نہ صرف اس کے کسی شمارے کا کوئی حصہ یا عکس بھی پیش نہیں کیا بلکہ کسی عصری مشاہد یا اخبار یا کسی اور مورخ یا محقق کا کوئی حوالہ بھی شامل نہیں کیا۔ صرف ایک گمنام عمر رسیدہ بزرگ کی شنید پر اپنا دعوا قائم کر لیا۔ نادم سیتاپوری نے بھی اپنے دعوے کے بارے میں کچھ ایسا ہی رویہ اختیار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقۂ کار میں واقعات نگاری سے زیادہ افسانہ طرازی کارفرما ہے۔

صحافت کی ہماری معروف تاریخیں بھی ٹیپو سلطان کے "فوجی اخبار" کے بارے میں

خاموش ہیں۔ خود نادم صاحب نے بھی جنھوں نے اردو کے سب سے پہلے اخبار کے موضوع پر اپنا نظریہ پیش کرنے سے قبل کافی تحقیق کی ہوگی اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ "اختر شاہنشاہی" میں بھی اس کا کوئی اندراج نہیں ملتا۔

ٹیپو سلطان کے عہد میں میسور کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ حکومت کے تمام فرمان احکام اور مراسلات فارسی زبان میں تحریر ہوتے تھے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ اگر انھوں نے کوئی اخبار جاری کیا ہو تو وہ سرکاری زبان فارسی میں ہو۔ بہر حال اس کا بھی کوئی شمارہ یا اقتباس ہمیں دستیاب نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک سرکلر قسم کی کوئی چیز ہو یا سلطان کی طرف سے کبھی کبھار کوئی مراسلہ جاری ہوا ہو جس میں فوج کے نام ان کے احکام درج کیے جاتے ہوں اور اس لیے اس کی تقسیم سرکاری ہدایات ہی کے تحت محدود رہی ہو۔ ایک اور ممکنہ صورت یہ بھی ہے کہ ٹیپو سلطان نے جن کا تقریباً سارا عہد جنگ و جدل میں گزرا، اپنی افواج کی فوجی مشقوں کے لیے ہدایات یا قواعد کا کوئی قلمی پرچہ یا گائیڈ تیار کروایا ہو اور اس کی نقلیں بار بار فوج میں تقسیم کی گئی ہوں۔ بہر حال ان کا بھی کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آیا۔

اس سلسلے میں میسور یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے سابق صدر اور ٹیپو سلطان ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سری رنگا پٹنم میسور کے سابق ڈائرکٹر پروفیسر محمود حسین کی یہ رائے پیش کرنا بھی بہت مناسب ہوگا۔

" ٹیپو سلطان شہید سے لوگوں کو اتنا حسن عقیدت ہے کہ وہ کبھی مبالغے سے کام لیتے ہیں اور کبھی حقائق پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ نہ ان کے یہاں مطبع تھا نہ کوئی فوجی اخبار نکلتا تھا۔ حکم نامے البتہ فارسی، کنڑ اور مرہٹی میں جاری ہوتے تھے۔ ممکن ہے انھیں کو اخبار سمجھ لیا گیا تھا۔ آئین جنگ پر ان کی ایک معرکہ آرا کتاب فارسی میں ہے "فتح المجاہدین" اس میں پچاس کے لگ بھگ اردو ابیات بھی ہیں جو قواعد میں کام آتے تھے۔"[۴]

بہر حال جب تک کسی مصدقہ یا مستند ذرائع سے ٹیپو سلطان کے مبینہ " فوجی اخبار" کی تصدیق نہ ہو، اسے تسلیم کر لینا صداقت کے حق میں نہیں۔

ایسی قدیم اشیا کے ریکارڈ کے بارے میں معمول اور مسلمہ پالیسی یہ ہے کہ انھیں سرکاری ذخیروں میں (آرکائیوز) محفوظ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ مصنف نے اس بارے میں حکومت

کرناٹک کے آرکائیوز کے محکمے سے استفسار کیا تھا اور ان سے یہ دو واضح سوال پوچھے گئے تھے:۔

(۱) کیا ٹیپو سلطان کی حکومت کے پاس کوئی چھاپہ خانہ تھا؟

(۲) کیا انھوں نے یا ان کی حکومت نے فوج یا عوام کے لیے اردو یا فارسی میں کوئی اخبار، گزٹ، خبرنامہ یا سرکلر جاری کیا؟ اور اگر کیا تو کیا اس کا کوئی ریکارڈ سرکار کے دفتر میں دستیاب ہے؟

اس کے جواب میں محکمے نے لکھا کہ "اس موضوع پر ان کے ریکارڈ میں کوئی اطلاع نہیں ہے"[۶۵]

اس جواب کے بعد ٹیپو سلطان سے کسی قلمی یا مطبوعہ اخبار کے اجرا کو وابستہ کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ بہرحال یہ اگر افواج کے لیے کوئی گائیڈ یا قواعد نامہ رہا ہو تو اسے عوامی صحافت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

عوامی اور مطبوعہ صحافت کے باب میں اردو اخبار کا طلوع "جامِ جہاں نما" سے ہوتا ہے جو مارچ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے جاری ہوا اور جس کا نہ صرف اس کی ہمعصر صحافت میں بار بار ذکر ملتا ہے بلکہ سرکاری آرکائیوز میں اس کا معتدبہ ریکارڈ بھی میسر آجاتا ہے۔ اس ریکارڈ کا صدر مرکز نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (نئی دہلی) ہے۔ حصولِ آزادی سے قبل اس کا نام امپیریل ریکارڈز ڈیپارٹمنٹ تھا جو برطانوی حکومت کے ریکارڈ کا صدر ذخیرہ تھا۔ اور جس میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کی (جو ۱۸۵۴ء میں بند ہو گیا تھا) عظیم لائبریری کے نوادرات کا ایک خاصہ حصہ بھی شامل کیا گیا تھا[۶۶] اس ریکارڈ میں "فارسی اور اردو اخبارات" کا ایک الگ شعبہ ہے جس میں ہندستان میں جاری ہونے والے نہایت اوّلین اخبارات کے تھوڑے بہت شمارے موجود ہیں۔ ان اخبارات میں جو پہلا اخبار ملتا ہے وہ "جامِ جہاں نما" ہے۔ اس کے بارے میں ریکارڈ کے سرکاری گائیڈ میں بتایا گیا ہے کہ

کلکتہ سے ۸ مارچ ۱۸۲۲ء کو (یہ تاریخ بعد کی تحقیق سے ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء معلوم ہوئی ہے۔) جاری ہونے والا "جامِ جہاں نما" ہندستانی یا اردو کا اوّلین ہفت روزہ اخبار تھا جو اپنے آٹھویں شمارے سے فارسی اور اردو دو زبانوں میں چھپنے لگا[۶۷]

اس اخبار کے بارے میں ہماری صحافت کی تاریخوں میں بہت کم اور دور از حقیقت معلومات دی گئی ہیں۔ عام طور پر اسے ایک نیم سرکاری گزٹ قرار دے کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

امر واقع یہ ہے کہ اس کی ہستی اور حیثیت خاصی اہم اور دقیع ہیں۔ اسی کی وضاحت اور صراحت آیندہ ابواب میں کی گئی ہے۔

حواشی

۱؎ "اختر شاہنشاہی" اختر الدولہ سید محمد اشرف (مطبع اختر پریس۔ لکھنؤ۔ ۱۸۸۸ء) ص ۲۵۸

۲؎ نادم سیتاپوری "فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی" (ادارہ فروغ اردو۔ لکھنؤ۔ ۱۹۵۹ء) ص ۱۷۰

۳؎ ایضاً۔ ص ۱۷۰

۴؎ ایضاً۔ ص ۱۷۲

۵؎ ایضاً۔ ص ۱۶۲

۶؎ G.S.A. RANKING, "HISTORY OF THE COLLEGE OF FORT WILLIAM FROM ITS FIRST FOUNDATION", BENGAL PAST & PRESENT, CALCUTTA VOL.VII, JANUARY - JUNE 1911 P.7

۷؎ CATALOGUE OF BOOKS OF THE FORT WILLIAM COLLEGE, EDITED BY DR.R.K.PERTI, PREFACE P.I. NATIONAL ARCHIVES LIBRARY.

۸؎ "THE STRANGER'S EAST INDIA GUIDE TO THE HINDOOSTANEE OR GRAND POPULAR LANGUAGE OF INDIA (IMPROPERLY CALLED MOORS) - BY THE AUTHOR OF THE HINDUSTANEE DICTIONARY, GRAMMER, &C &C, CALCUTTA, PRINTED AT THE HINDOOSTANEE PRESS, IN ONE VOL.12 MO. 1802"

۹؎ THOMAS ROEBUCK: "ANNALS OF THE COLLEGE OF FORT WILLIAM FROM THE PERIOD OF ITS FOUNDATION BY HIS EXCELLENCY RICHARD MARQUIS WELLESLEY K P (1800) TO THE PRESENT TIME (1818)", HINDOOSTANEE PRESS, CALCUTTA, 1819. APPENDIX II P.21

۱۰؎ ایضاً۔ ص ۵۸

۱۱؎ ایضاً۔ ضمیمہ سوئم، ص ۵۰

۱۲؎ فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی متذکرہ، ص

۱۳؎ ایضاً۔ ص ۱۳۸

۱۴؎ ٹامس روبک متذکرہ۔ ص ۲۵۷

۱۵؎ ایضاً۔ ص ۲۱۹

۱۶ ٹامس روبک۔ تذکرہ، ص ۴۲۵

۱۷ نادم سیتاپوری تذکرہ ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۱

۱۸ ٹامس روبک تذکرہ۔ ضمیمہ دوم، ص ۲۶

۱۹ نادم سیتاپوری تذکرہ ص ۱۴۔ ۱۴۱

۲۰ FORT WILLIAM COLLEGE PROCEEDINGS, 1801 - 1805, SR.NO. 559 P.4,5
NATIONAL ARCHIVES LIBRARY

۲۱ نادم سیتاپوری تذکرہ ص ۱۴۔ ۱۴۱

۲۲ ٹامس روبک تذکرہ ضمیمہ ۲ ص ۵۲

۲۳ ایضاً۔ ص ۷۶

۲۴ نادم سیتاپوری۔ تذکرہ ص ۱۶۲

۲۵ ایضاً۔ ص ۶۳

۲۶ ٹامس روبک تذکرہ۔ ص ۲۷

۲۷ محمد عتیق صدیقی "گل کرسٹ اور اس کا عہد"۔ (انجمن ترقی اردو ہند۔ نئی دہلی ۱۹۷۹ء)
ص ۸۲۔ ۸۵۔ ۸۶

۲۸ FORT WILLIAM COLLEGE PROCEEDINGS, IBID. P.57

۲۹ ایضاً۔ ص ۵۴ تا ۷۴

۳۰ ایضاً

۳۱ ایضاً۔ ص ۶۶

۳۲ ٹامس روبک۔ تذکرہ۔ ضمیمہ ۲ ص ۵۲، ۵۳

۳۳ نادم سیتاپوری۔ تذکرہ ص ۷۰

۳۴ ایضاً۔ ص ۲۵۹

۳۵ محمد عتیق صدیقی۔ تذکرہ۔ ص ۲۹

۳۶ سید مغیث الحسن "کلکتہ کے قدیم اردو مطابع اور ان کی مطبوعات۔ ایک تذکرہ"۔ (عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ ۱۹۸۲ء) ص ۲۹

۳۷ پروفیسر جاوید نہال "انیسویں صدی میں بنگال کا اردو ادب"۔ (اردو رائٹرس گلڈ، کلکتہ) ص ۲۵۰

۳۷ شانتی رنجن بھٹاچاریہ۔ "جام جہاں نما اور ہری ہر دت" ماہنامہ آج کل۔ دہلی جون ۱۹۶۳ء
ص ۱۳

۳۸ R.R.BHATNAGAR: "THE RISE & GROWTH OF HINDI JOURNALISM," KITAB MAHAL, ALLAHABAD, 1947, P.22

۳۹ محمد سعید عبدالخالق "میسور میں اردو" حیدرآباد ۱۹۴۲۔ ص ۷۴، ۷۷

۴۰ DR.MOHAMMAD SADIQ: "A HISTORY OF URDU LITERATURE," OXFORD UNIVERSITY PRESS, LONDON P.400

۴۱ مضمون "سلطان ٹیپو اور نپولین کی مراسلت" ' روزنامہ "عوام" دہلی شمارہ ۱۳
جون ۱۹۸۹ء ص ۲

۴۲ GUIDE TO THE RECORDS IN NATIONAL ARCHIVES OF INDIA, PART III (1979)PP418, 419

۴۳ FOREIGN MISCELLANEOUS, 1799, SERIAL NO.78 :N B EDMONSTONE'S REPORT ON SERINGAPATNAM PAPERS-ENTRIES 166(P.137) AND 167 (P.146)

۴۴ ایضاً اندراج نمبر ۱۶۱ ص ۱۴۳

۴۵ ایضاً - ۱۵۱

۴۶ مصنف کے نام مراسلہ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۹۰ء

۴۷ LETTER TO AUTHOR NO.ARS/153 HRS 90 DT.29 JUNE 1990

۴۸ DR.R.K.PERTI, ED. "CATALOGUE OF BOOKS IN THE FORT WILLIAM COLLEGE IN NATIONAL ARCHIVES OF INDIA LIBRARY". (NEW DELHI, 1984) PREFACE P.iii

۴۹ GUIDE TO THE RECORDS IN NATIONAL ARCHIVES OF INDIA, PART III P.450

دوسرا باب

پس منظر

"جام جہاں نما" کے اجرا کی تاریخ کے بارے میں کئی نظریات پیش کیے جاتے ہیں لیکن اس کے ہم عصر "کلکتہ جرنل" کے ۱۸۲۲ء کے فائل میں ایک دوسرے ہم عصر "جان بل" کا یہ اہم بیان ملتا ہے۔

آج صبح ایک نیا اخبار ہندستانی زبان میں جاری ہوا۔ یہ اخبار کوارٹر سائز کے تین اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا نام "جام جہاں نما" ہے۔ پہلا شمارہ بدھ کے دن ۲۷ مارچ کو شائع ہوا۔[1]

ایک ہم عصر کی اس حتمی شہادت کی روشنی میں ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ء کو "جام جہاں نما" کے اجرا کی درست تاریخ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اخبار کا سائز ۲۰×۳۰/۸ تھا اور یہ نستعلیق ٹائپ میں چھپنے والا ایک ہفت روزہ تھا۔

اس کا بانی کلکتہ کا ایک ترقی پسند بنگالی ہری ہردت تھا اور اڈیٹر ایک کارگزار منشی سدا سکھ لعل تھا۔[2]

جام جہاں نما کے بارے میں عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ اخبار برطانوی حکومت کی نمائندہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نکلوایا اور یہ اس کمپنی کے سامراجی مقاصد کا داعی اور حواری تھا۔ اس تصور کی بظاہر تین وجوہ ہیں:۔

(۱) اخبار کے ابتدائی شماروں کے سرورق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا سرکاری نشان

شائع ہوتا رہا۔

(۲) اس کا بانی ہری ہردت فورٹ ولیم کے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفترِ خزانہ میں ایک محرر تھا۔ اور

(۳) اخبار کا پرنٹر ایک یورپی تجارتی ادارہ تھا جس کا نام ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی تھا۔

لیکن اخبار کے اصل شماروں اور نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی میں دستیاب اس کے دیگر ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ اس اخبار کی حقیقت اس کے بارے میں رائج تصورات سے بہت الگ ہے اور اکثر مورخین کی تحریریں اس کے حقائق سے میل نہیں کھاتیں۔

بہرحال اخبار کا موقف اور کردار بیان کرنے سے قبل ہمیں اس کے پس منظر اور ماحول پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے۔

اس اخبار کا اجرا اس دور کے روزمرہ کا کوئی معمول نہیں تھا اور نہ ہی یہ کوئی اچانک پیش آنے والا واقعہ تھا۔ یہ حقیقتاً ہمارے ذہنی اور علمی سفر کی ایک نئی منزل تھی جو چھاپے خانے کی ایجاد سے سامنے آئی۔ اس منزل کی تفہیم کے لیے ہمیں پہلے اس کے گرد و پیش کو دیکھنا ہوگا۔

ہندستان میں خبر رسانی کا ایک دیسی اور سادہ نظام صدیوں سے موجود تھا جو اٹھارہویں صدی تک کافی تیز رفتار اور وسیع ہو چکا تھا۔

ایک دوسرے کے خیالات اور حالات کے بارے میں جاننے کی خواہش روزِ اوّل سے انسان کی فطرت کا حصہ ہے۔ چنانچہ آپسی میل جول ـــ ہم جنسوں کی آمد و رفت اور تاجروں اور زائرین کی ملاقاتیں ہمیشہ اطلاعات کے تبادلے کا ذریعہ رہی ہیں۔ قلم اور رسم الخط کی ایجاد سے پہلے یہ تبادلے سینہ بسینہ ہوتے تھے اور کسی کاغذ، روشنائی، کاتب یا ٹائپ مشین کے محتاج نہیں تھے۔

حکومتی نظام کے قیام کے بعد اپنی سلطنت اور دوسرے ممالک کی سیاسی، تجارتی اور دیگر معلومات کی فراہمی اور ترسیل ہر حکومت کی ضرورتوں کا حصہ بنی کیونکہ کوئی بڑی سلطنت اپنے ماتحت علاقوں کے حالات اور واقعات کے بارے میں اپنے

ہی ذرائع سے معلومات حاصل کرنے اور انھیں اپنے پیغامات پہنچانے کے بغیر اپنا نظم ونسق چلا ہی نہیں سکتی۔ لیکن ماضی میں جب کہ شہنشاہیت اور مطلق العنانی کا دور دورہ تھا، معلومات کی یہ ضرورت حکومتی اور انتظامی سطحوں پر مرکوز تھی۔

قدیم ہندستان میں منو کے زمانے میں ریاست کے نظام میں جیسا کہ ان کی تصنیف "منوسمرتی" میں بیان کیا گیا ہے، گانوٗ کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ ہر گانوٗ کے چوہدری کا یہ منصبی فریضہ تھا کہ وہ اپنے گانوٗ کے نیک دید کا پتا دیہاتی نظام کے اپنے سے اعلا افسر کو دے۔[۲]

منوسمرتی کے بعد حکمرانی کے موضوع پر ہندستان میں ایک اور اہم تصنیف کوٹلیہ کی، جو چندر گپت موریہ کے وزیر اعظم تھے، "ارتھ شاستر" ملتی ہے جس میں خبروں کی فراہمی اور جاسوسی کے ذریعے خفیہ سرگرمیوں کی جان کاری کے لیے ایک جامع نظام کا خاکہ پیش کیا گیا۔

اس سے قبل سمراٹ اشوک کے عہد میں اطلاعات کی ترسیل کے محکماتی نظام کے علاوہ لوگوں کی خفیہ سرگرمیوں اور باغیانہ حرکتوں کے بارے میں بھی حکمرانوں کو اطلاع دینے کے لیے جاسوس مقرر تھے۔ یہ ایک طرح سے سرکاری نامہ نگار تھے۔ انھیں پُلسانی کہا جاتا تھا۔ یہ ایک خفیہ رسم الخط میں خبریں لکھتے تھے اور خاص طور پر تربیت یافتہ کبوتروں کے ذریعے سے انھیں منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے تھے۔ یہیں سے قلمی خبر ناموں کی ابتدا ہوتی ہے۔ جنھیں مشرقی ممالک میں عام طور پر 'اخبار' کا نام دیا جاتا تھا۔[۳]

سلاطینِ دہلی کے زمانے میں ان نامہ نگاروں کو برید اور مغلوں کے زمانے میں انھیں وقائع نگار، سوانح نگار اور خفیہ نویس کہا گیا۔ ان مشرقی حکمرانوں کو خفیہ سروس کی اہمیت کا گہرا احساس تھا۔ آئینِ اکبری میں وقائع نویسوں کا رواج اور کردار وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مغل شہنشاہ اکبر نے خبر رسانی کے لیے ایک نہایت جامع نظام قائم کیا تھا جو اورنگ زیب کے زمانے میں اپنے عروج کو پہنچا۔[۴]

مہاراجا رنجیت سنگھ کے عہد میں خبروں کی بہم رسانی کا نہایت عمدہ نظام تھا۔ غیر ملکی اور ملکی، ہر قسم کی خبروں کی فراہمی کی تدبیریں ہوتی تھیں اور خبرناموں کے باقاعدہ نام ہوتے تھے۔ مثلاً پنجاب اخبار۔ لاہور اخبار، پشاور اخبار، ہندستان اخبار اور کابل اخبار[۲۷]

بہرحال مغلوں کے زمانے میں مختلف شعبوں کے لیے کام کرنے والے نامہ نگاروں کو ان کے حسب فرائض وقائع نویسوں، سوانح نگاروں، خفیہ نویسوں اور ہرکاروں کے زمروں میں تقسیم کیا گیا[۲۸]

"میدان جنگ میں جانے والی فوج کے ساتھ ایک 'اخبار نویس' بھی متعین ہوتا تھا۔ 'سوانح نگار' کو صرف مخصوص موقعوں اور مخصوص جگہوں پر بھیجا جاتا تھا۔ موخرالذکر غالباً ایک طرح کا جاسوس ہوتا تھا جس کا کام اول الذکر کی بھیجی ہوئی خبروں کی صداقت کی جانچ پڑتال کرنا تھا۔"

"صوبے دار جب دربار کرتے تھے تو وقائع نویس بھی وہاں ضرور موجود رہتا جو ساری کارروائی وہیں بیٹھے بیٹھے لکھ لیا کرتا تھا۔"[۲۹]

ان تمام نامہ نگاروں کے مراسلے بالآخر بادشاہ کے پاس پہنچتے تھے اور یہ اطلاعات عوامی زندگی پر اثر انداز ہوتی تھیں کیونکہ ان کا سرکاری پالیسی اور فیصلوں کی تکمیل میں بڑا دخل ہوتا تھا۔

وینس کے ایک سیاح نکولا منوچی NICCOLA MANUCCI نے اورنگ زیب کے دربار کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مغل حکومت کا یہ مقررہ قاعدہ تھا کہ شاہی وقائع نویس اور خفیہ نویس ہفتے میں ایک بار اہم ترین واقعات کو سرکاری گزٹ (وقائع) میں درج کرے۔ یہ خبرنامے عام طور پر رات کے نو بجے شہنشاہ کے سامنے پیش ہوتے تھے اور محل کی بیگمات انھیں پڑھ کر سناتی تھیں۔ اس طرح حکمران کو اپنی سلطنت کے واقعات کا علم ہوتا رہتا تھا۔ ...... بادشاہ آدھی آدھی رات تک بیٹھے یہ رپورٹیں سنتا تھا اور ان کے بارے میں فیصلے کرتا تھا[۳۰]

اس طریقے میں آج کل کے نشریاتی نظام میں خاتون نیوز ریڈر کے تقرر کی ابتدا دیکھی جا سکتی ہے۔ مزید یہ کہ موجودہ نظام میں بھی خبروں کا اہم ترین بلیٹن رات کے نو بجے ہی

پیش ہوتا ہے۔

اورنگ زیب کے عہد میں ملک میں قلمی اخباروں کا ایک جال سا بچھا دیا گیا تھا۔

وقائع نگاروں کی دو قسمیں تھیں۔ ایک زمرہ دربار کے لیے ہوتا تھا جو بادشاہِ وقت کے روزنامچے تیار کرتا تھا۔ ان میں سرکاری احکام شاہ اور اس کے وزیروں اور امیروں کی مسجدوں میں آنے جانے کی خبریں۔ ان کی سیر و تفریح اور ان کے درباروں اور تقریبوں کے احوال وغیرہ درج ہوتے تھے۔

دوسرے زمرے میں دارالسلطنت سے باہر صوبوں اور بڑے شہروں کے وقائع نگار تھے جو ایک طرح سے سرکاری رپورٹر تھے۔ بادشاہ کی ہدایات کے تحت یہ رپورٹر سلطنت اور حکومت پر اثر انداز ہونے والے انتظامی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی واقعات کی رپورٹنگ کرتے تھے۔

اس کام کے نظم و عمل کے لیے مغلیہ سلطنت کے سیکرٹریٹ میں ایک وسیع دارالانشا یا صیغۂ مراسلات تھا اور اس صیغے کے دستیاب مراسلات اس زمانے کے حالات پر بڑی معلوماتی روشنی ڈالتے ہیں[1]

ان مراسلات سے اس زمانے کے وقائع نگاروں کے شعورِ صحافت کے بارے میں بھی کثیر مواد ملتا ہے۔ سترہویں صدی کے قلمی اخباروں سے چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

۲۴ اگست ۱۶۶۱ء کو حیدرآباد سے شاہ کو بھیجے جانے والے ایک وقائع میں بتایا گیا کہ ملک بیگ کا ایک جہاز ولندیزی اور ڈنمارکی قزاقوں نے پکڑ لیا ہے۔ عبداللہ قطب شاہ نے مسولی پٹم کے حوالدار سوری راؤ کو حکم دیا تھا کہ وہ اس جہاز اور اس کے مال کی فوری رہائی کا مطالبہ کرے لیکن حوالدار نے عذر خواہی کی کہ اسے ولندیزی اور ڈنمارکی کمپنیوں پر کوئی اثر و رسوخ یا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر شہنشاہ بنگال اور سورت کی بندرگاہوں کے حکام کو احکام جاری کریں تو ان کمپنیوں کے کپتان ان جہازوں اور ان کے مال کو چھوڑنے پر مجبور ہوں گے[2]

۱۷ جنوری ۱۶۶۳ء کو اورنگ آباد کے ایک وقائع نگار نے بتایا کہ شیواجی کے سپاہیوں

اور ایک مغل منصب دار محمدی میں ایک جھڑپ ہوگئی جس میں موخرالذکر زخمی ہوگیا اور پکڑ لیا گیا۔ جب وہ اپنے زخموں سے بحال ہوا تو وہ مرہٹوں کی حراست سے فرار ہوگیا اور شاہی فوج میں داخل ہوگیا۔[۱۲]

[illegible]

وقایع ملک حیدرآباد

محرم الحرام سنه [illegible] میمون مانوس

محرم الحرام
[illegible] نوشته [illegible] ملازم سرکار [illegible] شریفه
در شهر [illegible] رسید که [illegible]
عضد الخلافه الکبری خان خانان [illegible] بود
[illegible] زخمی [illegible] شده
و پسران [illegible] زمیندار [illegible]
پسران همراهی خود [illegible] خبری که [illegible]
و قبل ازین [illegible] الملک محمد امین خان [illegible]
[illegible] حسب الحکم [illegible]

"بہ شکریہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا"

[illegible] کا ایک قلمی اخبار

۰ ار اکتوبر ۱۶۶۲ء کے حیدرآباد کے ایک اور وقائع میں بتایا گیا کہ شاہِ فارس نے اپنے وکیل محمد مقیم کے جنھیں حیدرآباد کے دربار سے منظوری حاصل تھی، گماشتے (ایجنٹ)

کے ذریعے عبداللہ قطب شاہ کو پھلوں کے کچھ ٹوکرے تحفے کے طور پر بھیجے ہیں بلہ

اورنگ زیب کے زمانے کے ایسے قلمی اخبار ہزاروں کی تعداد میں حیدرآباد دکن کے مرکزی ریکارڈ آفس میں موجود ہیں۔

اورنگ زیب کے زوال کے بعد جب مغلیہ سلطنت کے دارالانشا کا نظام کمزور ہوگیا اور اکثر وقائع نگار بے روزگار ہوگئے تو ان تجربہ کار افراد کو ملک کے مختلف حصوں میں تعینات کردہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریذیڈنٹوں نے اپنی ضرورتوں کے مطابق انھیں اپنے رپورٹر اور مخبر کی حیثیت سے مقرر کرلیا۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اٹھارہویں صدی میں ہندستان لاقانونی۔ بدامنی۔ انتشار اور نراج کے ایک عدیم المثال دور میں داخل ہوگیا۔ اورنگ زیب کے نااہل اور کمزور جانشینوں کی وجہ سے مختلف علاقوں کے صوبیداروں اور نوابوں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اور عیش ونشاط کے علاوہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوگئے۔ ان سربراہوں میں امن وامان قائم رکھنے یا عوام کو حفاظت اور سلامتی مہیا کرنے کی اہلیت نہیں تھی۔ چنانچہ کہیں مرہٹہ، کہیں سکھ، کہیں جاٹ اور کہیں پٹھان سردار اپنا اپنا تسلط بڑھانے کے لیے جنگ وجدل میں مصروف ہوگئے۔ جس کے دوران لوٹ مار اور غارت گری کے واقعات عام تھے۔ مرکز میں کوئی مضبوط طاقت نہیں رہی تھی جو حالات پر قابو پاسکتی۔ مغل جانشین شاہ عالم گو اب بھی مغل حکومت کا نام نہاد آئینی سربراہ تھا لیکن وہ اس قدر بے بس اور لاچار تھا کہ اسے کبھی اپنے ایک اور کبھی دوسرے مخالف سے مدد اور حفاظت کی تلاش کرنی پڑتی تھی۔

انتشار کے اس مرحلے پر یورپ کے مختلف ممالک تاجروں کی شکل میں اکھاڑے میں داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے تجارت سے زیادہ سیاست کے مواقع کھل رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی شاطرانہ قابلیت کے مطابق یہاں کی چپقلشوں اور خانہ جنگیوں سے فائدہ اُٹھایا۔ ان فرنگیوں کے گروہوں میں بالآخر برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی سب سے زیادہ کامیاب رہی۔ اس کا اصلی پورا نام ہی جو بظاہر تجارت کے عزائم سے لبریز تھا۔ مخصوص امرائیت کا حامل تھا۔ یہ تھا THE GOVERNOR & COMPANY OF MERCHANTS OF LONDON TRADING INTO THE EAST INDIES

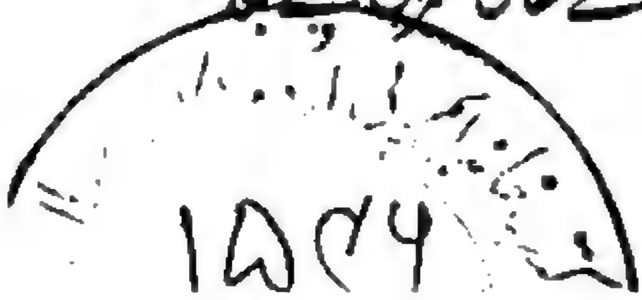
اس کمپنی کا صدر دفتر لندن کی لیڈن ہال اسٹریٹ میں واقع تھا۔ اسی دفتر میں وہاں کے اس وقت کے وھگ سیاست دانوں نے اپنے اولوالعزم تاجروں کی صحبت میں ہندستان میں اپنی ایک وسیع سلطنت کا پہلا خواب دیکھا۔

یہ سترہویں صدی کے اواخر کا زمانہ تھا اور انگلستان اپنے صنعتی انقلاب کے طلوع سے تازہ دم تھا۔ اس کے بحری من چلے ہندستان کے مشرقی پانیوں میں اپنی تلاش کے جتجو چلا رہے تھے انھیں میں ایک بحری سربراہ جاب چارناک JAB CHARNOK تھا جو ۱۶۸۶ء میں تجارت کے مرکزوں کی تلاش میں دریائے ہگلی کے اوپر کی طرف سفر پر نکلا لیکن بنگال کے مسلم حکمرانوں کی فوج نے اسے پیچھے ڈھکیل دیا۔

پھر حالات کی ایک کروٹ اہل برطانیہ کے لیے بہت سازگار ثابت ہو گئی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کو گو کہ وہ یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرنے والے تاجروں کا کوئی غیر معمولی مداح نہیں تھا،

حج کے لیے جانے والے حاجیوں کے تحفظ کے لیے برطانوی بحریہ کی مدد کی ضرورت پیش آگئی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے وزیروں سے کہا کہ وہ بمبئی میں مقیم برطانوی کمپنی کے سربراہ سر جوشوا چائلڈ سے ضروری معاہدہ کریں۔ اسی معاہدے کی رُو سے جاب چارناک نے اپنے سابقہ بحری سفر پر دوبارہ نکلنے کے لیے شہنشاہ سے ایک فرمان حاصل کیا جس کی مدد سے اس نے اگست ۱۶۹۰ء میں ہگلی کے مشرقی کنارے پر ستانتی نام کے ایک گانو کو اپنا تجارتی مرکز بنانے کے لیے منتخب کیا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں آج سیالدہ واقع ہے۔ اس وقت یہاں ساتھ ساتھ تین دیہات تھے۔ دوسرے دو گانووں کے نام گوند پور اور کالی کٹہ تھے۔ (یہ آج کے جنوبی اور مغربی کلکتہ کے پیش رو تھے) کالی کٹہ مشہور کالی مندر کا مسکن تھا اور ستانتی اور کالی کٹہ کے درمیان اس زمانے میں یہاں جو گھنا جنگل تھا، وہ آج چورنگی یا کلکتہ کا قلب ہے[۱]

یہی چھوٹا سا مرکز بالآخر برطانوی اقتدار کا زچہ خانہ ثابت ہوا۔ یہاں کے انتشار اور خلفشار کے گہواروں میں پلنے والے اس مولودنے ہوشیاری اور حکمت عملی کے ایسے کرشمے دکھائے کہ رفتہ رفتہ ہندستان کے مختلف علاقوں کے مقامی حکمران یکے بعد



دیگرے اس کے اثرات سے بے بس اور بیدم ہو گئے۔

۱۷۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سربراہ لارڈ کلائو نے برطانوی افواج اور غدار میر جعفر کی مدد سے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو پلاسی کے مقام پر جنگ میں شکست دی۔ کمپنی کی یہی فتح اس کی آیندہ حکمرانی کا نقطۂ آغاز بن گئی۔ پھر ۱۷۶۵ء میں مغل حکمران شاہ عالم ثانی نے کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کے دیوانی حقوق دے دیے۔ ان واقعات کی بدولت کمپنی کو برتری اور حاکمیت تو ضرور حاصل ہو گئی۔ لیکن اس کی فرما۔ نروائی کا باضابطہ آغاز ۱۷۷۳ء کے ایک ریگولیٹنگ ایکٹ سے ہوا[۲]

اس سے اگلے ہی سال یکم اگست ۱۷۷۴ء کو کلکتہ ہندستان کا دارالخلافہ بنا دیا گیا۔

کمپنی کا دستِ مداخلت علاقہ بہ علاقہ بڑھا۔ اس نے کسی سخت مخالفت پر قابو پانے کے لیے فوجی اقدام سے بھی گریز نہ کیا۔ چنانچہ جب جنوبی ہند میں اس کی مخالفت بڑھی تو ۱۷۹۹ء میں گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے فوجی یلغار سے ٹیپو سلطان کو شکست دی اور میسور پر قبضہ کر لیا۔

اس دور کے حالات اور اہلِ کمپنی کی حکمتِ عملی کی جھلکیاں ان مراسلوں میں جا بجا ملتی ہیں جو اس کے وقائع نگاروں نے ریذی ڈنٹوں کو بھیجے تھے۔

ان فارسی اخبارات اور مراسلات کا کثیر ریکارڈ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی میں موجود ہے۔ یہ ریکارڈ نسخ اور شکستہ خط میں ہے۔ بہر حال نیشنل آرکائیوز ہی کے ایما پر دہلی یونی ورسٹی کے پروفیسر پی سرن کا مرتبہ اس کا ایک نستعلیق انتخاب شائع ہو چکا ہے جو ۱۷۷۶ء تا ۱۸۰۳ء کے برطانوی اقتدار کے عروج کے ایک اہم دور کو محیط ہے۔ اس مجموعے میں ہندستانی ریاستوں کے درباروں اور لشکروں کے اخبارات اور واقعات سے متعلق نوابوں، رئیسوں، ریزی ڈنٹوں اور اخبار نویسوں کی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کو موصول ہونے والے ۲۳۱ مراسلات شامل ہیں[۳]۔ یہ مراسلات وقائع نگاروں کے مشاہدے، ذرائع خبر سے تعلقات اور حقائق کو گرفت میں لانے کی قوت کے بڑے عمدہ نمونے پیش کرتے ہیں۔

ان مراسلات سے جن میں سے چند کے ترجمے یہاں پیش کیے جا رہے ہیں، یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان کے اخبار نویس اپنا دشوار اور پیچیدہ کام تن تنہا نہیں کرتے تھے

بلکہ مختلف گوشوں سے سراغ رسانی کے لیے ہرکاروں سے بھی کام لیتے تھے اور ان تقررات کے لیے کمپنی کی رضا اور امداد شامل ہوتی تھی۔ آج کل کی اصطلاح میں وہ گویا ایک نیوز بیورو قائم کر لیتے تھے اور اپنے مفوضہ کام کی تکمیل کے لیے ہرکارے STRINGERS بھی سرگرم کار رہتے تھے۔ یہ ہرکارہ وقائع نگاری کے مغل نظام میں بھی موجود تھا جو قاصد کی شکل میں سراغ رساں یا جاسوس کی مانند ہوتا تھا اور اکثر زبانی خبریں لاتا تھا۔ [کے]

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریزی ڈنٹوں نے بھی اسے جاری رکھا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل خبر دیکھیے جو لکھنؤ کے ریزی ڈنٹ جے لمسڈن کو رام پور کے اخبار نویس سے ۲۱ ستمبر ۱۷۹۸ء کو موصول ہوئی:

نواب صاحب والامناقب خداوند نعمت دام اقبالہ عرض کرتا ہوں کہ ہرکاروں کے روانہ ہونے کا حال پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ آج وہ غلام محمد خاں کے پاس سے واپس آگئے ہیں اور انھوں نے بتایا کہ خان موصوف متصل ہنڈون علاقہ راجہ سنسار چند جوالا جی سے چار کوس ادھر ہے۔ راجہ کی مرضی سے ہنڈون سے ایک کوس کے فاصلے پر دریائے بدے کے کنارے پر راجہ مذکورہ کی چھاؤنی میں جو کہ خالی تھی تقریباً ۲۰۰۰ سوار اور پیادوں کے اور ۱۲۵ چھوٹے بڑے گھوڑوں کے اور بیس لداؤ خچروں کے اور ایک اونٹ کے ساتھ بہادر خان ماموں اُدے کے ہمراہ قیام پذیر ہے۔ وہ راجہ کے ساتھ بڑی موافقت رکھتا ہے۔ لیکن اس نے ابھی تک ملاقات نہیں کی ہے۔ اس نے اپنے ایک افغان معتمد کو راجہ سری نگر کے پاس بھیجا ہے۔ میوات ضلع میں بھی سری نگر اور ناہن کے ارادے کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے ایک رقعہ بھیجا ہے۔ اپنے ایک ذمہ دار آدمی کو اس نے راجا ناہن کے پاس بھی بھیجا ہے اور اس نے راجا سنسار چند کو پیغام بھیجا ہے کہ ہمیں سلامتی سے سری نگر پہنچا دیں۔ سنسار چند نے جواب دیا ہے کچھ مدت ٹھہریے۔ راستے کے درمیان سکھوں کی فوجیں سدِ راہ ہیں۔ ان کے ساتھ بات پکی کر کے آپ کو سری نگر پہنچوا دوں گا۔ ان کے سامنے شاہ کے وکیل کو جس کے ساتھ ۲۵ ہزار درانی سوار ہیں، بہادر خاں کے ساتھ حضور پرنور کمپنی انگریز بہادر کے پاس بارہ ربیع الاول کے بعد بھیجنے کی تجویز ہے۔ اور اکثر ان کی زبان پر تذکرہ رہتا ہے کہ میرا دعوا نواب نصراللہ خاں پر ہے۔ ایک روز میں سمجھوں گا اور اس کے ہمراہی بھی یہ

بات دل میں رکھتے ہیں اور غلام محمد خاں کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جونہی ہم سوئی گر پہنچے رام پور میں داخل ہو جائیں گے۔ ہرکارے تین روز غلام محمد خاں کے لشکر میں رہے ان کے روبرو رام پور کے سرداروں کے خط ایک روہیلے کے ساتھ غلام محمد خاں کو پہنچے۔ اس نے پڑھے۔ پھر سوچا اور ہرکاروں کو شاہ کے پاس بھیجنے کی تجویز کی، اور تو اور اپنے عرائض بھی تیار کر لئے لیکن پانچ ربیع الاول تک نہیں بھیجے۔ اس کے بعد بھیجے گئے۔ آج پندرہ دن غلام محمد خاں کے لشکر کو ہرکاروں کو چھوڑے ہوئے ہو گئے ہیں۔ بارش اور طغیانی کے سبب چار دن مراد آباد سے رام پور تک بیس کوس کے فاصلہ پر وہیں پڑے رہے۔ پیر و مرشد سلامت۔ جو احوال مجھے ملا میں نے عرض کر دیا۔ اب حکم فرمائیں کہ آئندہ ہرکاروں کو ادھر بھیجوں یا نہ بھیجوں۔ اگر حکم دیں تو ایک خفیہ نویس شخص کو روانہ کروں۔ آپ اس بارے میں جیسا چاہیں اشارہ فرمائیں تاکہ اس پر عمل ہو۔ ہمیشہ کی طرح اخبارات کا بنڈل ارسال کر رہا ہوں۔ الٰہی آفتاب و اجلال درخشاں باد۔[۱۳]

بعض اوقات ایک مراسلے میں کئی کئی خبریں شامل کی جاتی تھیں اور یہ مراسلہ سچ مچ ایک اخبار یعنی خبروں کا مجموعہ بن جاتا تھا۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل مراسلہ دیکھیے جو حیدر آباد کے ایک اخبار نویس نے ۲۶ اگست ۱۷۸۹ء کو بھیجا اس میں مختلف مقامات سے چھ خبریں شامل کی گئی ہیں۔

Facsimiles of Persian Documents

جام جہاں نما

[illegible]

اخبار حیدر آباد مرقومہ ۲۶ اگست ۱۷۸۹ء
(۳ ذی الحجہ ۱۲۰۳ھ)

حضور کے حکم کے مطابق آپسی تصفیہ کی بنا پر نواب اعظم الامرا بہادر ضیافت کی تقریب میں نواب شمس الامرا بہادر کے ہاں گئے۔

پہلے روز حضرت سوار ہو کر نواب مذکور کے گھر گئے۔ ان کے ساتھ ہی نواب اعظم الامرا داخل ہوئے۔ حضرت بدولت نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر معانقہ کرا دیا اور فرمایا کہ تم دونوں خلوص دل سے مل کر سرکار کا کام انجام دو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر سرکار کے کام میں کوئی خلل وارد ہوا تو اس کی پوچھ تاچھ ہم تم دونوں سے کریں گے۔ دونوں نے سر جھکا کر اس بات کو قبول کر لیا۔ ایک بات اور چھ گھڑی گزرنے پر انھوں نے نشست برخاست کی۔ نشست برخاست ہونے پر انھوں نے ایک قلم دان، ایک بندوق، ایک دوشالہ اور دو بڑے پیالے حضور کو نذر میں پیش کیے۔ اور اعظم الامرا بہادر کے لیے ایک جوڑا جغا، ایک دستار اور ایک موتیوں کی مالا اور سات پوشاکیں اور ان کے بیٹوں کے لیے ایک ایک دستار اور تین تین پوشاکوں سے تواضع کی۔

بہ تاریخ ۲۸ ماہ صدر

اورنگ آباد سے خبر ملی ہے کہ مرہٹہ فوج مقام پیٹھن پر حکم کے مطابق ٹھہری ہوئی ہے۔ صفدر جنگ اور محمد مراد مرحوم کہ اورنگ آباد کے ساہوکاروں سے زر تاوان وصول کرنے کے لیے حضور کی طرف سے مقرر ہوئے ہیں تاکہ وہ ٹکسال میں ڈھل سکے۔ وصولی

ہیں بڑی سختی کرتے ہیں اور آسامیوں کی حالت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

۲۱ ماہ صدر

مہابت جنگ کے وکیل تلجارام کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان ابھی تک کوئمبٹور کے مقام پر اقامت پذیر ہے اور اس نے سولہ ہزار سوار کڈپہ کی طرف روانہ کیے ہیں اور پیشوا کے وکیل مادھوراؤ کی معرفت معلوم ہوا ہے کہ گووند راؤ وغیرہ ابھی تک اندا پور میں ہیں۔ وہاں سے ان کی روانگی کی کوئی خبر نہیں ملی۔

حیدرآباد کے دھوبیوں اور بھنگیوں کو تاکید کی گئی ہے کہ شہر کے ہر گھر کی کیفیت اور بچوں کی پیدائش اور موت اور لوگوں کے مرنے کی رپورٹ اور باہر سے آنے والے مسافروں اور مہمانوں کی اور ہر قسم کی شادی وغیرہ کے ہونے کی اور دوسری (ایسی) باتوں کی مفصل اطلاع ہر محلے اور بازار کی کوتوالی کو دیں۔ اس حکم کی تکمیل میں کوئی کوتاہی ہوئی تو ان کو جرمانہ اور سزا ہوگی۔

دوم ذی الحجہ

ظفر الدولہ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مبلغ سات ہزار روپے غلام کا قرض جواہرات کی خرید کے بارے میں بہت مدت سے علاء الملک پر واجب الادا ہے۔ اگر آپ کا حکم ہو تو غلام تقاضہ کرکے ان سے لے لے۔ ارشاد ہوا کہ تم اپنا قرض وصول کرنے کے مختار ہو۔ چنانچہ مذکورہ بالا شخص نے پچاس حبشیوں کو اس کے دروازے پر بھیجا۔ دروازہ بند کیا اور وہ لوگ سارا دن وہیں بیٹھے رہے۔ اس نے عاجز ہو کر تحریری وعدہ کیا کہ آدھی رقم آٹھ دن کے بعد ادا کروں گا اور باقی آدھی اپنی جاگیر سے قسطیں مقرر کرکے دوں گا اور حضور نے ایک جوڑا خاص لباس ظفر الدولہ کو عنایت کیا۔ درحقیقت اس کی سرافرازی ان کا مقصد ہے۔ باقی خیریت ہے۔

نقل اخبار ٹیپو

بہ تاریخ ۲۸ ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۳ ہجری

رائے چور کی خبر کے مطابق فتح علی خاں بہادر کا حال آپ کو عرض کیا گیا کہ قطب الدین بسواپور سے اور کنک گیری کا تعلق دار اللہ وردی بیگ کنک گیری سے خان مذکور کے طلب کرنے پر کوئمبتور روانہ ہوئے۔ اب تک پہنچ گئے ہوں گے اور بڑے بڑے امراء

(توپیں) بیلاری اور گوٹے سے لاکر پیناگونڈہ میں فراہم ہو رہے ہیں۔ بہادر صاحب ابھی تک اپنی جمعیت کے ساتھ کوئمبتور میں ہیں۔

نقل ترجمۂ اخبار کرنول مرقومہ ——— ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۰۳ ہجری

ٹیپو نائک کے لشکر سے خبر ملی ہے کہ نائک چھے ذی قعدہ سے نالہ موضع مکھلیری کے قریب کوئمبتور سے ۱۳ کروہ دور پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ بہادر گڑھ کے قلعے سے جو کہ اس کا بنایا ہوا نیا قلعہ ہے اور گھاٹوں کے اوپر واقع ہے خبر ملی ہے کہ نام وار کے زمینداروں کا گروہ ملیوار کے زمیندار کی مدد سے گھاٹ پر آیا اور اس نے تین موضع لوٹ لیے۔ وہ لوگ قلعے کے قریب آئے۔ قلعے کے اوپر سے توپیں چلیں۔ دوسرے روز نائک کے گروہ کے آنے پر دوبارہ وہ گھاٹ کے نیچے اتر گئے۔ نائک کے لشکر کا ایک اور دستہ کھلے کوٹ کی طرف متعین ہوا۔ زمیندار نے وہاں شبخون مارا۔ نائک کے دستے کے پانچ سو پیادہ سپاہی مارے گئے، اور تقریباً دو ہزار بندوقیں زمیندار کے لوگوں کے ہاتھ لگیں۔ کنک گیری کا عامل ببر جنگ اور گوٹے اور بیلاری کا عامل قطب الدین خاں، نائک کے طلب کرنے پر ایک ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادہ سپاہی لے کر اس کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ نائک کا لشکر دن رات کی مشقت سے پریشان ہے سچے ذی قعدہ کو حافظ فرید الدین خاں رخصت نہیں ہوا۔ خبر ہے کہ عنقریب اس کو اپنے وکیل کے ساتھ حیدرآباد بھیج دے گا واللہ

اس ایک اخبار کا نصف حصہ ٹیپو کی خبروں سے بھرا ہوا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے آخری رُبع میں جنوبی ہند کے کچھ عناصر برطانوی سامراج سے کس قدر چوکس تھے اور اس سامراج کے نمائندے کس طرح مخالفانہ رجحانات پر نظر رکھتے تھے۔ ان رجحانات سے آگاہی کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے خفیہ اخبار نویس بھی مقرر کیے ہوئے تھے جن میں سے ایک مخبر کی رپورٹ درج ذیل ہے:

مورخہ ۱۱ صفر ۱۲۰۴ ہجری (۳۱ اکتوبر ۱۷۸۹ء)

اخبار باطنی

ٹیپو نائک کے لشکر سے یہ خفیہ اطلاع ملی ہے کہ وہ ۲۳ محرم سے کوئمبتور کے قریب ٹھہرا ہوا ہے۔ فرانسیسی حکومت سے ٹیپو نائک کا تاکیدی جواب کو روندور کے نام پھلچری

کے عوض فرانس اپنا مرکز کوریال بندرگاہ میں بنالے۔ زمینداروں کا ہنگامہ برابر جاری ہے۔ ٹیپو کو رام راجا میلوار کو تنبیہ کی بڑی فکر ہے۔ اسی لیے وہ فرانسیسیوں کی تائید چاہتا ہے۔ علی رضا خان اور حافظ فریدالدین خاں قلعہ گوٹہ سے صفر کے شروع میں حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ چاہتے تھے کہ دریائے کشنا کو گردال گھاٹ سے پار کریں۔ حضور سے حکم پہنچا کہ اس کی بجائے رائے چور گھاٹ سے پار کریں اور دو سو سے زیادہ آدمی اپنے ساتھ نہ لائیں۔ ان کے عبور کرنے کے بارے میں مراسلہ مہابت جنگ کے نام بھیج دیا گیا ہے[۲۲]

اس خبر سے پتا چلتا ہے کہ ٹیپو سلطان بڑھتے ہوئے برطانوی اقتدار کی مزاحمت کے لیے فرانسیسیوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بھی کوشاں تھا۔ اخبار نویس اپنی خبر کا وزن بڑھانے کے لیے کسی متعلقہ شخص سے انٹرویو بھی کرتے تھے۔ پٹیالے کے اخبار نویس کا یہ مراسلہ دیکھیے، جو شاہ کابل زمان شاہ کے ایک قاصد سے انٹرویو پر مبنی ہے:۔

اخبار لشکر زمان شاہ مرسلہ اخبار نویس پٹیالہ

عبداللہ شاہ قوم سید شہر کابل سے خطوط کے ساتھ ۱۵ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ کو روانہ ہوگیا تھا۔ وہ ۱۵ ربیع الثانی کو پٹیالے پہنچا اور یہاں سے شاہجہاں آباد اور لکھنؤ گیا ہے۔ اس کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ زمان شاہ اس کی روانگی کے دن تک کابل شہر میں موجود تھا اور ۱۱ ربیع الاول کو اس نے کابل شہر کے باہر چمن کے مقام پر کہ بہت وسیع اور فراخ مقام ہے پیش خیمہ و توپ خانہ وغیرہ اسباب و منزل نما (دوربین) اور دوسری چیزیں پشاور کی سمت رخ کر کے نصب کی ہیں۔ رحمت اللہ خاں عرف وفادار خاں کو گراں بہا خلعت مع طلائی کمر بند، چاندی کی چوکی، مرصع بازو بند اور ایک مرصع چوب مع خطاب وزیری و مختاری کل عطا ہوئی۔ اس نے تقریباً دس لاکھ روپے، ایک سو گھوڑے، ایک سو اونٹ اور چالیس تشت کم خاب اور زری کے کپڑوں سے بھرے ہوئے اور ایک تھال جواہرات سے حضور والا کو نذر کی۔ وفادار خاں کے چھوٹے بھائی سمند خاں کو بالا حصار اور چوکی کی جہاں شہزادے قید ہیں خدمت پر مقرر کیا۔ جہاں نثار خاں کہ بالا حصار کی خدمت کر رہے تھے شہر کابل کا صوبہ دار مقرر ہوا اور بادشاہ کی طرف سے وہ شہزادہ نائب شہر ہے۔ وفادار خاں کا بیٹا نائب شہر ہوگیا اور میراخور کو اصطبل اور کارخانوں کی خدمت

ی. شیر محمد خاں جو وزیر تھا اس کو گراں بہا خلعت بخشی گئی اور اسے درّانیوں کی فوج کا مختار بنایا گیا۔ مغلوں کی فوج حسن خاں اور سعد اللہ خاں کی تابعدار بنائی گئی اطراف کے دستے میر اسلم خاں کو دیے گئے۔ منشی کفایت اللہ سے حضور ناراض تھے۔ اس لیے اسے تین چار آدم خور مردوں کے سامنے جو کہ سرکار میں ہیں ڈال دیا گیا۔ انھوں نے تھوڑا سا گوشت کفایت خاں کے کندھے سے اور پانو کی ایک انگلی کا گوشت کھایا کہ امیروں نے عرض کیا کہ کفایت خاں سید ہے۔ اس کی جان بخشی کی گئی اور اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس نے چار لاکھ روپے سرکار والا کے خزانے میں داخل کیے۔ امین الملک پر بھی خفگی ہے۔ اس سے بھی بہت سارا زر لیا گیا۔ خبر ہے کہ رسالہ بھی اس سے لے لیا جائے گا۔ خبر ملی تھی کہ درّانیوں کی فوج نے قندھار سے کابل کی طرف کوچ کیا ہے؟

اس مراسلے سے شاہ کابل کی فوجی پیش بندیوں کے علاوہ کسی ملزم کی سزایابی کے اس دور کے ہیبت ناک طریقے کی جھلک بھی ملتی ہے اس کے ساتھ ہی اخبار نویس کی جزئیات نگاری کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے یہ اخبار نویس اپنے اپنے علاقے کے ریزی ڈنٹ کے ماتحت ہوتے تھے اور انھیں کو اپنے مراسلات بھیجتے تھے جو انھیں اپنے شذرات کے ساتھ گورنر جنرل کو بھیجتا تھا۔ ان کے (انگریزی) ترجمے کا کام جب ممکن ہوتا تھا ریزی ڈنٹ کے دفتر ہی میں کیا جاتا تھا لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تھا تو وہ مراسلہ بغیر ترجمے کے ہیڈ کوارٹر کو کلکتہ بھیج دیا جاتا تھا۔

اس مجموعے میں بہت سے اخبار نویسوں کے نام بھی ملتے ہیں جو وہ اکثر اپنے مراسلوں کے آغاز میں خود ہی درج کرتے تھے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ اس دور کا بائی لائن جرنلزم تھا۔ اس مجموعے میں دستیاب ناموں کی ایک فہرست درج ذیل ہے۔ اس میں ان کے مقامات مراسلات کے دستیاب اندراجات کے مطابق دیے گئے ہیں۔

نام	مقام و کوائف
۱۔ انعام اللہ	رام پور میں مقیم ایسٹ انڈیا کمپنی کا وقائع نگار
۲۔ جواہر لال	ایضاً
۳۔ جے گوپال	نواب وزیر الممالک آصف الدولہ کا اخبار نویس

(۴) شیخ محمد	شاہ جہاں آباد میں مقیم ایسٹ انڈیا کمپنی کا وقائع نگار
(۵) مکھن لال	لاہور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا اخبار نویس
(۶) لالہ شیو کمار	اخبار نویس صاحبان انگریز بہادر اخبار ڈیوڑھی راجا صاحب سنگھ بہادر در پٹیالہ
(۷) منوہر رام	سررشتہ دار ڈاک ہرکارہ ہلے سمت لاہور و پشاور
(۸) غلام احمد خاں	شاہ کابل زمان شاہ کا وقائع نگار
(۹) محمد غازی	سرہ میں مقیم اخبار نویس
(۱۰) جہابت راؤ	اخبار نویس در پونہ
(۱۱) رائے پیتمبر داس	
(۱۲) احمد خاں	
(۱۳) امرت راؤ	

اس فہرست میں ہندو ناموں کی کثرت ہے۔ اس کی وجہ تقررات کے بارے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام کی کوئی امتیازی پالیسی معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہ امیدواروں کی دستیابی کی غماز تھی۔ اس زمانے میں اخبار نویسی ایک قسم کا منشی گیری کا کام تھا۔ یہ منشی گیری سرکاری محکموں بالخصوص مال اور دیوانی کے محکموں میں بھرتی ہونے والے کلرکوں سے تشکیل پاتی تھی اور یہ یہاں ہر حکومت کے زمانے میں کسی نہ کسی تعداد میں موجود رہی ہے۔ لیکن مغلوں کے زمانے میں جب ملک میں ایک وسیع مرکزی نظام قائم ہوگیا تو ان کے دیوانی اور مال کے محکموں کے لیے منشی گیری کی بہت توسیع ہوگئی۔

اس باب میں ایک اور اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ اکبر کے زمانے میں ان کے وزیر مال ٹوڈر مل نے سارے سرکاری ریکارڈ کو صرف فارسی زبان میں تیار کرنے کی پالیسی نافذ کی۔ اس سے قبل شیر شاہ نے یہ ریکارڈ فارسی کے ساتھ ہندی میں بھی تیار کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔ لیکن ٹوڈر مل کے طریق کار سے فارسی حکومت کی واحد سرکاری زبان بن گئی اور فارسی میں کام کرنے والے کلرکوں کی ضرورت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ عہدے کے اعتبار سے ان اسامیوں کی حیثیت کمتر تھی۔ غالباً اسی لیے اہلِ اقتدار مسلمان ان میں نسبتاً کم بھرتی ہوئے۔ سرکاری محکموں کے عملے کے افراد اکثر حالتوں میں یا تو ایرانی نژاد تھے۔ اور یا ایران سے

تربیت پاکر ہندستان آتے رہتے ۔ ان میں کلرک صفت منشیوں کی اسامیوں کی تلاش اور خواہش کم ہوتی ۔ مزید سترہویں صدی کے اواخر میں فارس میں سیاسی انتشار کی وجہ سے ان اسامیوں کے لیے ہندستان آنے والے افراد کی تعداد بہت کم ہو گئی ۔ خود ہندستانی مسلمان کلرکی کے کام کے لیے عام طور پر غیر موزوں ثابت ہوئے ۔ ان کے مقابلے میں ہندوؤں نے اس طرف مائل ہونے میں کوئی عار نہ سمجھی ۔ مسلم راج کے تقریباً آغاز ہی سے انھوں نے دیوانی کے محکمے میں کلرکوں کی اسامیاں قبول کر لی تھیں اور اکبر کے زمانے میں تو ان کی اس پر اجارہ داری سی ہو گئی ۔ البتہ ٹوڈرمل کی نئی لسانی پالیسی کے بعد انھیں لازماً فارسی میں مہارت حاصل کرنا پڑی ۔ اس مہارت کے بعد اٹھارہویں صدی میں انھوں نے حساب کتاب کے سرکاری محکموں میں بڑی ترقی پائی اور کئی محکموں کے سربراہوں کے نائب اور پیش دست مقرر ہو گئے ہیں ۔ بلکہ سترہویں صدی ہی میں متعدد امرا اور شہزادوں نے اپنی خط و کتابت کے لیے اپنے ہاں ہندو منشی رکھ لیے تھے ۔

چنانچہ ہرکرن اعتبار خانی (۱۶۴۱ء) جنھوں نے اردو ادب میں نظم و نثر کے عمدہ نمونے شامل کیے ، اسی طبقے کی ایک نمایاں مثال تھے ۔ اٹھارہویں صدی میں آنند رام مخلص محمد شاہ رنگیلے کے میر منشی مقرر ہوئے ۔

مغل سیکرٹریٹ کے دارالانشا کے لیے اکثر انھیں منشیوں نے مراسلہ نگاری بھی کی ۔ بادشاہ اپنے دربار یا سفری پڑاؤ سے باجگزار شہزادوں یا صوبیداروں کو جو مراسلے بھیجتا تھا وہ انھیں منشیوں یا ان کے نائبوں کے ہاتھ سے لکھے جاتے تھے ۔

اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کے زمانے کے جو مراسلات آج دستیاب ہوتے ہیں وہ اس زمانے کی تاریخ اور تہذیب کو سمجھنے کے لیے بہت معاون ہیں ۔

جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ یہ منشی اپنی نگارش کے انداز اور اسلوب کا بہت خیال رکھتے تھے ۔ وہ اسے ایک ادبی کارنامہ تصور کرتے تھے اور انھیں اپنے مراسلوں پر بڑا ناز ہوتا تھا ۔ چنانچہ وہ ان کی نقلیں اپنے پاس رکھتے تھے اور ان کے مجموعے کو جلد میں باندھ لیتے تھے ۔ اپنی اپنی جلد کے ساتھ وہ ایک رسمی پیش لفظ اور پھر اس کے آخر میں ایک ترقیمہ بھی لکھتے تھے جس میں وہ اپنے اور اپنی تصنیف کے حالات بیان کرتے تھے ۔ ان میں سے بیشتر منشی شعر گو بھی تھے چنانچہ وہ اس جلد میں اپنا فارسی کلام شامل کرنے

کے علاوہ منظوم تاریخ گوئی بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر جلدوں میں یہ سب چیزیں بھی ملتی ہیں۔ اپنے اس ارمغان کی آن بان دکھلانے کے لیے یہ زباندان منشی نہ صرف انھیں اپنے احباب کو پڑھاتے تھے بلکہ بسا اوقات انھیں ان کی نقلیں تیار کرنے کی بھی اجازت دے دیتے تھے۔

اس زمانے میں طباعت ابھی رائج نہیں ہوئی تھی لہٰذا اسی طریقے سے ان مراسلوں کی اشاعت کا ایک نجی حلقہ بن جاتا تھا۔ مصنف کی موت کے بعد یہ ارمغان اس کے بیٹے یا کسی مخلص دوست کی جایداد بن جاتا تھا اور اسے مرحوم کے علم وفضل کی ایک یادگار تسلیم کیا جاتا تھا۔ پھر ان یادگاروں کے اقتباس درسیات میں انشا پردازی کے نمونے کے طور پر پیش کیے جانے لگے۔

ان منشیوں کا مقصد آنے والے مورخ کے لیے کوئی تاریخ تیار کرنا نہیں تھا بلکہ اپنے شوق کی تسکین یا کسی حد تک لوح وقلم کی خدمت تھی۔ بہرحال ان کا اپنی تحریر سے یہ عشق آنے والے مورخوں کا خداداد سرمایہ اور خام مواد بن گیا۔[۲۲]

مطبوعہ صحافت کی ابتدا انھیں منشیوں کی لیاقت اور صلاحیت سے ہوئی۔ یہ صحافی شاید آج کل کی کسوٹی پر پورے نہ اتریں، لیکن اگر آج کے صحافی کے سامنے وہی مواد آجائے جو ان کے مراسلوں میں پیش کیا گیا ہے تو یقیناً وہ اسے نظرانداز نہیں کر سکےگا۔ اگر اس زمانے میں ہندستان میں چھاپے خانے کی خدمات میسر ہوتیں تو مطبوعہ صحافت کی وہیں ابتدا ہوگئی ہوتی۔ روایت ہے کہ شہنشاہ اکبر کو چند عیسائی مشنریوں نے اس زمانے کی نئی ایجاد چھاپے کی مشینری کا ایک تحفہ پیش کیا تھا لیکن شہنشاہ کو اس کا ٹائپ کا خط پسند نہیں آیا تھا اور انھوں نے یہ تحفہ قبول نہیں کیا تھا۔[۲۳] اگر اکبر نے یہ تحفہ قبول کر لیا ہوتا تو عین ممکن ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا نظام قائم ہونے سے کم از کم دو سو سال قبل یہاں مطبوعہ صحافت کی ابتدا ہو جاتی۔

بہرحال ان اخباروں کے قلمی ہونے اور بیشتر سرکاری سطح تک محدود رہنے کے باوجود اس دور کی وقائع نویسی میں جدید صحافت کے کئی اصول خوب خوب کارفرما ہے۔ خبر کی صداقت پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ سلاطین دہلی کے عہد میں اگر کوئی وقائع نگار جھوٹی خبر دیتا تو اس کی سزا موت تھی۔[۲۴]

مغلیہ عہد میں صحافت کی آزادی کی ہمت افزائی اور حفاظت کی جاتی تھی۔

اخبار نویس کو اس بات کی آزادی حاصل تھی بلکہ اس کا یہی کام تھا کہ وہ بڑے سرکاری افسر، امیر یا صوبے دار کی غلط روی کی بلا کم و کاست اور بے خوفی کے ساتھ بادشاہ کو اطلاع دے ...... اخبار نویس یا واقعہ نگار کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا بادشاہ خود بہت خیال رکھتا تھا اور اس کی اہانت کے جرم میں صوبے دار تک کو معزول کر دیا جاتا تھا۔"[۵۵]

یہ قلمی اخبار بازاروں میں آواز لگا کر فروخت نہیں کیے جاتے تھے اور نہ ہی ان کی حیثیت عوامی اخباروں کی تھی لیکن بعض حالتوں میں ان کی نقلیں دور دراز علاقوں کے امرا وغیرہ کے پاس بھیجی جاتی تھیں چنانچہ "اخبار دربارِ معلی" کی جو اورنگ زیب کے پیشترو مغل بادشاہوں کے زمانے میں شاہی محل کے اکابر کے لیے روزانہ جاری کیا جاتا تھا، نقلیں باہر کئی امرا کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔ مغل عہد کے سیکڑوں قلمی اخبارات لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں موجود ہیں۔ یہ اخبارات کرنل جیمس ٹاڈ مصنف "راجستھان" نے غالباً راجستھان ہی کے علاقے سے جمع کیے تھے۔ یہ سب اخبار ۱۶۶۰ء کے ہیں۔ ان کا سائز ۸ × ½ ۴ انچ ہے۔[۵۶]

مغل حکمرانوں کی طرح نوابانِ اودھ کی سرکار میں بھی بکثرت اخبار نویس ملازم تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک معتمد ملازم میجر جنرل سر ولیم سلیمن کا بیان ہے کہ "اودھ کی سرکار میں ۶۶۸ اخبار نویس ملازم ہیں۔ ان کو مجموعی طور پر ۳۱۹۴ روپے ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔"[۵۷]

بعض وقائع نگاروں نے بعد میں اپنے مطبوعہ اخبار بھی جاری کیے۔ چنانچہ لکھنؤ سے ۱۸۵۶ء کے اواخر میں "اعجاز" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری ہوا جس کے مالک و اڈیٹر بینی پرشاد نے اس کے اجرا سے قبل اس کے اشتہار میں بتایا کہ "راقم دورِ شاہی میں واقعہ نگار رہا۔" یہ اشتہار لکھنؤ ہی کے ہفت روزہ "سحر سامری" کے ۵ جنوری ۱۸۵۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

ان اخبار نویسوں کا بھی وہی مرتبہ تھا جو مغل بادشاہوں کے وقائع نگاروں کا تھا۔ ولیم سلیمن کے بیان کے مطابق اکثر بڑی حیثیت کے لوگ اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے علاقے نیز گرد و نواح کے اخبار نویسوں کو بھاری رقمیں بطور رشوت دیا کرتے تھے۔[۵۸] یہ بدعت آج کی ترقی یافتہ صحافت میں بھی موجود ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دور کے کاغذات سے پتا چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے اوائل میں اس کے اربابِ اختیار نے پرانے وقائع نگاروں کے ذریعے سے نہ صرف ہندستانی درباروں کی خبریں حاصل کیں بلکہ ان درباروں تک اپنے پیغام پہنچانے کے لیے بھی ان وقائع نویسوں کا سہارا لیا۔[۳۳]

اس دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی دفتری اور عدالتی زبان فارسی تھی۔ اس زبان سے کما حقہ واقفیت حاصل کرنے کے لیے کمپنی کی سول سروس کے ایک رکن سر چارلس ولکنس نے ۱۷۸۰ء میں انگریزی و فارسی کی ڈکشنری مرتب کی جو مالدہ میں قائم شدہ ایک نئے مطبع میں چھپی۔ بنگال میں طباعت کے نئے نظام کے قیام کی یہ سب سے اولین مثال ہے۔[۳۴]

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں جب کہ مغرب کے ان صحافیوں کے پاس ریلوے، ڈاک، تار، ٹیلی فون اور ہوائی جہاز کا کوئی نظام نہیں تھا، مغلیہ عہد کے یہ واقفِ شہر اور تجربہ کار کارکن ان کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔ انھیں کی مدد سے وہ اپنے جریدوں میں ہندستان کے حالات کی مؤثر رپورٹنگ کر سکے۔ یہ جریدے نہ صرف ہندستان کے سرکاری دفاتر بلکہ انگلستان کے با اثر حلقوں میں بھی پڑھے جاتے تھے۔ اس طرح ہندستان کی ابتدائی انگریزی صحافت کی کارگزاری میں ہندستانی رپورٹروں نے بڑا مفید کردار ادا کیا۔

مارگریٹا بارنز نے کہا ہے کہ ہندستانی صحافت برطانوی پریس کی اولاد ہے۔[۳۵] یہ نظریہ بظاہر درست دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے دو مدارج ہیں۔ پہلے مرحلے میں ہندستان کی کہنہ مشق قلمی صحافت ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہلِ اختیار اور یہاں کے انگریزی اخباروں کے اربابِ کار کی مدد اور رہبری کرتی ہے۔ اور دوسرے درجے میں سیاسی محکوم ہونے کے باعث، ہندستانی صحافت برطانوی پریس کو اپنا رہبر تصور کرنے لگی ہے۔ اگر ہندستان میں سولھویں یا سترھویں صدی ہی میں چھاپہ خانہ رائج ہو جاتا، جس کے امکان کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے، تو اس کے وقائع نگار یہاں برطانیہ کی آمد سے پہلے، ترقی کے کئی مرحلے طے کر چکے ہوتے، اگرچہ یہ ترقی فارسی زبان میں ہوتی۔

بات صرف ہندستانی وقائع نگاروں سے کام لینے تک محدود نہ رہی۔ بلکہ ابتدائی انگریزی صحافت نے جو تمام تر اہلِ مغرب کے ہاتھوں اور دائروں میں تھی مشرقی اور بالخصوص فارسی

علم و دانش میں گہری دلچسپی لی۔ ان میں سے بعض جریدوں میں بڑی باقاعدگی بلکہ خصوصیت سے فارسی کلاسیکی ادب کا انتخاب اور اس کا انگریزی ترجمہ چھاپا گیا۔ چنانچہ ہمیں ۱۸۰۱ء میں جاری ہونے والے ایک ایسے رسالے کی اطلاع ملتی ہے جس میں مشرقی شعرا کا اصل کلام ان کے انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ اس سہ ماہی کا نام "ہندستانی انٹلی جینسر" HINDUSTANI INTELLIGENCER تھا اور اسے ایک کہنہ مشق صحافی ٹامس ہونتگ بیری نے جو "بنگال ہرکارو" اور "کلکتہ کرانیکل" میں کام کر چکا تھا، جاری کیا تھا۔ اس میں حافظ اور سعدی کے شہ پارے انگریزی ترجمے کے ساتھ پیش کیے گئے۔ مثلاً حافظ کے یہ دو اشعار مع ترجمہ دیکھیے جو اس رسالے نے اپنے اولین شمارے میں شائع کیے:

حجابِ چہرۂ جاں می شود غبارِ تنم — خوشا دمے کہ از آں چہرہ پردہ بر فگنم
چنیں قفس نہ سزائے چو منِ خوش الحان است — روم بہ گلشنِ رضواں کہ مرغِ آں چمنم

VEILED IS MY SOUL IN THIS CORPOREAL CLAY:
BLEST BE THE HOUR THAT TEARS IT AWAY
THE IMPRISONED BIRD IN SADNESS KNOWS HER STRAINS,
SO PINES MY SOUL TO JOIN HER NATIVE PLAINS.

ترجموں کے علاوہ طبع زاد مضامین اور شعری کاوشیں بھی شائع کی گئیں۔ اس رسالے کی توجہ اور صلاحیت مشرقی ادب کے علاوہ ہندستانی سیاست اور سیاسی کرداروں پر مرکوز رہی اور اس کے مشمولات کے ذرائع اور مآخذ صرف فارسی کے قلمی اخبار تھے۔

اس زمانے میں عیسائی مشنری یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ مشرقی زندگی اور ادب کا کردار دقیانوسی اور رجعی ہے لیکن اس رسالے نے جو بدقسمتی سے صرف دو سال جاری رہا، ایک جوہر شناس مشاہد کی طرح مشرقی دانش اور ادب کی فضیلت اور لطافت کے کئی اہم گوشوں کو رضاکارانہ طور پر نمایاں کیا۔[۳۳]

ہندستان میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو ہوا تھا اور اس قیام کا بنیادی مقصد انگلستان کی تجارت کو فروغ دینا تھا۔ اس وقت نوآمدہ انگریزوں کے اپنے وطن میں مطبوعہ صحافت کا رواج تقریباً دو سو سال قبل سے موجود تھا لیکن ...

—— اپنی تجارتی سرگرمیوں اور ترقیوں کے زمانے میں اس کمپنی نے یہاں صحافت کا رواج ڈالنے کی کوئی واضح کوشش نہ کی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اس نے تجارت سے سیاست اور سیاست سے اقتدار کی طرف حکمت اور منصوبہ بندی سے پیش قدمی کی۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ میں بنگال کے نواب سراج الدولہ کی شکست سے اسے ایک حاکم جماعت کی حیثیت حاصل ہو گئی لیکن اس سے تیس سال قبل ہی انگلینڈ کے شاہ جارج اول نے ۱۷۲۷ء میں کمپنی کے حکام کو کلکتہ میں انگلینڈ کے قانون کو وسعت دینے کی ہدایت کی اور اسے یہ اختیار دیا تھا کہ وہ کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں اپنی عدالتیں قائم کرے[۳۳]

فتح پلاسی کے سولہ سال بعد ۱۷۷۳ء میں یہاں برطانوی حکومت کے باضابطہ قیام کے لیے ایک ریگولیٹنگ ایکٹ بھی نافذ ہو گیا لیکن حاکم جماعت بن جانے کے اس طویل سلسلے میں کمپنی نے یہاں کوئی سرکاری یا نیم سرکاری اخبار شائع کرنے یا کسی غیر سرکاری حلقے کی طرف سے اس کی اشاعت کو ممکن بنانے کے لیے کوئی چھاپہ خانہ قائم کرنے کا کوئی منصوبہ نہ بنایا۔

میٹکاف کے سوانح نگار جان ولیم کے JOHN WILLIAM KAYE کی کتاب سے پتا چلتا ہے کہ کمپنی کی حکومت ہندستان کے لوگوں کو چھاپہ خانہ سے روشناس کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ وہ اسے مدنیت کا ایک خطرناک حربہ تصور کرتی تھی۔ چنانچہ لارڈ منٹو کے عہد میں جب حیدرآباد کے ریزیڈنٹ کپتان سیڈن ہیم نے اپنے حلیف نظام حیدرآباد کو پیش کیے جانے والے تحفوں میں ایک چھاپہ خانہ بھی شامل کر دیا تو حکومت کے چیف سیکریٹری نے اس کا برا مانا اور اپنے ایک مراسلے میں اس کے لیے ریزیڈنٹ کو سرزنش کی[۳۴]

اس سوانح نگار نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ اس دور میں برطانوی حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ ہندستان کے دیسی باشندوں کو انتہائی بربریت اور تاریکی میں مبتلا رکھا جائے[۳۵]

اور تو اور اس زمانے میں ہندستان میں رہنے والے یورپی اپنی اخبار بینی کی پیاس کلیتاً انگلستان کے اخباروں سے بجھاتے تھے جو اپنی اشاعت کے بعد نو ماہ تا ایک سال کے عرصے میں یہاں پہنچتے تھے۔

ہندستان میں جدید صحافت کے مبینہ خالق ارباب اختیار انگریزوں کی سوچ اور

تاریخ کا یہ پہلو قابلِ توجہ ہے کہ انھیں اس تاخیر اور خود ہندستان میں کوئی عوامی اخبار موجود نہ ہونے ہی میں اپنی عافیت نظر آتی تھی۔

کمپنی کے اکثر افراد نجی کاروبار اور دولت جمع کرنے اور اجارہ داری جمانے میں مصروف تھے۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں کئی ممبران کے اعمال پر کڑی نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ اور ان کی تنقیدیں لندن کے اخباروں میں بے روک ٹوک شائع ہوتی تھیں۔ اب اگر ہندستان میں بھی اخباروں کی اشاعت کی راہیں آسان کر دی جاتیں تو وہ بھی کھلے یا چھپے انداز سے ان حقائق کو طشت از بام کرتے۔ لہٰذا کمپنی کے خداوندوں نے اسی میں عافیت دیکھی کہ جب تک ہو سکے ان کے اعمال پردے ہی میں رہیں۔

لیکن صحافت بھی روشنی کی طرح اپنا راستہ نکال لیتی ہے اور زیادہ دن تک روکی نہیں جا سکتی۔

کمپنی کے ایک ملازم ولیم بولٹس نے جو کلکتہ کے میئر کی عدالت کا جج رہا تھا، کمپنی کے حالات کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اسے اس کے نظم و عمل سے گہری شکایت پیدا ہو گئی۔ اس کی شکایت کا ایک ذاتی پہلو یہ بھی تھا کہ اسے کمپنی کی اس لوٹ میں خاطر خواہ حصہ نہیں مل رہا تھا۔ جب کمپنی نے اسے اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا۔ تو اس نے اس کے کرتوتوں کا پردہ فاش کرنے کے لیے ایک اخبار نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ ۱۷۶۶ء کے آس پاس کی بات ہے۔ اس وقت کلکتہ میں کوئی سرکاری یا نجی چھاپہ خانہ قائم نہیں ہوا تھا۔ اس کی ابتدا یہاں ۱۷۷۹ء میں ہوئی۔

ولیم بولٹس دراصل ایک ولندیزی تھا وہ کمپنی سے بہت ناراض تھا۔ اس کے پاس کمپنی کے ناگوار معاملات کا کچھ دستاویزی ثبوت بھی تھا اور وہ اسے انتقاماً طشت از بام کرنا چاہتا تھا۔

جدید صحافت کے شوق کو کا یہ بڑا دلچسپ پہلو تھا کہ ادارتی مواد تو موجود تھا لیکن طباعتی نظام میسر نہیں آ رہا تھا مگر ولیم بولٹس ہندستان کے وقائع نگاروں کے طریقے سے کام لیتا یا کسی ہندستانی وقائع نگار کا تعاون حاصل کر کے اپنے مواد کو ایک قلمی اخبار کے ذریعے سے پیش کر دیتا جیسا کہ بعد میں ۱۸۲۴ء میں "لدھیانہ اخبار" کے مشنریوں نے شروع میں کیا تو اس کا یہ قدم نہ صرف ہندستان کی صحافت کی عمر میں اضافہ کر دیتا بلکہ مغرب

کی تہذیبی ترقی کے دعوے داروں کے ضمیر پر بھی ایک تاریخی تازیانہ ثابت ہوتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ولیم بولٹس اپنے جانشین: جیمز آگسٹس ہکی کی طرح آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑنے والا کردار نہیں تھا۔ ہکی نے ایک موقع پر کہا تھا کہ اگر حکومت نے اس کی آواز دبانے کے لیے اس کے اخبار کی خریداری کو حکماً بند کیا تو پھر وہ یونانی شاعر ہومر کی طرح کلکتہ کی سڑکوں پر آواز لگا کر اپنی خبریں مشتہر کرے گا۔ لیکن ولیم بولٹس ایسا نڈر مہم جو نہیں تھا۔ قانون کے شعبے میں مدتوں کام کرتے رہنے کی وجہ سے وہ احتیاط اور ضابطے کو ترجیح دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک اشتہار کے ذریعے سے خواص و عوام سے تیکنیکی مدد مانگنے کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ اشتہار اس نے کونسل ہاؤس کے دروازے پر چسپاں کر دیا جس میں کہا گیا تھا کہ انھیں ایک ایسے ناشر یا معاون کی ضرورت ہے جو چھپائی کے فن سے واقف ہو اور اس کے مواد کی اشاعت کر سکے۔

انگریزی زبان کے اس اشتہار میں اس نے نہ صرف "یورپین آبادی" بلکہ "برطانوی رعایا" یعنی کلکتہ اور اس کے آس پاس رہنے والے تمام ہندستانیوں سے بھی اپیل کی کہ فی زمانہ "چھپائی اور خبر رسانی کا کام" "شروع کرنا" "بیحد ضروری ہے"۔ اس نے ہر ایسے شخص کی "ہمّت افزائی" کرنے کی بھی پیش کش کی جو اس کام کے لیے آگے آئے "ٹائپ اور دوسرے ضروری سامان کا بندوبست" کرنے کے علاوہ اس نے عوامی مفاد کے وہ "مسودات اور خبریں" بھی شائع اور مہیا کرنے کی پیشکش کی جو اس کے پاس "محفوظ" تھیں۔

اس صلائے عام سے کوئی واقف فنِ طباعت تو سامنے نہ آیا لیکن کمپنی کے ذکی الحس لوالیوں کے کان ضرور کھڑے ہو گئے۔ ان دنوں کسی کی رہائش گاہ پر اچانک چھاپہ مار کر پُرخطر یا قابلِ اعتراض مواد برآمد کرنے کا طریقہ تو رائج نہیں تھا لیکن کسی ایسی بانسری کی آواز بند کرنے کے لیے بانس ہی کو ملک بدر کر دینے کا رواج عام تھا۔ چنانچہ کمپنی نے اپریل ۱۷۶۸ء میں گورنر جنرل بااجلاس کونسل کے ایک فیصلے کے تحت ولیم بولٹس کو ہندستان سے واپس انگلستان بھجوا دیا۔

وطنِ مالوف واپس جا کر ولیم بولٹس کا شوقِ صحافت ایک کتاب کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جس کا عنوان تھا CONSIDERATIONS ON INDIAN AFFAIRS یہ کتاب پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کتاب کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی پہلی تاریخ تصور کیا جاتا ہے

جو پلاسی کی جنگ کے صرف سترہ سال بعد عین اس وقت لکھی گئی جب کہ بنگال میں انگریزوں کی لوٹ اپنے شباب پر تھی۔ "[۲]

ولیم بولٹس جس کا ۱۸۰۸ء میں انتقال ہوگیا اپنی زندگی میں اخبار کے ذریعے سے کمپنی کے کرتوت بے نقاب نہ کرسکا کیونکہ اسے اپنے سارے شہر میں کوئی ناشر میسر نہ آیا لیکن اس کی صدا بیکار نہ گئی۔ قدرت کے رنگ دیکھیے کہ بولٹس کی زندگی ہی میں کمپنی کا ایک اور سابق ناشر جیمس آگسٹس ہکی دم ٹھونک کر میدانِ صحافت میں اتر آیا۔ اس نے ۲۹ جنوری ۱۷۸۰ء کو "ہکیز گزٹ یا کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر" کے مرکب نام سے چار صفحات کا ایک چھوٹا سا اخبار نکال دیا جس نے آنریبل کمپنی کی نیند حرام کر دی۔

یہ ہکی بھی کمپنی کا ایک معتوب ملازم تھا اور بقول خود صحافت کے پیشے کا شائق نہیں تھا اور نہ وہ اس پیشے کی "محنت و مشقت کی اسیرانہ زندگی" کا آرزومند تھا۔ لیکن وہ اپنی "روح اور دماغ کی آزادی" کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔[۳]

وہ خود کوئی آبِ کوثر سے دھلا ہوا کردار نہیں تھا اپنی بدمزاجی کی وجہ سے کمپنی کی ملازمت سے برطرف ہونے کے بعد بھی سٹے بازی کی قابل اعتراض سرگرمیوں کی وجہ سے جیل کی ہوا بھی کھا چکا تھا لیکن اس کا غیض و غضب اپنے وقت کے انتظامی، مذہبی اور قانونی اکابر کی دستارِ فضیلت کھولنے میں بڑا مستعد ثابت ہوا۔

ان میں سے بعض اکابر نے جنھیں گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کی دوستی حاصل تھی ہکی کے خلاف شکایتیں کیں۔ چنانچہ ہکی کو بار بار جرمانوں اور قید کی سزائیں ہوئیں لیکن اس نے اپنی ڈگر نہ چھوڑی۔ بالآخر مارچ ۱۷۸۲ء میں اس کا چھاپہ خانہ بحقِ سرکار ضبط کرلیا گیا دریوں یہ پہلا نڈر اور صاف گو اخبار دو ہی سال کے بعد اقتدار کے مقتل میں شہید ہوگیا۔

ہکی کی جسارت میں جرأت مند صحافت کی پہلی جست اور معرکہ خیزی ہے لیکن فارسی اور اردو صحافت اسے ایک اور وجہ سے بھی یاد رکھیں گی۔ اس کے انگریزی پریس کے نگران چارلس ولکنس نے فارسی ٹائپ ایجاد کیا۔ اس کام میں اس کا معاون ایک بنگالی لوہار پنچانن کرمارکر تھا۔[۴]

بیشک ولیم بولٹس کے تصور اور جیمس آگسٹس ہکی کے حوصلے دونوں کا پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیا گیا لیکن اب ہندستان میں چھاپے خانے قائم ہوگئے تھے۔ مطبوعہ صحافت

شروع ہو چکی تھی اور حکومت بھی اس کے امکانات سے بخوبی آگاہ تھی۔ چنانچہ اب اس نے اسے مسدود کرنے کی بجائے ان نوواردوں کی سرپرستی کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس سرپرستی کا اوّلین فیضیاب ہفت روزہ "انڈیا گزٹ" تھا جو "ہکیز گزٹ" کے صرف نو ہی ماہ بعد نومبر ۱۷۸۰ء میں کلکتہ سے جاری ہوا۔ ابتدا میں تو یہ "ہکیز گزٹ" کے ہنلے پر دہلے کا انداز اختیار کیے رہا۔ لیکن جب "ہکیز گزٹ" بند ہوگیا، تو اس کی روش مختلف اور بہتر ہوگئی۔

مارچ ۱۷۸۴ء میں کمپنی نے گورنر جنرل باجلاس کونسل کی باقاعدہ منظوری اور حکم سے کلکتے سے اپنا ایک ہفت روزہ جاری کیا جس کا نام "دی کلکتہ گزٹ اینڈ اورینٹل ایڈورٹائزر" تھا۔ اس کا ایڈیٹر فرانسیس گلیڈون تھا۔ ستمبر ۱۷۹۱ء میں اس اخبار کے نام میں تھوڑی تبدیلی کی گئی اور اسے "کلکتہ گزٹ" سے موسوم کیا گیا۔ جون ۱۸۱۵ء میں اس کے نام میں پھر تبدیلی کی گئی اور اب اس کی حقیقت کے عین مطابق اسے "گورنمنٹ گزٹ" ہی کہا گیا۔ ۱۸۳۲ء میں پھر اس کا نام "کلکتہ گزٹ" کر دیا گیا۔

اس اخبار کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس میں آنے والی دیسی صحافت کی دستک سنی جا سکتی ہے۔ اس کا اڈیٹر فرانسیس گلیڈون انگریزی کا اچھا قلم کار ہوتے کے ساتھ ساتھ فارسی کا بھی اچھا عالم تھا۔ اس کے ذوق اور تخیل نے اخبار کے مندرجات میں غیر متوقع تنوع پیدا کیا۔ اس نے اخبار کے ابتدائی شماروں میں فارسی زبان کا ایک کالم شامل کیا جس کا مستقل عنوان "خلاصۂ اخبار دربار معلّی بہ دار الخلافت شاہ جہاں آباد" تھا۔ اس کالم میں دربار معلّی کی خبروں کے علاوہ دلی کی عام خبریں اور فارسی غزلیں بھی چھاپی جاتی تھیں۔ مزید یہ کہ فارسی میں اشتہارات بھی چھاپے جانے لگے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں فارسی رسم الخط کا ٹائپ موجود تھا۔ عبداللہ یوسف علی کے خیال میں ہندستان کی کسی مروجہ زبان میں کلکتہ گزٹ پہلا مطبوعہ اخبار تھا۔ ۱۷ مئی ۱۷۹۹ء کے اس کے ایک خصوصی شمارے میں ٹیپو سلطان کی شہادت اور سرنگاپٹم کے محاصرے کی کامیابی کی خبر شائع کی گئی ہے۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (نئی دلی) کی لائبریری میں کلکتہ گزٹ کے ۱۷۸۰ء کے کافی شمارے ملتے ہیں۔ ان میں دو دو کالم کی فارسی عبارتیں ملتی ہیں جو عام طور پر سرکاری

سامان کے نیلام کے اشتہار تھیں۔ یہی مواد انگریزی (اور بنگلہ) میں بھی چھپتا تھا۔ اس مواد کا ترجمہ کرنے، پروف پڑھنے اور ان کی ترتیب وادارت کے لیے یقیناً کچھ وقائع نویسوں یا منشیوں کی خدمات حاصل کی گئی ہوں گی۔

اس اخبار کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اس میں فارسی تحریروں کے انگریزی ترجمے بھی درج کیے جاتے تھے۔ فرانسیس گلیڈون کو مشرقی تصانیف سے گہری دلچسپی تھی اور انھوں نے فارسی کی کئی تصانیف کے انگریزی میں ترجمے بھی کیے۔ انھوں نے "فارسی منشی" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی جو گویا فارسی سیکھنے کا آسان قاعدہ تھی۔ انھوں نے اس کے علاوہ فارسی ادبیات پر انگریزی زبان میں ایک کتاب بھی لکھی۔[۲۱]

فرانسیس گلیڈون کی دلچسپیوں کے طفیل وہ فصل بارآور ہونے لگی جس کا بیج سرچارلس ولکنس کی انگریزی فارسی ڈکشنری اور تھامس ہولنگ بیری کے ہندستانی انٹیلی جینسر سے پڑا تھا۔ وہ پیشہ ورانہ اشتراک جو کمپنی کے ابتدائی عہدے داروں اور مغلیہ عہد کے تربیت یافتہ وقائع نویسوں میں قائم ہوا تھا اب فارسی کی علمی اور ادبی فضیلت کی خوشہ چینی کی طرف مائل ہو گیا۔

کلکتہ گزٹ نے خاصی طویل عمر پائی۔ اس کے متنوع کالموں سے اور بالخصوص ان میں مشرقی علوم کے اذکار سے میگزین جرنلزم (مجلاتی صحافت) کی بھی ابتدا ہو گئی اور اب یہاں انگریزی میں باقاعدہ رسالے بھی وجود میں آ گئے۔ ان میں سہ ماہی "ایشیاٹک میسلینی اینڈ بنگال رجسٹر" بھی تھا، جو ۱۷۸۵ء میں جاری ہوا۔ اس میں منجملہ دیگر اندراجات، ایسے طبع زاد مضامین، ترجمے اور اقتباسات بھی شائع ہوتے تھے جن کا کسی نہ کسی اعتبار سے ایشیا سے تعلق ہوتا۔ نیز ہندستان کی نئی مطبوعات کا بھی ذکر ہوتا۔ اس کے مندرجات میں جے دیو۔ ابو نصیر الدین۔ میر درد۔ حافظ۔ حماسہ (عربی) اور سعدی کی تخلیقات کے ترجمے مع اصل متن شائع ہوئے۔ درگا، بھوانی اور پرکرتی کی مدح میں اشعار بھی شائع ہوئے اور چارلس ولکنس کا بھاگوت گیتا کا ترجمہ بھی شائع ہوا۔ ۱۷۸۸ء میں اس جرنل کا نام ایشیاٹک ریسرچز ASOATOC RESEARCHES ہو گیا۔ یہ ایک سالانہ رسالہ تھا۔[۲۲]

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں (اور یہ سارا زمانہ انگریزی صحافت کے لیے وقف رہا) کلکتہ سے انگریزی کے تقریباً ۲۱ جریدے اور رسالے جاری ہوئے۔ ان سب کے اڈیٹر اور مالک یوروپی باشندے تھے لیکن یہ سب سرکار کے وظیفہ خوار نہیں تھے۔ ان میں سے اکثر ہندستان کے علوم اور واقعات کے خلاصے شائع کرتے رہے۔ البتہ ان میں سے جس اخبار نے بھی سیاسی موضوعات پر آزادیٔ تحریر کا راستہ اختیار کیا کمپنی کے نوابوں نے اس کی اشاعت مسدود کرنے کے لیے سخت اقدام کیے۔ چنانچہ "بنگال جرنل" اور بعد میں "انڈین ورلڈ" کے سرکش اور خود رائے قسم کے اڈیٹر ولیم ڈون WILLIAM DUANE پر پہلے مختلف قسم کے سختیاں کی گئیں اور بالآخر ۹۴ء میں انھیں ہندستان بدر کر دیا گیا۔

اسی زمانے میں گورنر جنرل سرجان شور ، نے کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے صدر رائٹ آنریبل ہنری ڈنڈاس کے نام اپنے ایک نجی خط مورخہ ۳۱ر دسمبر ۹۴ء میں لکھا:

> کلکتے کے اخباروں نے انھیں دنوں جو بے لگامی کی روش اختیار کی ہے اس کا جاری رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ایک اڈیٹر کو میں نے یورپ روانہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا نام ولیم ڈون ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ بھی مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس شخص کا رویہ یقیناً اس کا مقتضی نہ تھا کہ کمپنی اس کا تحفظ کرتی۔[۴]

ان اقدام کی انتہا بھی ۱۸ ویں صدی کے اندر ہی ہو گئی۔ جبکہ یورپی ناشروں کی نوزائیدہ انگریزی صحافت کی عمر ابھی بمشکل ۱۹ سال تھی۔

گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے مئی ۹۹ء میں پریس کو پابند کرنے والا پہلا قانون نافذ کر دیا۔ اس قانون کے تحت منجملہ دوسری پابندیوں کے ہر اخبار کے اڈیٹر اور مالک کو ہدایت کی گئی کہ جب تک حکومت کا سکریٹری یا کوئی متعلقہ افسران کے اخبار کے پروف کا معائنہ نہ کرلے اس وقت تک اخبار نہ چھاپا جائے۔[۵]

اٹھارہویں صدی کی نوزائیدہ صحافت پیدایش، فعل یا فکر کسی پہلو سے بھی ہندستانی نہ تھی لیکن اس کی آمد سے اس کے غیر سیاسی موضوعات کی ذیل میں ہندستان کی شاندار وراثت کی جسے متعدد حوادث نے منجمد کر دیا تھا نشاۃ ثانیہ کا آغاز ضرور ہو گیا۔

اس کے جلو میں ایک نئی نظر اور نئی سوچ وجود میں آئی جس سے ہندستان کے قدیم علمی تمدنی اور تاریخی خزانوں کے دروازے کھل گئے۔ ان ذخیروں کی تحقیق وتشریح پر از سرِ نو کام شروع ہوا۔ ابتدا فارسی کے علم وادب سے ہوئی جو نوایجاد چھاپے کے مغربی ناشرین اور اہلِ دانش کے مشرق یا ہندستان کے خزینۂ دانش کا پہلا دریچہ ثابت ہوا۔ اس دریچے میں جھانکنے کے بعد انھیں سنسکرت کی قدامت اور دولت کے مختلف گوشے نظر آئے۔

اس تحریک کی ترقی میں بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے بڑا مفید کام کیا۔ یہ سوسائٹی گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کی سرپرستی میں ۱۵ر جنوری ۱۷۸۴ء کو کلکتہ میں قائم ہوئی۔ اس نے اپنی سرگرمیوں کی اشاعت کے لیے دو رسالے جاری کیے: ایشیاٹک ریسرچز ASIATIC RESEARCH ۱۷۸۸ء میں اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل BENGAL ASIATIC SOCIETY JOURNAL ۱۸۳۲ء میں۔

اس سوسائٹی کے روح رواں اور پہلے صدر سر ولیم جونس تھے وہ سپریم کورٹ کے جج رہ چکے تھے اور کم از کم چودہ زبانوں کے ماہر تھے جن میں عربی، فارسی اور سنسکرت بھی شامل تھیں۔ وہ ایشیا کی دانش اور فراست کے زبردست مداح تھے۔ انھوں نے سوسائٹی کے افتتاحی جلسے میں اپنی صدارتی تقریر میں کہا:

"یہ وہ قطعات ہیں جو اعلا علوم کا گہوارہ اور مفید فنون کا مسرت انگیز سرچشمہ رہ چکے ہیں۔ یہاں اولوالعزم انسانوں کے عظیم الشان کارناموں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ہاں! یہی وہ سرزمین ہے، جس میں دل ودماغ کے لوگ پیدا ہوئے، جہاں قدرت کے عجائبات کی کمی نہیں، جہاں مذہب، حکومت، قوانین، اخلاق، رسم ورواج، زبان اور انسانی چہروں کے رنگ اور خط وخال کی حیرت انگیز بوقلمونی نظر آتی ہے۔ میں جب ہندستان آیا تو اس امر کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا کہ ابھی ہمارے سامنے تحقیق وجستجو کا کیسا ضروری اور وسیع میدان پڑا ہے، جس کی طرف کسی نے ابھی تک توجہ نہیں کی ہے۔"[۲۴]

اس سوسائٹی نے ہندستان کے علوم اور ادبی شاہ کاروں کی تلاش وترجمانی سے

متعلق بہت قابلِ قدر کام کیا۔ اس نے اور مغرب کے دوسرے شائقینِ مشرق نے ہندستان کی اس فہم و فراست میں نئی دلچسپی اور کشش پیدا کی جو مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد مقامی لڑائیوں سے پیدا ہونے والے خلفشار کی وجہ سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ اس نے مقامی ذہنوں کی مایوسیوں کے اندھیرے میں ایسی شعاعیں روشن کیں جنھوں نے جلد ہی ہمارے نئے صحافیوں کے ذہن اور قلم کو بھی حرارت دی۔

اس دور میں کلکتہ گزٹ کے شماروں میں ہندستان کے سنسکرت اور فارسی ادب پر انگریزی میں کئی تبصرے ملتے ہیں۔ مثلاً چار اپریل ۱۸۲۲ء کے شمارے میں "ناٹک پریہ" کے قلم سے "ہندو ڈراما" کے عنوان پر ایک تبصرہ ہے جس کا سلسلہ بعد کے کئی شماروں میں بھی جاری رہا۔ اس میں کالی داس کے ڈراما شکنتلا کو جس کا ترجمہ خود سر ولیم جونس نے کیا تھا "ابتدائی (ہندو) تہذیب کا ایک اعلا نمونہ" بیان کیا گیا ہے۔

گیارہ اپریل ۱۸۲۲ء کے شمارے میں "سکروٹیٹر" SCRUPATOR کے قلم سے ایک خط ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "فارسی زبان میں اس ملک کی بہت سی قابلِ قدر تواریخ کی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن فارسی کے (ہمارے) ماہرین نے، جن کی تعداد کثیر ہے، ان پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یورپی مصنف بس فرشتہ ہی کی تاریخ پر مرکوز ہو کر رہ گئے ہیں۔"[۱۳]

انیسویں صدی کا آغاز پریس پر قانونی پابندیوں سے ہوا جن میں پریس پر سامراج کا مکروہ ترین حربہ سنسر شپ بھی شامل تھا۔ لیکن جلد ہی لارڈ ہیسٹنگز نے، جو نسبتاً معقولیت پسند تھا، سنسر کا محکمہ توڑ دیا۔ اخبارات پر ممانعتیں تو بدستور نافذ رہیں لیکن آزادیِ تحریر کی جو بھدی روایت ہکی نے شروع کی تھی، اس میں اصلاح کر دی گئی اور اڈیٹر اب زیادہ سلیقے سے کام لینے لگے۔ انھیں میں ایک قابل انگریز جیمس سلک بکنگھم تھا جس کے اخبار "کلکتہ جرنل" (اجرا ۱۸۱۸ء) نے اعلان کیا کہ حق گوئی، خواہ یہ تلخ ہو، اخبار نویس کا شعار ہونا چاہیے۔[۱۴]

یہ اخبار بہت مقبول ہوا اور ۱۸۲۱ء میں کلکتہ کا سرکردہ روزنامہ بن گیا۔ اس نے ولایت سے چھاپے کی ایک نئی مشین منگوائی جس میں کئی زبانوں کے ٹائپ آئے۔ ان میں فارسی بھی شامل تھی۔ بہرحال، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، فارسی کا ٹائپ یہاں پہلے بھی

موجود تھا۔ ۸ جولائی ۱۷۹۰ء کے "کلکتہ کرانیکل" میں نستعلیق فارسی چھپائی کا نمونہ ایک اشتہار کی صورت میں شائع ہوا۔

کچھ دیسی حکمرانوں کے پاس بھی چھپائی کا انتظام تھا۔ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کو آگرہ کے قلعہ شاہی سے جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس میں ایک چھاپہ خانہ بھی شامل تھا۔[۹]

صحافت اپنے مزاج سے نہ صرف آزادی پسند ہے بلکہ اپنی روایت کی توسیع چاہنے والی بھی ہے۔ چنانچہ کلکتہ میں جو اس وقت حکومت کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے اقتدار، وقار اور گوناگوں ایجاداتِ علم وشعور کا مرکز تھا، غیر ملکی افراد کی طرف سے انگریزی اخبار جاری ہونے کے تقریباً ایک چوتھائی صدی بعد ہی دیسی صحافت کی زمین کسمسانے لگی۔ اس کی فضاؤں میں جو غیر ملکی پودے مچل رہے تھے، ان کے کلّے اور پتے اس کی فطری اپج کو دعوتِ عمل دینے لگے۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد وسیع اور طویل انتشار اور خلفشار کی وجہ سے یہ زمین نئی فصل پیدا کرنے سے معذور ہو گئی تھی۔ اب اس میں غیر ملکی کھاد کی تہ لگ گئی۔ یہ کھاد اس انگلستان سے آئی تھی جو پچھلی دو صدیوں میں اپنے صنعتی انقلاب کی بدولت اقتصادی ثروت اور سیاسی انقلاب کے صدقے جمہوری نظام اور پارلیمنٹ کے اقتدار سے بہرہ ور ہو گیا تھا۔ اسی کھاد کے اثر سے ہندستان کے سماجی اور اقتصادی ڈھانچے کی بنیادیں تک لرز گئی تھیں۔ ان بنیادوں کو بدلنے اور نئی تعمیر کرنے کا کام ایسٹ انڈیا کمپنی کے برطانوی نوابوں نے (اس کے اکابر نے اپنے طنطنے میں یہ لقب بھی قبول کر لیا تھا) پہلے ہی اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ یہ تجارت پرست اور منافع خور ہاتھ اپنے ملک کے جمہوری نظام کی مثبت اقدار کو خود بانٹنے کے خواہاں تو نہیں تھے لیکن نئے خیالات اور نئے تصورات کو پیدا ہونے سے روک بھی نہیں سکتے تھے۔

اس دور کے مسیحی پادریوں کے اوّلین اخبار اسی کھاد کا حصّہ تھے۔ البتہ جب ان یورپی باشندوں کی طرف سے جاری کردہ اوّلین انگریزی اخباروں کی توجہ ہندستان کے قارئین سے زیادہ کمپنی کے معاملوں سے دلچسپی لینے والے انگلستان کے اہلِ سیاست

پر تھی وہاں پادریوں کے دیسی زبانوں کے اولین اخباروں کی توجہ خبروں کی اشاعت سے زیادہ عیسائیت اور برطانوی مفاد کے فروغ پر تھی۔

ان پادریوں نے اپنا ایک بڑا تبلیغی مرکز سیرام پور میں قائم کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک "سیرام پور کالج" بھی قائم کر دیا جس کا علانیہ مقصد ان کے "پیغمبر کے آسمانی الہام کے نور کو ہندستان میں ممکن العمل وسعت تک پھیلانا تھا۔"[۵۹]

بہر حال اس صحافت نے ہندستان کے لوگوں میں اخبار بینی کا شوق اور عوامی اخبار نویسی کا مذاق پیدا کیا۔

ہندستان میں اب نئے خیالات اور نئے تصورات کو اپنانے اور بڑھانے والا ایک نیا متوسط طبقہ بھی تیار ہو چکا تھا جس کی ابتدا ایسٹ انڈیا کمپنی کے غیر ملکی تاجروں اور ہندستان کے تاجروں کے دلالی کرنے اور لین دین کے ایسے دیگر تعلقات کو فروغ دینے والوں سے ہوئی۔ اس طبقے کے کئی افراد نے مختلف ضرورتوں کے لیے نجی کوششوں سے انگریزی سیکھ لی جس سے اس طبقے میں ہمت اور آگے بڑھنے کی امنگ پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس میں وہ خوش حال اور بارسوخ لوگ بھی شامل ہو گئے جن کی کمپنی کے نوابوں نے اپنی مخصوص ضرورتوں کے لیے سرپرستی کی۔ عالم یہ تھا کہ ان دنوں پوری ایسٹ انڈیا کمپنی ہی کو "متوسط طبقوں کی سلطنت" کہا جاتا تھا۔[۶۰]

نئے مغربی کلچر میں ایک کشش اور کشادگی بھی تھی جس نے ملک کے نوجوان اہلِ فکر کو اپنی طرف کھینچا اور یہ متوسط طبقہ قومی اصلاح اور ترقی کے خیالات لے کر میدان میں آگیا۔ ۱۸۳۵ء میں جب برٹش حکومت نے میکالے اور اس کے ہم خیالوں کی سفارش پر ہندستانیوں کو انگریزی پڑھانے کی پالیسی بنائی تو اس سے فوری استفادہ کرنے والا یہی طبقہ تھا۔[۶۲]

سیرام پور کے بپٹسٹ مشن کے رسالے "فرینڈ آف انڈیا" (اجرا ۱۸۱۸ء) کے مطابق پہلا ہندستانی جس نے کلکتہ میں چھاپہ خانہ کھولا وہ بابو رام کے نام کا شمالی ہند کا ایک شخص تھا۔ اس کے بعد ایک چھاپہ خانہ گنگا دھر بھٹا چاریہ نے قائم کیا جو پہلے سیرام پور کے چھاپے خانے ہی میں ملازم تھا۔[۶۳]

اسی شخص نے جون ۱۸۱۶ء میں "بنگال گزٹ" کے نام سے بنگالی زبان میں ایک

ہفت روزہ جاری کیا جسے مورخین دیسی زبان کا ہمارا پہلا اخبار قرار دیتے ہیں۔ اس اخبار کے بارے میں جو مختصر معلومات ملتی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ اس کی عمر صرف ایک سال رہی اور اس میں بنگلہ کے علاوہ فارسی اور انگریزی کے اشتہار بھی چھپتے تھے۔[۵۴]

گویا فارسی کے قارئین یا دوسرے الفاظ میں اردو سماج کا نہ صرف اوّلین انگریزی بلکہ اوّلین بنگلہ اخبار کے ناشروں کو بھی خیال تھا۔

نئے متوسط طبقے کی رہبری نئے بنگالی دانشور کر رہے تھے اور ان میں رام موہن رائے (۱۷۷۴ء-۱۸۳۳ء) کا نام سرفہرست تھا۔ وہ سنسکرت، فارسی اور عربی کے عالم اور ملک کے مشترکہ کلچر کا ایک درخشاں کردار تھے۔ سماج کی اصلاح اور تعمیر نو ان کے اولین مقاصد تھے۔ ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انھوں نے پہلے اُت می یا سبھا اور برہمو سماج کے نام سے دو انجمنیں قائم کیں، جو اس دور میں اپنی نوعیت کے اولین ادارے تھے۔ ان میں سے موخرالذکر کی شہرت اور افادیت تو دور دور تک پھیل گئی۔

راجا رام موہن رائے نے وقت کی نبض کو پہچانتے ہوئے نہ صرف نجی کوششوں سے خود انگریزی سیکھی، بلکہ اس کے فروغ کے لیے اپنے خرچ پر ایک اسکول بھی قائم کیا۔[۵۵]

وہ نئے خیالات اور نئے علوم کو فروغ دینے کے حامی تھے۔ انھیں اوصاف کی بدولت وہ ہندستانی اخبار نویسی کے معمار اوّل ہو گئے۔ انھوں نے اس وقت کی مروج زبانوں میں خود اور اپنے رفقا سے مل کر کئی اخبار جاری کیے۔ ان میں سنباد کومدی (بنگلہ) مرآۃ الاخبار (فارسی) اور برہمنی کل میگزین (انگریزی اور بنگلہ) شامل تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی دیسی اور انگریزی اخباروں سے ان کا تعلق رہا۔ انھوں نے اپنے اخباروں کے ذریعے سے ستی کی رسم کے خلاف زبردست تحریک چلائی جس کے زیر اثر ۱۸۲۸ء میں ستی کے انسداد کے لیے ایک قانون نافذ ہوا۔

حواشی

[۱] ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "صحافت، پاکستان و ہند میں" (مکتبہ کاروان۔ لاہور) ص ۲۰ اور امداد صابری "تاریخ صحافتِ اردو"۔ جلد اوّل ص ۹۶

[۲] HOME PUBLIC DEPARTMENT CONSULTATION DATED 8 MAY, 1823. NO.50

[۳] THE ORDINANCES OF MANU, TRANSLATED BY ARTHUR COKER BURNILL P.162

[۴] ڈاکٹر عبدالسلام خورشید متذکرہ - ص ۲

[۵] ایضاً - ص ۵

[۶] ایضاً - ص ۸

[۷] محمد عتیق صدیقی - متذکرہ ص ۲۶

[۸] JADU NATH SARKAR: "MUGHAL ADMINISTRATION". P.49

[۹] بحوالہ R.R.BHATNAGAR: "THE RISE & GROWTH OF HINDI JOURNALISM," (KITAB MAHAL, ALLAHABAD, 1948) P.6

[۱۰] JADU NATH SARKAR, IBID P.216

[۱۱] DR. YUSUF HUSSAIN: "SELECTED WAQAI OF THE DECCAN (1600-1671)" CENTRAL RECORDS OFFICE, HYDERABAD GOVERNMENT, 1953) INTRODUCTION P.7

[۱۲] ایضاً - ص ۸

[۱۳] ایضاً - ص ۹

[۱۴] ماخوذ SUMIT MITRA: "BIRTH OF A CITY," WEEKLY SUNDAY, CALCUTTA, 16 OCTOBER, 1989

[۱۵] آر۔آر۔ بھٹناگر متذکرہ ص

[۱۶] P.SARAN, ED. PERSIAN DOCUMENTS (PART ONE: TEXT), (ASIA PUBLISHING HOUSE, BOMBAY, 1966)

[۱۷] جادو ناتھ سرکار - متذکرہ - ص ۶۱

[۱۸] پی - سرن متذکرہ - اخبار نمبر ۱۵۵ - ص ۳۴۹ - ۳۵۰

[۱۹] ایضاً - نمبر ۵ - ص ۹۳ تا ۹۴

۲۰؎ پی۔سرن متذکرہ۔اخبار نمبر ۱۵۔ص ۹۵

۲۱؎ ایضاً۔ نمبر ۱۵۷۔ص ۳۵۳-۳۵۴

۲۲؎ جادو ناتھ سرکار متذکرہ سے ماخوذ۔ص ۲۱۷

۲۳؎ DURANT WILL: "THE STORY OF CIVILIZATION." VOL.I (SOMON & SCHUSTER, NEW YORK 1954) P.468

۲۴؎ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید متذکرہ ص ۴

۲۵؎ خافی خاں۔منتخب اللباب۔جلد دوم۔ص ۲۸۶
بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۲۷

۲۶؎ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۳۱

۲۷؎ ایضاً۔ص ۳۳

۲۸؎ ایضاً۔ص ۳۳

۲۹؎ آر۔آر۔بھٹناگر متذکرہ ص ۴۸۲

۳۰؎ ایضاً۔ص ۵

۳۱؎ MARGARITA BARNS: "THE INDIAN PRESS," (GEORGE ALLEN & UNWIN LTD., LONDON, 1940) P.25

۳۲؎ DR.B.M.SHANKHDHAR: "A DEFIANT VOICE," MONTHLY INDRAYS, CALCUTTA, NOV. 1981

۳۳؎ SHRABANI BASU: "300 YEARS AGO," WEEKLY SUNDAY, CALCUTTA, I SEPT. 1990 P.49

THE ARTICLE REFERRED TO THE ORIGINAL LETTER PATENT DT.20 SEPT. 1727 EXHIBITED IN THE BRITISH LIBRARY, LONDON'S EXHIBITION AT CALCUTTA IN AUGUST 1990 ENTITLED "CALCUTTA,CITY OF PALACES"

۳۴؎ JOHN WILLIAM KAYE: LIFE & CORRESPONDENCE OF CHARLES LORD METCALFE. VOL.II P.248

۳۵؎ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۴۸۱

۳۶؎ بحوالہ ایضاً۔ص ۴۸ HICKY'S GAZETTE NO.43, NOV.18, 1780

۳۷؎ بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۵۴ HALL WORD: "WILLIAM BOLTS." P. 88

۳۸؎ BUSTEED: "EARLY ECHOES FROM CALCUTTA." P.161
بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۵۵

۳۹؎ CAREY: "GOOD OLD DAYS OF HONOURABLE JOHN COMPANY."
VOL.I, P.314 بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۶۵ - ۶۴

۴۰؎ وارشنے "فورٹ ولیم کالج" ص ۲۱ بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۴۴

۴۱؎ YUSUF ALI: "CULTURAL HISTORY OF INDIA, BRITISH PERIOD",
P.89 بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۷۵ تا ۷۷

۴۲؎ مارگریٹا بارنز متذکرہ ص ۶۰

۴۳؎ DR.B.M.SHANKH DHAR: "PRESS, POLITICS & PUBLIC OPINION IN INDIA." P P. 33–35

۴۴؎ مارگریٹا بارنز متذکرہ ص ۶۴

۴۵؎ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۹۰

۴۶؎ یوسف علی متذکرہ ص ۳۸ بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۸۰

۴۷؎ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا۔ لائبریری۔ نئی دہلی

۴۸؎ محمد عتیق صدیقی متذکرہ ص ۱۰۵

۴۹؎ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید متذکرہ ص ۱۱

۵۰؎ DR.N.K.NINHA IN HIS PREFACE TO"THE DAYS OF JOHN COMPANY"
ED.A.C.DASGUPTA P.3

۵۱؎ JAMES LONG: "CALCUTTA IN THE OLDEN TIMES."
SANSKRIT PUSTAK BHANDAR 1947 P.58

۵۲؎ محمد عتیق صدیقی متذکرہ۔ص ۱۱۶

۵۳؎ FRIEND OF INDIA,(QUARTERLY) NO.1, SEPT.1820, P.134-35
بحوالہ محمد عتیق صدیقی متذکرہ۔ص ۱۱۳

۵۴؎ محمد عتیق صدیقی متذکرہ۔ص ۱۱۳

۵۵؎ ایضاً۔ص ۱۳۴

تیسرا باب

ہری ہردت اور سدا سکھ لعل

جب کوئی نیا اخبار جاری ہوتا ہے تو عام طور پر اس کے ارد گرد کے لوگوں کو اس کے بانی یا بانیوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا۔ کم از کم اس کے ہمعصروں کے پاس اس کے کچھ واضح کوائف ضرور ہوتے ہیں۔ ایک ہی پیشے کے لوگ آپس میں کچھ بے تکلف بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشتاق بھی۔

اس کے برخلاف "جام جہاں نما" کا معاملہ مختلف نظر آتا ہے۔ اس کے اجرا کے فوراً بعد "کلکتہ منتھلی جرنل" نے مقامی واقعات کی لمبی ماہانہ ڈائری کے کالم میں اپنے ہمعصر "جان بل" کے حوالے سے لکھا:

> اس وقت کلکتہ سے دیسی عالموں کی نگرانی میں دو بنگلہ اخبار جاری ہیں۔ ("سنباد کومدی" اور "سماچار چندریکا")۔ ہمارے علم کے مطابق ایک پکا "وہگ" ہے اور دوسرا "ٹوریوں" سے زیادہ قدامت پسند۔ آج صبح ایک نیا اخبار ہندستانی زبان میں جاری ہوا ہے۔ لیکن اس کا رشتہ کس سے ہے؟ یا اُسے کس نے جاری کیا ہے؟ اس کے بارے میں ہمیں کوئی بھی کچھ بتا نہیں سکتا۔ نہ اس کا کوئی پراسپیکٹس ہے۔ نہ اس پر چھاپنے والے کا نام درج ہے۔ یہ اخبار کوارٹر سائز کے تین اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا نام "جام جہاں نما" ہے۔ اس کا پہلا شمارہ بدھ کے دن ۲۷ مارچ (۱۸۲۲ء) کو شائع ہوا[1]

اس تبصرے میں اجرا کی تاریخ بڑے پختہ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اخبار کے حقیقی مطبوعہ اندراج سے لی گئی ہے لہٰذا حتمی ہے۔ البتہ اخبار کے مالک اور ناشر کے بارے میں معلومات کے فقدان کا کھلا اعلان کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ۱۸۲۲ء میں نئے اخباروں کے لئے اپنے پرنٹر اور پبلشر کے نام شائع کرنا کوئی لازمی قاعدہ نہ ہو۔ لیکن اردو صحافت کے محققوں اور مورخوں کے لیئے یہ ابتدائی رازداری، جس پر ہم ذرا بعد میں مزید بات کریں گے، "جام جہاں نما" کا امتیاز بن گئی۔

آج اس اسراریت کو اخبار کے اولین شماروں کی نایابی نے مزید گہرا کر دیا ہے۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی میں اس کے پہلے قریباً ڈھائی برس کا ریکارڈ میسر نہیں ہے۔ انڈیا آفس لائبریری، لندن کے پاس بھی اس کے پہلے دس سال کا ریکارڈ نہیں ہے[۲۵]۔ کلکتہ میں نیشنل لائبریری اور مغربی بنگال کے ریاستی آرکائیوز نے راقم الحروف کو اطلاع دی کہ وہاں بھی اس کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے[۲۶]۔

اور اب آج حالت یہ ہے کہ اردو صحافت کے کسی مورخ کی کتاب سے ہمیں "جام جہاں نما" کے، جو ساٹھ سال سے زیادہ عرصے تک جاری رہا، بانیوں کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ ان میں اخبار کا مالک ہری ہر دت اور اڈیٹر سداسکھ لعل شامل ہیں۔ صرف اردو ہی نہیں بلکہ انگریزی اور ہندی کے محقق بھی جنھوں نے "جام جہاں نما" کا کچھ ذکر کیا ہے، اس بارے میں خاموش ہیں۔

راقم الحروف نے ان کے سوانح کے لیے اردو کے کئی پروفیسروں اور مدیروں سے استفسار کیا۔ کئی اردو اخباروں میں اشتہار شائع کروایا۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کا ریکارڈ دیکھا۔ انڈیا آفس لائبریری لندن۔ نیشنل لائبریری کلکتہ اور مغربی بنگال کے ریاستی آرکائیوز کے دفتروں کو خطوط لکھے لیکن کہیں سے بھی یہ سوانح حاصل نہ ہو سکے۔ لہٰذا ہم نے اخبار کے دستیاب ریکارڈ اور دیگر مواد کے بین السطور سے ان حضرات کی شخصیت اور کارکردگی کا کچھ مواد جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ شواہد سے پتا چلتا ہے کہ ان دونوں اصحاب نے لمبی عمریں پائیں جن کا بیشتر حصہ صحافت اور فارسی و اردو زبانوں کی آبیاری میں صرف ہوا۔

"جام جہاں نما" کی متذکرہ اسراریت کی وجہ سے مختلف مورخوں نے اس کی ملکیت کے بارے میں مختلف نظریے پیش کیے ہیں۔ محمد عتیق صدیقی نے لکھا ہے:

"جامِ جہاں نما" کے اجرا کی درخواست ہری ہردت نے ۱۸ر مارچ ۱۸۲۲ء کو دی تھی۔ اس کے اڈیٹر منشی سدا سکھ تھے۔ لیکن ان دونوں کا تعلق "جامِ جہاں نما" سے مالکانہ نہیں بلکہ ملازمانہ تھا۔ اخبار کی مالک کلکتہ کی ایک انگریزی تجارتی کوٹھی ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی تھی۔

اس بیان میں ایک جھول ہے۔ اس میں یہ تو تسلیم کیا گیا ہے کہ جامِ جہاں نما کے اجرا کی درخواست ہری ہردت نے دی لیکن ساتھ ہی یہ تاثر دیا گیا ہے کہ انھوں نے یہ درخواست اخبار کے حقیقی مالک نہیں بلکہ بینامی کردار کی حیثیت سے دی۔ حقیقی مالک ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی تھی جس کے وہ دونوں ملازم تھے۔

ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی کے سر جامِ جہاں نما کی ملکیت کا سہرا باندھنے کا تصور غالباً حکومت کے اس زمانے کے چیف سکریٹری ڈبلیو۔ بی۔ بیلی کے ۱۸۲۲ء کے ایک نوٹ سے پیدا ہوا ہے، جو انھوں نے اپنے گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز کو پیش کیا تھا۔ اس میں انھوں نے کوئی تفصیل دیے بغیر کہا تھا:

سمجھا جاتا ہے کہ "جامِ جہاں نما" کلکتہ کی ایک انگریزی تجارتی فرم کی جائداد ہے اور اصلاً وہی اسے چلا رہی ہے۔ اس کا پہلا شمارہ گذشتہ ۲۸ر مارچ کو جاری ہوا جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ اس کی اشاعت ہفتہ وار اور چندہ دو روپے ماہانہ ہوگا۔

اس نوٹ میں ملکیت کا ذکر ایک قیاس پر مبنی ہے اور پھر متعلقہ تجارتی فرم کا نام بھی نہیں دیا گیا ہے۔ اس سے ایک بار پھر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۲۲ء میں نئے اخباروں کے لیے اپنی ملکیت کے کوائف شائع کرنا لازمی قاعدہ نہیں تھا۔ پھر اس نوٹ میں اخبار کے اجرا کی تاریخ ۲۸ر مارچ دی گئی ہے جو اخبار کے اپنے حقائق ہی سے میل نہیں کھاتی۔ یہ اخبار ہر چہار شنبے کو شائع ہوتا تھا اور اس امر کا اعلان یہ اپنی پیشانی پر ہر ہفتے شمارے کی تاریخ کے ساتھ ہی "چہار شنبہ" کے الفاظ سے کرتا تھا۔ اب چیف سکریٹری نے ۲۸ر مارچ کی جو تاریخ لکھی ہے وہ تقویم کے مطابق پنج شنبہ نکلتی ہے۔ چہار شنبہ ۲۷ر مارچ کو تھا۔ اس طرح جیسا کہ پہلے شمارے کی اطلاع کے بارے میں اوپر بھی کہا گیا ہے، ۲۷ر مارچ کی تاریخ ہی صحیح ثابت ہوتی ہے۔

چیف سکریٹری کے اس نوٹ پر جو اپنے دیگر مندرجات کی وجہ سے بہت اہم ہے آیندہ صفحات میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

ملکیت کے بارے میں ایک اور نظریہ انگریزی زبان کے ایک محقق ایس سی سانیال نے پیش کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ "جام جہاں نما" کی مالک کلکتہ کی "الیگزنڈر اینڈ کمپنی" نام کی ایک یوروپی تجارتی فرم تھی۔

ان دونوں تجارتی فرموں کے نام اس دور کی ایک ڈائرکٹری میں ملتے ہیں جس کا نام ہے:

THE CALCUTTA ANNUAL DIRECTORY & FIRST QUARTERLY REGISTER

اس ڈائرکٹری کے مندرجات میں ولیم ہاپکنس پیرس ہی کے نام کے ساتھ ان کا پیشہ "پرنٹر" درج کیا گیا۔ اس کے برعکس میسرز الیگزنڈر اینڈ کمپنی کے ساتھ صرف "تاجروں، ایجنٹوں اور ساہوکاروں کی فرم" کے الفاظ ملتے ہیں۔

ملکیت کے بارے میں مذکورہ نظریات کی "جام جہاں نما" پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرکاری ریکارڈ سے بھی تصدیق نہیں ہوتی۔

بہرکیف اس موضوع پر آیندہ صفحات میں تفصیلی بحث کی گئی ہے یہاں ہم نہایت قریب کے حقائق لیتے ہیں۔

اخبار کے اجرا کے تقریباً ایک سال بعد جب گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز رخصت ہوئے تو ان کی جگہ کونسل کا سینئر ممبر جان ایڈم قائم مقام گورنر جنرل مقرر ہوا۔ انھوں نے چارج لیتے ہی ۴ اپریل ۱۸۲۳ء کو ایسے احکام جاری کیے، جن کی رو سے اخباروں اور چھاپہ خانوں کے لیے حکومت سے باضابطہ لائسنس لینا اور اس کے لیے اپنے پرنٹر اور اڈیٹر کے حلف نامے داخل کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ یہ اپنی قسم کا اولین ریگولیشن تھا۔ چنانچہ تمام پرانے اخباروں اور چھاپہ خانوں کو بھی باضابطہ لائسنس حاصل کرنے کے لیے درخواستیں اور حلف نامے دینا پڑے۔

اس حکم کی پیروی میں جام جہاں نما کی طرف سے ہری ہر دت نے ۱۹ اپریل ۱۸۲۳ء کو چیف سکریٹری کو ایک درخواست دی۔ اس درخواست میں ہری ہر دت اور ولیم ہاپکنس پیرس اور سدا سکھ لعل کے بارے میں پختہ معلومات موجود ہیں۔ یہ ہمارے موضوع سے متعلق

ایک بہت اہم دستاویز ہے لہٰذا اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

بنام

ڈبلیو۔ بی بیلی ایسکوائر

چیف سکریٹری گورنمنٹ

جناب والا

اخباروں کی آیندہ رہنمائی کے لیے حال ہی میں جو ریگولیشنز نافذ کیے گئے ہیں، ان کے حوالے سے میں مطلوبہ حلف نامہ اور یہ باضابطہ بیان پیش کرنے کا اعزاز حاصل کرتا ہوں اور نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے مطلوبہ لائسنس کے اجرا کی منظوری عطا فرمائیں تاکہ میں فارسی اور ہندستانی کا اخبار جس کا نام "جام جہاں نما" ہے (جس کا میں واحد مالک ہوں) جاری رکھ سکوں۔ ۵۸

کلکتہ کولوٹولہ

آپ کا وفادار اور حقیر خادم

۱۹ر اپریل ۱۸۲۳ء دستخط (ہری ہردت)

اس درخواست کے ساتھ ہری ہردت نے اپنے اخبار کے پرنٹر ولیم ہاپکنس پیئرس کا حلف نامہ بھی داخل کیا جو علانیہ اس کی اپنی مسل ہی کا ایک جز تھا۔ اس حلف نامے میں ولیم ہاپکنس پیئرس نے کہا کہ وہ:

> جام جہاں نما کا پرنٹر ہے اور پرنٹر رہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص یا اشخاص اخبار ہذا کی طباعت کے لیے نہ تو ملازم ہے نہ اس سے وابستہ اور نہ کسی کو اس کام کے لیے ملازم رکھنے یا وابستہ کرنے کا ارادہ ہے۔ یہ کام صرف ولیم ہاپکنس پیئرس کے ذمہ ہے اور یہ حلفیہ بیان دینے والا گواہ مزید بیان کرتا ہے کہ کلکتہ کے (علاقہ) مرزا پور کا ساکن لالہ سدا سکھ جو ایک منشی ہے اب اخبار ہذا کا اڈیٹر ہے اور اسے اڈیٹر ہی رکھے جانے کا ارادہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص یا اشخاص اخبار ہذا کی ادارت کے لیے نہ تو ملازم ہے نہ اس سے وابستہ ہے اور نہ ہی کسی اور کو اس کام کے لیے ملازم رکھنے یا وابستہ کرنے کا ارادہ ہے۔ یہ کام صرف متذکرہ لالہ سدا سکھ کے ذمہ ہے۔
> یہ حلفیہ بیان دینے والا مزید بیان کرتا ہے کہ فورٹ ولیم کے جنرل ٹریژری (خزانہ)

کے دفتر میں محرر (رائٹر) ہری ہر دت اخبار ہذا کا واحد مالک اور ناشر ہے اور کسی بھی دوسرے شخص یا اشخاص کا اس اخبار سے کوئی منفعت بخش تعلق نہیں ہے۔

یہ حلفیہ بیان دینے والا آخر میں بیان کرتا ہے کہ مذکورہ جریدے کا نام اب جام جہاں نما ہے اور اس کے لیے یہی نام رکھنے کا ارادہ ہے۔ مزید مذکورہ اخبار اب کلکتہ کی بستیوں میں واقع سرکلر روڈ کے مکان نمبر ۱ میں طبع ہوگا اور اسے یہیں سے طبع کرتے رہنے کا ارادہ ہے اور یہ اخبار کلکتہ میں کولوٹولہ کے مکان نمبر ۲ سے شائع ہوتا ہے اور وہیں سے شائع کرتے رہنے کا ارادہ ہے۔[۵۰]

دستخط (ولیم ہاپکنس پیئرس)

اس حلف نامے کا متن اظہر من الشمس ہے۔ اس سے جام جہاں نما کے بنیادی کوائف مسلّم ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ہری ہر دت کو اخبار کا مالک اور ناشر، سدا سکھ لعل کو اس کا اڈیٹر اور ولیم ہاپکنس پیئرس کمپنی کو اس کا طابع یا پرنٹر تسلیم کرنے کی حقیقت واضح طور پر مستند ہو جاتی ہے۔

مزید یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ حلف نامہ ولیم ہاپکنس پیئرس نے ایک "گواہ" کی حیثیت سے داخل کیا۔

ان دستاویزوں کی بنا پر چیف سکریٹری کے دستخط سے ۱۹ اپریل ۱۸۲۳ء ہی کو ہری ہر دت کو حسب درخواست فارسی اور ہندستانی زبانوں میں جام جہاں نما کے نام سے ایک پیراڈیکل (میقاتی جریدہ) شائع کرنے کا سرکاری لائسنس عطا کیا گیا۔ اس لائسنس کے ساتھ ہی جام جہاں نما کی طباعت کے لیے ولیم ہاپکنس پیئرس اور اس کی ادارت کے لیے لالہ سدا سکھ کے حق میں ایک الگ سے لائسنس کا غذ تھا جو ہری ہر دت ہی کے سپرد کیا گیا۔[۵۱]

یہ دستاویزیں "جام جہاں نما" کے اجرا کے ایک سال بعد کی ہیں لیکن ان میں اخبار کے ان کوائف کا اعادہ نظر آتا ہے جو اس نے اپنی پہلی درخواست میں پیش کیے ہوں گے۔

اس پہلو پر نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (نئی دہلی) کے "ریکارڈ کے گائیڈ" میں بھی ایک اطلاع ملتی ہے جو اس طرح ہے:

جام جہاں نما کی اشاعت کے لائسنس کے لیے ہری ہر دت نے ایک درخواست داخل کی۔ (اس میں بتایا گیا کہ) لالہ سدا سکھ اخبار کا اڈیٹر تھا اور ولیم ہاپکنس پیئرس

اس کا پرنٹر تھا۔ ہری ہر دت، جو اخبار کا مالک تھا، کلکتہ کی ایک تجارتی فرم سے وابستہ تھا۔ درخواست میں (مزید) بتایا گیا کہ اخبار کی غرض و غایت یہ ہے کہ انگریزی اخباروں وغیرہ سے خبریں اور مضامین شائع کیے جائیں اور کمپنی کے علاقے کے اندر یا باہر کے ہندستان کے تمام بڑے شہروں کے واقعات کے بارے میں خبریں حاصل کی جائیں اور ان کی اشاعت کی جائے۔[۱۱]

اس اطلاع میں درخواست داخل کرنے کی تاریخ بیان نہیں کی گئی ہے۔ لیکن یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ اخبار کا مالک ہری ہر دت درخواست داخل کرنے کے وقت کلکتے کی ایک تجارتی فرم سے وابستہ تھا۔ ممکن ہے یہ فرم ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی ہی ہو۔

اس ضمن میں ہمیں ایک اقتباس اور ملتا ہے جو اخبار کی پہلی درخواست کے بعد ملنے والے اس کے اوّلین لائسنس کی عبارت سے لیا گیا ہے۔ یہ حسب ذیل ہے:

> ہری ہر دت نے فارسی اور ہندستانی میں ولیم ہاپکنس پیئرس (پرنٹر) کے چارج میں اپنا اخبار جاری کرنے کے لیے لائسنس حاصل کرنے کی جو درخواست دی تھی، اس کے جواب میں گورنر جنرل نے انھیں اجازت دی ہے کہ وہ (اپنا) "جام جہاں نما" طبع اور شائع کریں۔[۱۲]

اس اقتباس سے بھی یہ قیاس پختہ ہو جاتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں آنے سے قبل ہری ہر دت طباعتی کام کرنے والی ایک تجارتی کوٹھی ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی سے وابستہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس امر کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ جام جہاں نما کے اجرا کے روز اوّل ہی سے ہری ہر دت اس کے مالک تھے۔ پھر اس کی تصدیق ان کی بعد کی ۱۹ اپریل ۱۸۲۲ء کی تجدید کی درخواست سے بھی ہو جاتی ہے جس میں انھوں نے بڑے واضح اور حتمی طور پر اپنی ملکیت کا اعلان کیا ہے۔

گو اردو صحافت کی تاریخوں میں ہری ہر دت پر زیادہ اطلاعات میسر نہیں ہیں، لیکن چونکہ انھوں نے رام موہن رائے کی رہبری میں اپنی صحافتی زندگی کی ابتدا بنگلہ صحافت سے کی تھی، اس لیے ان کے بارے میں کچھ متفرق معلومات بنگالی مورخوں کے ہاں مل جاتی ہیں۔

ان سے پتا چلتا ہے کہ اردو صحافت کا یہ بانی محض سرکاری دفتر میں ایک محرر ہی نہیں تھا،

بلکہ تجارت اور علم کے میدانوں میں قسمت آزمانے والا ایک من چلا بھی تھا۔ وہ بنگال کے باثروت طبقے کے ایک دت خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے دادا رام نیدھی دت تقریباً پچاس سال تک کسٹم ہاؤس کے دیوان رہے۔ انھوں نے اپنے ترکے میں خاصی دولت چھوڑی۔

> ہری ہردت کے والد تارا چند دت بھی سر چارلس ڈائل کے تحت کسٹم ہاؤس کے دیوان رہے۔ وہ بنگلہ سماج کے ایک متمول اور معزز رکن تھے۔ ان کے نام پر کلکتہ کے کولوٹولہ علاقے میں، جہاں اس خاندان کی رہایش تھی اور جہاں کے مکان نمبر ۲ سے جام جہاں نما شائع ہوتا تھا، ایک گزرگاہ کا نام تارا چند اسٹریٹ رکھا گیا، جو عوام میں آج بھی رائج ہے[۱۳]

یہ اطلاع بھی کہ تارا چند دت ہری ہردت کے والد تھے بنگالی مآخذ ہی سے ملتی ہے۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ کے مذکورہ بالا مضمون کے علاوہ بنگلہ زبان کے نامور محقق اور ادیب برجندر ناتھ بندو پادھیایے کی بنگلہ کتاب "تاریخ بنگلہ صحافت۔ ۱۸۱۸ء تا ۱۸۶۸ء" میں بھی بتایا گیا ہے کہ ہری ہردت ہفت روزہ "سنباد کومدی" کے بانی دیوان تارا چند کے لائق بیٹے تھے اور بنگلہ کے علاوہ فارسی اور انگریزی میں بھی خاصی شُدبُد رکھتے تھے[۱۴]

۴ دسمبر ۱۸۲۱ء کو جب ان کے والد نے رام موہن رائے کی (جن سے دت خاندان کے خوشگوار تعلقات تھے) رہبرانہ معاونت سے "سنباد کومدی" (خبروں کا ماہ تاب) کے نام سے ایک بنگلہ ہفت روزہ جاری کیا تو یہ اخبار ہری ہردت کے شوقِ صحافت کے لیے پہلا زینہ ثابت ہوا۔ اس اخبار کے شعبۂ تحریر میں ایک اور فرد بھوانی چرن بندو پادھیائے بھی شامل ہوئے لیکن وہ اپنے قدامت پسند خیالات کی وجہ سے اصلاح پسند رام موہن رائے کے ساتھ نہ چل سکے جو ہندو سماج کی ستی کی پرانی رسم کو ختم کرنا چاہتے تھے اور برہمو سماج کے نام سے ایک نئے ہندو سماج کے بانی تھے۔ بس یہ بھوانی چرن جلد ہی اس اخبار سے علاحدہ ہو گئے۔ اس کے جلد بعد ہی انھوں نے "سماچار چندریکا" (خبروں کا ماہ تاب) کے نام سے بنگلہ میں اپنا ہفت روزہ جاری کیا[۱۵] اس وقت ان کی عمر تقریباً ۲۵ سال کی تھی[۱۶]

دیوان تارا چند نے جلد ہی اپنے بیٹے ہری ہردت کو سنباد کومدی کے مالکانہ

حقوق دے دیے لیکن اخبار کی مالی حالت بسرعت خراب سے خراب تر ہوتی جارہی تھی جس سے ہری ہر دت اس سے ناامید ہو گئے اور اسے سنتے ہاتھوں میں دے دینے کی سوچنے لگے۔ اسی زمانے میں انھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک دفتر میں ملازمت بھی مل گئی، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے ریکارڈ کے "گائیڈ" میں کہا گیا ہے کہ جام جہاں نما کے لائسنس کی پہلی درخواست کے وقت ہری ہر دت کلکتہ کی ایک تجارتی فرم سے وابستہ تھا۔ عین ممکن ہے کہ یہ فرم ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی ہی ہو۔ بہر حال ان کے دل میں اپنا اخبار نکالنے کی آرزو تڑپتی رہی۔ اس وقت وہاں ایک عوامی زبان بنگلہ کے اخبار تو موجود تھے لیکن دوسری عوامی زبان اردو کا کوئی اخبار نہیں تھا۔ چنانچہ اولوالعزم ہری ہر دت نے اردو زبان میں جسے اس زمانے میں ہندستانی کہا جاتا تھا۔ اخبار نکالنے کی درخواست دے دی۔ یہ زبان ایک تو عوام میں بہت مروّج تھی اور دوسرے فرنگی حلقوں میں، جو اقتدار حاصل کرنے کے فوراً بعد عوام کی زبان سیکھنے کے بڑے آرزومند تھے، اس کے تعلق سے بڑی دلچسپی تھی۔

عالی خاندان اور اُمنگ پسند ہری ہر دت کے لیے یہ ایک بڑا نفسیاتی وقت تھا۔ ایک طرف سنباد کومدی کی مالیاتی پریشانی اور دوسری طرف بھوانی چرن بندوپادھیائے کا، جو کل تک ان کا ایک نائب تھا، صاحبِ اخبار ہو جانا ان کے لیے ایک چیلنج تھا۔ بھوانی چرن بھی کلکتہ کے ایک رئیس تھے اور اپنی شخصیت کی ہوا باندھنے کے لیے کوشاں تھے۔ انھوں نے ۵ر مارچ ۱۸۲۲ء کو اپنا نیا اخبار سماچار چندریکا نکالنے کے ساتھ ہی کلکتہ جرنل میں ایک اشتہار چھپوایا جو اس کے ۱۵ر مارچ ۱۸۲۲ء کے شمارے میں چھپا۔ اس میں انھوں نے اپنا تعارف دیتے ہوئے یہ دعوا کیا کہ سنباد کومدی کے پہلے تیرہ شماروں کی ادارت انھوں نے کی تھی۔

ہری ہر دت نے فوراً بھوانی چرن کے اشتہار کا نوٹس لیا اور اس کے جواب میں کلکتہ جرنل کے اگلے ہی شمارے میں ایک دستخطی اشتہار شائع کرایا جس میں انھوں نے کہا:

> سنباد کومدی کے اڈیٹر نے ۱۵ر مارچ ۱۸۲۲ء کے کلکتہ جرنل میں کسی بھوانی چرن بینرجی کا ایک مراسلہ دیکھا ہے جس میں انھوں نے یہ دعوا کیا ہے کہ سنباد کومدی کے

پہلے تیرہ شماروں کی ادارت خود انھوں نے کی تھی۔ چنانچہ اڈیٹر سنباد کومدی اس کی یہ تردید کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ موصوف کا دعوا ایک ایسی فاسق اور بدباطن دروغ بیانی ہے جو غلیظ مقاصد کے لیے پیش کی گئی ہے۔ سنباد کومدی میں ان کی حیثیت اصلی اڈیٹر کے ایک نائب کی تھی۔ اور اخبار کے مالک نے ہم سے اس کا تعارف اسی حیثیت سے کروایا تھا۔ اخبار کی ملکیت میں اور کوئی شریک نہیں اور یہ اسی مالک کی واحد سرپرستی اور مدد سے قائم ہوا۔"[۱۱]

دستخط ہری ہردت

۲۱ مارچ ۱۸۲۲ء

ہری ہردت کے اس جواب کی زبان سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف معرکہ پسند تھے اور صحافت کے میدان میں مات کھانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

یہ جواب ۲۱ مارچ ۱۸۲۲ء کو شائع ہوا اور جام جہاں نما ۲۷ مارچ کو جاری ہوا۔ اس کے سرورق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا سرکاری نشان شائع کیا گیا۔

اس کے ساتھ ہی ہری ہردت سنباد کومدی کا انتظام کسی اور کو منتقل کرنے کی کوشش میں تھے۔ اس عمل میں لامحالہ کچھ وقت لگ گیا اور پھر (محلہ) شکاری ٹولہ کے ایک شخص گوبند چندر کونگار نے اس کی ذمہ داری سنبھالی۔ انھوں نے ۱۱ مئی ۱۸۲۲ء کے سنباد کومدی میں یہ اعلان کیا کہ اخبار کا انتظام ان کے ہاتھ میں آگیا ہے اور ہری ہردت اخبار سے الگ ہو گئے ہیں۔[۱۲]

ظاہر ہے کہ ان تمام حالات کا ہری ہردت کے دماغ پر کافی دباؤ رہا ہوگا اور عین ممکن ہے کہ اس دباؤ کے ایام میں اس کے دل میں پرنٹر ولیم ہاپکنس پیئرس سے مشاورت اور معاونت کی خواہش رہی ہوگی۔ اور پھر یہی دباؤ اس رازداری کا باعث بنا ہوگا جسے "جان بل" اور "کلکتہ منتھلی جرنل" نے مشتہر کیا اور کہا کہ وقت اجرا اس کے بانیوں کے نام کا انکشاف نہیں ہوا۔ سنباد کومدی کی مالیاتی پریشانی، بھوانی چرن سے نزاع، اور سرکاری محکمے میں نئی نئی ملازمت کی ذہنی مصروفیات کے گڈمڈ حالات میں اخبار کے ادارے نے اپنے کوائف کے اعلان کو پس پشت ڈال دیا اور جب لگلے سال حکومت کے نئے قواعد کے تحت اخبار کے لائسنس کی تجدید کا مرحلہ آیا تو اس کے بانی نے سارے

کوائف کھول دیے۔

لیکن اس کی ابتدائی خموشی نے اس کی ملکیت کے بارے میں مختلف نظریات اور غلط اندازے کرنے کا موقع ضرور فراہم کر دیا۔

اس طرح جام جہاں نما کا جنم غیر معمولی اور نفسیاتی حالات میں ہوا جس میں اس کے بانی نے پردۂ راز میں رہ کر اپنی صلاحیتوں کو داؤ پر لگا یا۔

ان کے والد تاراچند دت ان کی رہنمائی کرتے رہے اور جام جہاں نما کے تجارتی شعبے کا کام انھوں نے اپنے ہاتھ ہی میں رکھا۔ چنانچہ اس کے سرورق پر اخبار کے بارے میں جو اطلاع دی گئی اس میں کہا گیا۔

> یورپی اصحاب، خود اپنے پڑھنے کے لیے یا اپنے دفتر کے ہندستانی ملازمین میں علم کی اشاعت کرنے کی فیاضانہ خواہش کے تحت، اگر اس اخبار کو خریدنا چاہیں تو تاراچند دت (محلہ) کولوٹولہ سے درخواست کرنے پر یہ اخبار بعوض تین روپے ماہوار بشمول اردو ضمیمہ ان کی خدمت میں بھیجا جا سکتا ہے۔

جام جہاں نما

اردو زبان میں [illegible]

NOTICE.

The Editor of the Jami Jehan Numa begs leave respectfully to notify to the Public, that he has, with a view of rendering this publication more interesting, entertaining, and instructive to the European portion of its supporters, resolved to publish, in future, a Supplementary Sheet in the pure Hindoostanee or Oordoo Tongue, at the additional trifling charge of Four Annas the Number, or One Rupee per month, if taken together with the Two Persian sheets; but if taken separately, Two Rupees will be charged for it per mensem.

[illegible]

[illegible]

"بہ شکریہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا"

اس اخبار نے بڑی لمبی عمر پائی۔ اس دور کا ایک اور طویل العمر اخبار سیرام پور مشن کا بنگلہ اخبار "سماچار درپن" تھا، جو مئی ۱۸۱۸ء میں شروع ہوا اور اپریل ۱۸۵۲ء تک جاری رہا۔ اسے حکومت سے امداد ملتی تھی اور اس سے جام جہاں نما کی اشاعت پر مخالف اثر پڑتا تھا لیکن جام جہاں نما اس کے بند ہو جانے کے بعد بھی کئی سال تک چھپتا رہا اور اس کا نام اختر شاہنشاہی کی فہرست میں بھی ملتا ہے جو ۱۸۸۸ء میں سید محمد اشرف نے لکھنؤ سے شائع کی تھی۔

اس طویل عرصے میں اس اخبار نے اپنی حیات و ثبات کے لیے بڑی جدوجہد کی اور اس جدوجہد کے اہم مرحلوں میں ہمیں ہری ہردت کا نام نمایاں طور پر ملتا ہے۔

ہری ہردت اگرچہ ایک انگریز پسند خاندان کا چشم و چراغ تھا اور بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہونے کی وجہ سے حکومت کا وفادار بھی تھا، تاہم اخبار کی زندگی کے نشیب و فراز سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ طبعاً ذہنی آزادی اور علم دوستی کا حامی اور تمنائی تھا۔ اس نے اپنے اڈیٹر کو خبروں کی فراہمی اور اشاعت کی آزادی دے رکھی تھی جس سے اخبار کی حیثیت اور اہمیت میں زور پیدا ہوا۔

علم دوستی کی ذیل میں اس نے اس وقت اردو زبان کی طرف رجوع کیا جب یہ ابھی صحافت کے میدان میں اتری نہیں تھی۔ صرف بول چال میں مقبول تھی۔ یہ ہری ہردت

ہی کی نظر تھی جو سب سے پہلے مطبوعہ صحافت کی نئی صنف کے لیے اُردو زبان کو بروئے کار لائی لیکن یہ تجربہ فوراً کامیاب نہ ہوا۔ اخبار کے قارئین کی اکثریت ناخواندہ اور غریب تھی چنانچہ اس نے تقریباً دو ہی ماہ بعد اردو چھوڑ کر فارسی اپنائی جو اس وقت اشراف کی زبان تھی۔ لیکن اردو سے ہری ہردت کی لگن کم نہیں ہوئی۔ ایک سال بعد اس نے فارسی اخبار کے ساتھ اردو کا ایک آزاد ضمیمہ بھی شامل کر دیا جو پانچ سال تک شائع ہوتا رہا۔

تجربے کے عزم اور حوصلے کے ساتھ ساتھ موصوف مشاہدے اور احساس کی قوت سے بھی سرشار تھے۔ انھوں نے ڈاک محصول کے بارے میں' جو اس زمانے میں کسی اخبار کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا' انگریزی اور دیسی اخباروں میں فرق کرنے کی حکومت کی امتیازی پالیسی کے خلاف احتجاج کیا اور تمام اخباروں سے مساوی سلوک کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے حکومت کو جو عرضداشت بھیجی وہ ان کی صحافتی زندگی کا ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ رام موہن رائے نے اولین پریس آرڈی نینس کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے "مراۃ الاخبار" کو بند کر دینے کے مہذب احتجاج کی جو مثال پیش کی تھی ہری ہردت نے اسے بڑی عمدگی سے پختہ کیا۔ ان کا مراسلہ حکومت کی امتیازی پریس پالیسی کا ایک کڑا محاسبہ تھا۔ یہ نمائندگی نامہ اردو صحافت کی تاریخ کی اوّلین مجاہدانہ دستاویز ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے مؤرخوں نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔ اس مراسلے میں جو ۱۳/ اکتوبر ۱۸۲۶ء کو حکومت کے محکمۂ فارسی کے سکریٹری سائمن فریزر کو بھیجا گیا تھا' انھوں نے کہا:

> میں حکومت کی کریم النفسی اور خیر خواہی کا بے حد قائل ہوں۔ انھیں اوصاف سے کام لیتے ہوئے اس نے ہندستانیوں کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کے لیے پرشفقت اور قابلِ ستایش اقدام کیے ہیں۔ انھیں اقدام سے جسارت پاکر میں بڑے ادب سے یہ درخواست آپ کے مربیانہ غور و خوض کے لیے پیش کر رہا ہوں۔
>
> فارسی اور اردو کے اخبار کے جو جامِ جہاں نما کے نام سے چھپ رہا ہے' واحد مالک کی حیثیت سے میں بڑے ادب سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

میں اس کی اشاعت بڑھانے کے لیے انتہائی کوششیں کرتا رہا ہوں۔ لیکن ڈاک کی پوری شرح کی ادائی اس کی اشاعت کی توسیع میں حائل ہے۔ مضافات کے بہت سے لوگ جو اس کے خریدار بننا چاہتے ہیں ڈاک کے اسی گراں محصول سے بیدل ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں (سیرام پور مشنریوں کا) بنگلہ اخبار "سماچار درپن" اور فارسی جریدہ "اخبار سیرام پور" انگریزی اخباروں کی طرح اس محصول کا صرف چوتھا حصہ ادا کرتے ہیں۔ اسی ایک وجہ سے ان اخباروں کو ان کی موجودہ وسیع اشاعت حاصل ہو گئی ہے۔

میرا اخبار ان ہمعصروں سے کسی طور کمتر نہیں۔ بلکہ میں بڑے ادب سے بلا کسی مبالغے کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زبان، مواد اور کارکردگی کے لحاظ سے یہ ان سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس بات کا اطمینان حکومت خود ان کے اور میرے اخبار کے مقابلے سے کر سکتی ہے۔ اس مقصد کے لیے میں اپنے اخبار کا ایک شمارہ منسلک کر رہا ہوں۔

آپ خود مشرقی زبانوں کے نامور اسکالر اور صاحب رائے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ ان اخباروں کا معیاری جائزہ لینے کے بعد حکومت سے یہ سفارش کریں گے کہ ڈاک کی شرح کی ادائی کے معاملے میں میرے اخبار کو "سماچار درپن" اور اخبار "سیرام پور" کے برابر تسلیم کیا جائے۔"[۱۹]

اس مراسلے کے ذریعے ہری ہر دت نے اپنے اخبار کے معیار اور حقائق کے زور سے اپنی بات منوائی اور جام جہاں نما کے لیے بھی محصول ڈاک کے لیے وہی شرح حاصل کی جو "سماچار درپن" اور "سیرام پور اخبار" کو حاصل تھی گو بعد میں حکومت نے اپنی مالی دشواریوں کے عذر پر منظور شدہ رعایت منسوخ کر دی۔

بہر حال اپنی محنت اور مساعی سے ہری ہر دت اپنے اخبار کے اجرا کے تقریباً چھ سال بعد ایک چھاپے خانے کا مالک ہو گیا۔ یہ چھاپہ خانہ ان کے اپنے محلے کولوٹولہ ہی میں قائم ہوا جو اس زمانے میں کئی دیسی صحافیوں کا مرکز تھا۔ اولین ہندی اخبار "اودنت مارتنڈ" کے بانی جگل کشور شکل بھی وہیں رہتے تھے۔ آج کل اس محلے کا نام شوکت علی اسٹریٹ ہے۔

صاحب مطبع ہونے کے بعد ہری ہر دت کے انداز اور کردار میں مزید آزاوروی آگئی۔ ان کے اخبار کے سرورق سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرکاری نشان کی اشاعت بند کردی گئی۔

جام جہاں نما

[illegible] نمبر ۲۵ تاریخ ۳ ماه ستمبر سنه ۱۸۲۸ عیسوی روز چهارشنبه [illegible]

خبر گورنر جنرل بهادر

بر آئینهٔ [illegible] و [illegible] عالی خاندان و صفات [illegible] جناب عالی مقام [illegible] اختصار [illegible] قائم [illegible] می شود بزرگان نواب [illegible] [illegible] وطن مالک [illegible] [illegible] [illegible] از خاندان نواب صاحب [illegible] [illegible] وطن [illegible] [illegible] [illegible] آن وقت [illegible] انگلستان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تخت نشینی [illegible] [illegible] بزرگان نواب صاحب [illegible] [illegible] [illegible] عنایت [illegible] به اوج اعلی ترقی [illegible] [illegible] سنه ۱۷۷۲ عیسوی [illegible] باستعانت نواب صاحب [illegible]

لارڈ [illegible] گورنر جنرل بهادر [illegible] [illegible] سال [illegible] [illegible] [illegible] شاه [illegible] انگلستان [illegible] سپه سالار [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] در سال ۱۸۰۲ عیسوی [illegible] [illegible] [illegible] نواب [illegible] [illegible] [illegible]

غالباً اس زمانے میں اخبار کا اڈیٹر منشی سدا سکھ لعل اخبار سے علاحدہ ہو گیا اس کے بعد اخبار کی ادارت ہری ہر دت نے خود سنبھال لی۔

صاحبِ مطبع اور صاحب ادارت ہو جانے کے بعد ہری ہر دت کا اختیار اور قلم زیادہ پُراعتماد اور آزاد ہو گئے۔ اخبار کے پہلے ہی سال میں اس کی خبروں کی آزادی سے چیف سکریٹری کو اس سے خطرے کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اب اس میں کچھ ایسے مضمون بھی چھپنے لگے جن کی چبھن حکومت برداشت نہ کر سکی۔ چنانچہ اس کے ۱۷ر مارچ ۱۸۳۰ء کے شمارے میں ایک ایسا مضمون چھپا جس سے دہلی کے ریذیڈنٹ فرانسیس ہاکنز کو شکایت پیدا ہوئی اور انھوں نے اس کے خلاف دہلی کے مجسٹریٹ مسٹر ٹامس میٹکاف کی عدالت میں ایک عرضی داخل کی جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

> ہری ہر دت کو اُردو صحافت کی کسی تاریخ میں جام جہاں نما کا مدیر نہیں لکھا گیا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جام جہاں نما کو شہرت ان (ہی) کے دور میں حاصل ہوئی۔ اس اخبار کے اکثر مضامین کے ترجمے "کلکتہ جرنل" میں شائع ہوتے رہے۔ جب ہری ہر دت 'جام جہاں نما' کے مدیر تھے، اس کا تذکرہ اس دور کے اخبارات و رسائل میں جا بجا پایا جاتا ہے۔ مثلاً ۱۹ر دسمبر ۱۸۲۹ء کے (بنگلہ ہفتہ وار) بنگ دوت، ۲۶ر مارچ ۱۸۳۱ء کے (بنگلہ ہفتہ وار) سماچار درپن اور سلیکٹ کمیٹی ۱۸۳۲ء کی رپورٹ وغیرہ میں ۔[۱۲]

بنگلہ ماخذ کی یہ اطلاعات ہری ہر دت کی زندگی پر نئی روشنی ڈالتی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۲۸ء کے لگ بھگ ہری ہر دت ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت سے الگ ہو گئے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے اردو صحافت کی گم شدہ کڑیوں کو ڈھونڈنے کے لیے ان ماخذ پر ابھی تک کوئی جامع تحقیق نہیں ہوئی۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی ابتدائی تحقیق سے مزید پتا چلتا ہے کہ "ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت سے علاحدگی کے بعد ہری ہر دت کا تعلق پھر اس انگریزی تجارتی فرم سے ہوا جس کی طرف سے "جام جہاں نما" جاری ہوا تھا اور آخری دور میں وہ نجی تجارت کرنے لگے تھے اور جام جہاں نما بھی نکالتے تھے۔ ۱۸۲۹ء (حقیقتاً ۱۸۲۸ء) میں جب کہ 'جام جہاں نما' کا اپنا مطبع قائم ہوا تو انھوں نے کئی کتابیں بھی شائع کیں۔

"ہری ہردت کون سی تجارت کرتے تھے یہ معلوم نہ ہوسکا لیکن وہ مشہور تاجر تھے اور جہازوں سے ان کا مال آنا جاتا تھا کیونکہ ایک اخباری اطلاع کے مطابق ۲۲ر جون ۱۸۳۳ء کو کلکتہ ٹاؤن ہال میں تاجروں کا ایک جلسہ ہوا اور "بنگال اسٹیم فنڈ کمیٹی" کے نام سے جہاز والوں کی ایک کمیٹی قائم ہوئی۔ ہری ہردت کا نام اس جلسے کے سلسلے میں آتا ہے۔ وہاں انھوں نے ۲۵ روپے چندہ میں ادا کیے تھے۔ ہری ہردت کئی اہم سماجی اور سیاسی معاملات میں راجہ رام موہن رائے کے ہم خیال تھے اور راجہ رام موہن رائے سے ان کے تعلقات خوشگوار رہے۔ ستی کی رسم کو رد کرنے کے سلسلے میں انھوں نے بھی جدوجہد کی جب حکومت نے اس رسم کو خلاف قانون قرار دیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور اس خوشی میں آپ نے گورنر جنرل کو مبارک باد کا ایک خط تحریر کیا۔ پھر اس خط کو پہنچانے کے لیے ۱۶ر جنوری ۱۸۳۰ء کو ہری ہردت، رام رام موہن رائے اور کالی ناتھ رائے چودھری گورنر جنرل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ خط ۱۸ر جنوری ۱۸۳۰ء کے سرکاری گزٹ میں شائع ہوا تھا۔ ہری ہردت بنگلہ، اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی بھی جانتے تھے کیونکہ ۲۶ر مارچ ۱۸۳۱ء کو ایک خبر کے مطابق ستی کی رسم کو رد کرنے کے لیے گورنر جنرل کی خدمت میں جو درخواست پیش کی گئی اسے انگریزی میں ہری ہردت نے پڑھا اور بنگلہ میں منشی کالی ناتھ رائے چودھری نے۔"[۲۲]

سدا سکھ لعل

اپنے اخبار کی ادارت کے لیے ہری ہردت نے سدا سکھ لعل کا انتخاب کیا جو ایک ذہین اور علم پرور منشی تھے اور فرنگیوں کو اردو، فارسی پڑھانے کا کام بھی کرتے تھے۔[۲۳] موصوف کلکتہ کے علاقہ مرزا پور میں رہتے تھے جو ہری ہردت کے محلہ کولوٹولہ کے پڑوس ہی کا ایک محلہ تھا۔ یہ علاقہ اپنی علمی سرگرمیوں کے لیے مشہور تھا۔ اسی مرزا پور کے بارے میں دس نومبر ۱۷۸۵ء کے "کلکتہ گزٹ" میں ایک شخص جان اسٹین برو۔ (JOHN STANE-BRROW) نے ایک اشتہار چھپوایا جس میں "عوام کو یہ اطلاع" دی گئی کہ وہ نہایت معقول فیس پر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایک اسکول شروع کر رہے ہیں جہاں پڑھنے

لکھنے اور ریاضی کے اسباق دیے جائیں گے۔ لڑکیوں کو سلائی اور ڈوری فیتے کا کام سکھلایا جائے گا۔ ۱۲ آج بھی اس کے متوازی علاقے میں کلکتہ یونی ورسٹی اور کچھ کالج واقع ہیں۔ آج کل مرزا پور علاقے کا نام سوریہ سین اسٹریٹ ہے۔

ہری ہردت کی طرح ہمیں سداسکھ لعل کی پیدائش اور وفات کی تاریخیں بھی معلوم نہیں اور یہاں بھی ہم ان کے احوال دستیاب متفرق شواہد ہی سے مرتب کر رہے ہیں۔

سداسکھ لعل ایک معتزز قلم کار تھے اور اپنے مشاق قلم کی بدولت سرکاری حلقوں کے منظورِ نظر تھے۔ وہ اردو صحافت کے پہلے ممتاز کثیر لسانی مترجم اور مولف ہیں جو انگریزی، فارسی، عربی اور ہندی سے اخذو استفادہ کر سکتے تھے۔ اس زمانے میں مترجم منشیوں کی کثرت تھی اور فورٹ ولیم کالج کے اندر اور باہر ان کی آمدورفت کا زور و شور تھا لیکن سداسکھ لعل کی منشی گیری کا انداز مختلف اور منفرد تھا۔ وہ چند مسودوں کے ترجموں تک محدود نہیں تھے بلکہ انھوں نے عصرِ حاضر کے انگریزی اخباروں، رسالوں، کتابوں اور رپورٹوں کا مطالعہ کیا اور ان کے مندرجات سے مختلف موضوعات پر اپنا قلم رواں کیا۔ علم و دانش کی اس نشاۃ ثانیہ میں وہ دل و جان سے سرگرم اور پیش پیش تھے۔ اس عمل میں انھوں نے نسیم مغرب کا صدق و صفا سے لطف اُٹھایا کیونکہ اس وقت علم و دانش کی یہی نئی رو تھی۔ ان کے موضوعات میں صحافت کے علاوہ تاریخ، سائنس، اخلاق، قانون اور فنون ایسے کئی جدید عنوان شامل تھے۔ انھوں نے آگرہ اور الٰہ آباد سے متعدد اخبار جاری کرنے کے علاوہ اس دور کے طباعتی مرکز الٰہ آباد میں اپنا ایک مطبع بھی قائم کیا جس کا نام مطبع نورالابصار تھا۔ اس مطبع کی ایک شاخ آگرہ میں بھی تھی۔ انھوں نے تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں تحریر یا ترجمہ کیں لیکن ان کے نسخے یہاں میسّر نہیں آئے۔ یہ لندن میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری ہی سے مسلسل خط و کتابت کے بعد راقم الحروف نے وہ نقول حاصل کیں جن کے عکس اس باب میں پیش کیے گئے ہیں۔

جامِ جہاں نما کا اوّلین شمارہ جس میں اڈیٹر نے اس کے مقاصد یا لائحۂ عمل کی کچھ وضاحت کی ہوگی، کسی آرکائیو میں نہیں ملتا لیکن جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے ان مقاصد کی نشاندہی خود مالک اخبار ہری ہردت نے اس کے لائسنس کی درخواست ہی میں کر دی تھی۔ اس امر کی طرف اس زمانے کے حکومت کے چیف سکریٹری مسٹر بیلی کے ایک تبصرے میں بھی

اشارہ کیا گیا۔ لیکن اس تبصرے میں ایک اضافہ بھی ملتا ہے۔ یہ اضافہ مسٹر بیلی نے اخبار کے دوسرے شمارے سے لیا جس میں اڈیٹر نے کہا:

ہر شخص کو جس کے پاس اشاعت کے لیے کوئی خبر، منصوبہ یا حقائق پر مبنی امور کا کوئی مواد ہو، یہ دعوت ہے کہ وہ اسے اڈیٹر کو بھیجے جو اسے شائع کرے گا اور نامہ نگار کے نام کو حفاظت سے صیغۂ راز میں رکھے گا۔[۲۵]

اس اعلان سے ہمیں اڈیٹر کے شعورِ صحافت کا پختہ اور روشن ثبوت ملتا ہے۔ اس نے انگریزی اخباروں سے ترجموں ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اخبار کے تنوع اور حجم کی استواری کے لیے ایک صلائے عام دی اور ہر واقف کار کے لیے اپنے کالم کھول دیے تاکہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے اہم واقعات کو مشتہر کر سکیں۔ اس دور میں ایک نوزائیدہ دیسی اخبار کی طرف سے یہ حکمتِ عملی بڑی سوجھ بوجھ اور صحافت پروری کی روش تھی۔ بلا شبہ اخبار میں اس کی اعلانیہ غرض و غایت کے مطابق انگریزی اخباروں سے ترجمے کو سرِ فہرست رکھا گیا لیکن یہ اس دور کا قدرتی لازمہ تھا۔ دیسی اخباروں کے پاس فارسی میں کام کرنے والے وقائع نویسوں کے علاوہ، جو زیادہ تر شمالی ہند اور جنوبی ہند کے دور دراز مقامات میں مقیم تھے، خبروں کی فراہمی کا اور کوئی باقاعدہ اور قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں تھا اور فارسی کے وقائع بھی ترجمے ہی کے شعبے میں اضافہ کرتے تھے۔ پھر ان وقائع کی ترسیل کے لیے جو نظام اس زمانے میں مہیا تھا وہ بہت تاخیر طلب تھا۔

اس کے باوجود اڈیٹر نے اردو حصے کے مشمولات کو اخبار کے فارسی حصے سے الگ وادا اور کردار دیا۔ مزید انھوں نے وقائع نویسوں سے موصول ہونے والی رپورٹوں کی اخبار میں اشاعت سے قبل ان کی نوک پلک درست کی تاکہ ان کی پیش کش میں عمدگی، کشش اور دلچسپی پیدا کی جا سکے۔ انتخاب اور ترتیب کے اس عمل میں مالکِ اخبار ہری ہر دت کا مشورہ ضرور شامل رہا ہوگا۔ کیونکہ وہ خود نہ صرف صحافت کے شوق بلکہ شعور سے بھی معمور تھا۔

شواہد اور قرائن سے مزید پتا چلتا ہے کہ سیاسی اعتبار سے یہ دونوں حضرات حکومت کی وفاداری کی راہ پر چلنے والے تھے گو انھیں اخبار کی خبروں میں معلوم واقعات کو پیش کرنے کی آزادی روا رہی۔

اس زمانے میں باقاعدہ اداریے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ بس خبروں کے انتخاب اور شمول ہی سے اڈیٹر کے رویے کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن جام جہاں نما کے اڈیٹر نے خبروں کے اندر کہیں کہیں کوئی اداریتی چٹکی لینے کی طرح ڈالی۔

بہر حال اس کی "محتاط روش" کے باوجود بھی حکومت نے اس کی تحریروں میں ایک طرح کی چبھن محسوس کی جس پر چیف سکریٹری نے دیسی صحافت میں اس روش کے پھیلنے کا خطرہ محسوس کیا اور اسے روکنے کے اقدام کیے جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

سدا سکھ لعل کو فارسی اور اردو کے علاوہ ہندی، سنسکرت اور انگریزی میں بھی معقول مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے ان میں سے اکثر زبانوں کی فرہنگیں تیار کیں۔ ان کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہ ان زبانوں کے اتالیق بھی رہے۔ کلکتہ میں وہ انگریزوں کے ٹیوٹر تھے اور انھیں فارسی و ہندستانی پڑھاتے تھے۔ بعد میں جب وہ شمالی ہند میں آگرہ میں منتقل ہو گئے تو انھوں نے ہندستانیوں کو انگریزی پڑھانے کے لیے اس کی گرامر کی ایک کتاب بہ عنوان "مفتاح القواعد" اور مبتدیوں کے لیے ایک پرائمر بہ عنوان "قواعد انگریزی" مرتب کیں۔ اس دور میں جبکہ انگریزی سیکھنے کے ذرائع نہایت محدود اور نچی قسم کے تھے ایک دیسی منشی کا یہ مرتبہ حاصل کر لینا ایک معرکہ تھا جس سے اس کی قابلیت اور علمیت کا ٹھوس ثبوت ملتا ہے۔

جام جہاں نما کی زبان اردو سے فارسی ہوئی اور پھر فارسی اور اردو دونوں۔ اس سارے زمانے میں سدا سکھ لعل ہی اخبار کے مدیر رہے۔ اردو نثر نگاری کے فقدان کے باوجود انھوں نے اس زمانے میں جام جہاں نما میں (جس کا اردو حصہ تقریباً پانچ برس تک جاری رہا) اردو نثر کے عمدہ نمونے پیش کیے۔ ان کی تحریروں کا انتخاب ہم ایک الگ باب میں شامل کر رہے ہیں۔ دور نزدیک کی خبروں کے علاوہ اڈیٹر نے اخبار میں مضامین کے کئی خصوصی سلسلے شائع کیے جو مختلف انگریزی کتابوں سے چابکدستی سے ترجمہ کیے گئے تھے۔ چنانچہ اس میں تقریباً دو سال تک یکے بعد دیگرے "تاریخ انگلستان"، "نپولین بوناپارٹ کے محاربات" اور "تاریخ عالمگیری" کے ابواب کے سلسلے شائع ہوئے۔ یہ مندرجات خبر اور مضمون دونوں کی خصوصیات اور خوبیوں کے حامل تھے۔ ان میں بین السطور اڈیٹر بھی کبھی کبھی اپنی رائے کا اظہار کرتا رہا جس سے اخبار اور اڈیٹر دونوں کی ذہنی افتاد اور پالیسی کے

بارے میں بڑی اچھی رائے قائم ہوتی ہے۔

جام جہاں نما کے کالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سدا سکھ لعل محنتی اور گوشہ نشین قسم کا آدمی تھا۔ اس نے صحافت کا کام بڑی لگن سے کیا۔ وہ ہر ہفتے بلاناغہ اس میں آٹھ صفحات فارسی اور چار صفحات اردو کا مواد پیش کرتا رہا۔

اس کی اردو تحریروں نے اس نوخیز زبان کی بیش بہا صلاحیت کو اجاگر کیا لیکن خریداروں کی قلت نے اخبار کے اردو حصے کی عمر مختصر کر دی۔ چنانچہ ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء کو جب اس کی اشاعت بند کی گئی تو اڈیٹر کو لکھنا پڑا۔ "بہیترے قدر شناس جن کی لطف گستری سے اس کاغذ (یعنی اخبار) نے رونق اور شہرت پائی، اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے"۔

اس اعلان کے دو ہی ہفتے بعد ۶ فروری ۱۸۲۸ء کے فارسی جام جہاں نما میں ہمیں اڈیٹر کی طرف سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ وہ

"کئی دنوں سے جسمانی امراض اور دماغی بوجھ میں مبتلا ہے۔ ہاتھ کام کرنے سے معذور ہیں اور دل کسی طرح بس میں نہیں۔ گو وہ کافی عرصے سے اخبار نگاری کا اپنا کام بساط بھر کرتا رہا ہے، لیکن اب ضروری ہے کہ وہ اپنے کرم فرما قارئین سے درخواست کرے کہ جب تک وہ شفایاب نہ ہو جائے، وہ اس کی معذوریوں کو درگزر کریں۔

راقم التماس میکند

که خاکسار را از چند روز بعوارض جسمانی
و امراض روحانی مبتلا و گرفتار است و
دست بکار و دل را اختیار ندارد هر چند
مدت بسیار در جلد وی تحریر کاغذ اخبار مورد
عنایت بافضال والاکرام ذی اقتدار
... از حضور خداوندان
... پرسش جرم ... آمیز آثار است
که تا زمان صحت از بازپرس سهو و خطا
معذور باشند زیاده حد ادب

"بہ شکریہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا"

اڈیٹر کے اس اعلان سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(۱) اخبار کے لیے دن رات کی محنت اور کام کے بوجھ نے اس کے جسم اور دماغ دونوں کی صحت کو بیحد متاثر کیا تھا۔

(۲) صحت کی خرابی کے باوجود "وہ کافی عرصے سے اخبار نگاری کا اپنا کام بساط بھر کرتا رہا" لیکن اب اس کا مزید بوجھ برداشت کرنا ناممکن ہوگیا۔

(۳) بیماری کے علاج اور غالباً آب وہوا کی تبدیلی کے لیے اس نے قارئین سے معذرت چاہی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد سدا سکھ لعل نے کلکتہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور آگرہ چلے گئے جو ان کا وطنِ پیدائش تھا۔ اپنی تصنیف "گلدستۂ اخلاق" کی تمہید میں انھوں نے اپنے نام کے ساتھ "اکبرآبادی" لکھا ہے۔ اس تمہید میں ان کے نام کا املا "سدا سکھ لعل" ہے لیکن کتاب کے سرورق کی عبارت میں یہ "منشی سدا سکھ لال" ہے۔ یہ شہر اس زمانے میں نئی برطانوی حکومت کا صدر مقام بھی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۳ء سے قبل آگرہ میں آگئے تھے اور اپنی علمی وصحافتی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ کلکتہ میں انھوں نے اپنی علمیت کی جو دھاک قائم کی تھی اس کی سرکاری حلقوں میں قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ آگرہ آکر انھوں نے سب سے پہلے غالباً انھیں حلقوں کے ایما پر سپریم کورٹ کے ان قوانین کا اردو میں ترجمہ کیا جو ممالک مغرب وشمال (موجودہ اتر پردیش) میں اس وقت مروج تھے۔ یہ ترجمہ ۱۸۴۴ء میں مکمل ہوا[۱۳] اور بعد میں آگرہ سے جاری ہونے والے انھیں کے اخبار "نورالابصار" کے مطبع سے ۱۸۶۶ء میں طبع ہوا۔ یہ مطبع ۱۸۵۲ء میں موجود تھا اور اسی میں سدا سکھ لعل کا ہندی ہفت روزہ "بدھی پرکاشن" بھی طبع ہوتا تھا۔[۱۴] یہ شخص ۱۸۵۷ء کی عظیم بغاوت کے زمانے میں بھی مصروفِ تحریر تھا اور اسی زمانے میں ان کے مطبع نورالابصار میں ان کا "تذکرۃ المشاہیر" (دوسرا حصہ) شائع ہوا[۱۵]

ان امور کے پیش نظر ہندی ادب کے ایک مورخ رام چندر شکل کا یہ قیاس تسلیم کرنا مشکل ہے کہ سدا سکھ لال کا انتقال ۱۸۲۴ء میں ہوگیا۔

اس قیاس کا حوالہ دیتے ہوئے ہندی صحافت کے ایک مورخ امبکا پرشاد باجپئی نے لکھا ہے کہ سدا سکھ نام کے ایک سے زیادہ اشخاص ہوئے۔ اس زمانے میں ایک دلی کے

سداسکھ لال شاعر تھے، جو "نیاز" تخلص کرتے تھے۔ یہی نام کلکتہ کے جام جہاں نما اور آگرہ کے (ہندی ہفت روزہ) بدھی پرکاشں (اجرا ۱۸۵۲ء) کے اڈیٹروں کا بھی تھا۔ البتہ منشی سداسکھ لال نیاز ۱۷۹۲ء کے لگ بھگ چنار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت کسی اچھے عہدے پر تھے اور ۱۸۱۱ء میں ۶۵ سال کی عمر میں نوکری چھوڑ چکے تھے۔ ۱۸۲۴ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ممکن ہے کہ یہی سداسکھ لال وہ شخص ہو جو ۱۸۲۲ء میں جام جہاں نما کا اڈیٹر مقرر ہوا تھا۔ لہٰذا بدھی پرکاشں والا سداسکھ لال کوئی دوسرا شخص تھا[۲۹]"

موصوف کا یہ قیاس جام جہاں نما کے ریکارڈ سے قطعاً میل نہیں کھاتا کیونکہ جو شخص ۱۸۲۸ء میں اپنی بیماری کی خبر دے رہا ہے اس کی ۱۸۲۴ء میں وفات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک اور سداسکھ کا ذکر ٹی ڈبلیو بیل T.W.BEALE کی بائیوگرافیکل ڈکشنری میں ملتا ہے جو اس طرح ہے:

> سداسکھ (خلف بشنو پرشاد، خلف گلاب رائے) الہ آباد کا ایک کائستھ اور نثر و نظم نگاری کے فن پر ایک کتاب "مرصع خورشید" کا مصنف۔ یہ کتاب ۱۸۰۷ء میں لکھی گئی۔ اس کے علاوہ اس نے اردو میں حکایات ANECDOTES کی بھی ایک کتاب لکھی[۳۰]

اس اندراج میں کلکتہ اور 'جام جہاں نما' کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ ۱۸۹۴ء میں چھپنے والی ایک کتاب میں اس امر کا ذکر ہونا عین ممکن اور مناسب ہوتا۔

امبیکا پرشاد باجپئی نے اوپر آگرہ کے ہندی اخبار بدھی پرکاشں سے سداسکھ لال کے تعلق کی نفی کر دی ہے لیکن ہندی صحافت کے ایک اور مورخ آر۔آر۔ بھٹناگر نے کہا ہے کہ 'جام جہاں نما' والا سداسکھ لال ہی بعد میں آگرہ کے بدھی پرکاشں کا اڈیٹر ہوا[۳۱] یہ اخبار ۱۸۵۲ء یا ۱۸۵۳ء میں جاری ہوا اور آگرہ کے نور الابصار پریس میں طبع ہوتا تھا۔ یہ تعلیم نسواں کے حق میں تھا[۳۲] بھٹناگر نے مزید لکھا ہے کہ بدھی پرکاشں (ہندی) کے ساتھ منشی سداسکھ لال نور الابصار (اردو) کے بھی اڈیٹر تھے۔ یہ دونوں اخبار برطانوی حکومت کے وفادار تھے۔ اور حکومت کے محکمۂ تعلیم کے مشورے پر اہل انگلستان کی تاریخ جغرافیہ، تعلیم وغیرہ کے موضوعات پر تجویز کردہ مواد شائع کرتے تھے[۳۳]

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے اشاعتی پروگرام میں سدا سکھ لعل کی صلاحیت سے اعتماد سے کام لیا جاتا تھا۔

آر۔ آر۔ بھٹناگر نے گارساں دُتاسی کا ایک اقتباس بھی پیش کیا ہے جنھوں نے لکھا ہے کہ بدھی پر کاش اردو کے نورالابصار کا ہندی روپ تھا۔ اس کے ہمعصروں کی زبان مرصّع ہوتی تھی لیکن نورالابصار کی زبان سادہ تھی۔ اس میں تعلیم، تاریخ اور جغرافیہ کے موضوعات کے علاوہ ادبی مضامین اور خبریں بھی ہوتی تھیں جس سے یہ ایک کامیاب اخبار بن گیا تھا۔ یہ اخبار بغاوت کے زمانے (۱۸۵۷ء) میں بھی چھپتا رہا۔[۳۴]

۱۸۵۱ء - ۵۲ کی مشترکہ سرکاری رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ

> آگرہ سے سدا سکھ لعل نے ایک ساتھ دو اخبار جاری کیے۔ جن میں سے ایک "نورالابصار" اردو میں ہے اور دوسرا "بدھی پرکاش" ہندی میں۔ دونوں اخبار خوبی سے چلائے جاتے ہیں۔ ان کے اڈیٹر کی انگریزی دانی۔ نورالابصار کی سلیس اردو۔ اور بدھی پرکاش کی شُدھ ہندی قابلِ تعریف ہیں۔ دونوں کی دو دو سو کاپیاں حکومت خریدتی ہے۔ اگرچہ ان میں عام خریدار کے لیے حالاتِ حاضرہ کی خبریں ہوتی ہیں تاہم یہ اخبار ایسی مفید معلومات کے حامل ہوتے ہیں کہ یہ اسکولوں میں خاص طور پر بھیجے جاتے ہیں۔[۳۵]

بدھی پرکاش کی خبروں کے مآخذ میں زیادہ تر ہندی اردو اور انگریزی کے اخبار تھے۔ ان میں خیر خواہ ہند، اخبار الخلائق، دہلی اخبار، دہلی گزٹ۔ ہرکارہ گزٹ۔ اخبار النواح مفصلائٹ۔ انگلش مین۔ بنارس ریکارڈ۔ فرینڈ آف انڈیا۔ گورنمنٹ گزٹ۔ ستّی زن۔ کلکتہ کرانیکل۔ مارننگ کرانیکل۔ آگرہ میسنجر اور (بمبئی کا مراٹھی اخبار) گیان اودیہ پرکاش شامل تھے۔[۳۶]

ان امور سے صحافت کے لیے سدا سکھ لعل کی وسعتِ نظر اور اہلیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی صحافتی زندگی کی ابتدا کلکتہ سے کی جو اُس وقت مشرق میں حکومت کا صدر مقام تھا۔ اس کے بعد انھوں نے جس دوسرے مقام آگرہ کو اپنی صحافتی سرگرمیوں کا مرکز بنایا وہ بھی حکومت کا صدر مقام ہی

تھا کیونکہ جب حکومت نے اپنے دفاتر کی توسیع شمال کی طرف کی تو اس نے سب سے پہلے آگرہ ہی کو اپنا صدر مقام بنایا جو ۱۸۵۶ء تک صوبجات شمال مغربی کی حکومت کا مرکز رہا۔ اس دور میں ہندی کے اس خطے میں صوبجات شمال مغربی، بہار، سنٹرل پراونسز، راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا شامل تھے۔[۳۷] سدا سکھ لال نے کلکتہ، آگرہ اور الہ آباد کے تین مقامات پر جس بھی اخبار کو ہاتھ میں لیا اسے ذولسانی بنایا اور اس میدان میں بھی انھیں اولیت کا امتیاز حاصل ہے۔

آگرہ کے ساتھ اس کا پڑوسی شہر الہ آباد بھی اس وقت حکومت کی تعلیمی اور اشاعتی سرگرمیوں کا ایک مرکز بنا۔ گارساں دتاسی نے لکھا ہے کہ الہ آباد سے چھپنے والے اردو ماہ نامہ "آئینۂ علم" اور ہندی پندرہ روزہ "ورتانت درپن" کی پشت پر بھی سدا سکھ لعل تھے۔[۳۸]

صوبجات شمال مغربی میں (جسے آج ہم اتر پردیش کہتے ہیں) سدا سکھ لعل نے صحافت کے علاوہ ترجمہ، تالیف اور تصنیف کا بھی بہت کام کیا اور متعدد کتابیں شائع کیں۔ ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں لیکن جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، لندن کی انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کے کتب خانوں میں ان کی سترہ کتابوں کے نسخے موجود ہیں اور اٹھارہویں کا ذکر پروفیسر حامد حسن قادری کی داستانِ تاریخِ اردو میں ملتا ہے۔

پانچ کتابوں کے سرورقوں کے زیراکس عکس یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

ان تمام کتابوں کی فہرست مع مختصر کوائف ذیل میں پیش کی جا رہی جو راقم الحروف نے اپنی تحقیق اور مذکورہ اداروں سے خط و کتابت کی بنیاد پر مرتب کی ہے:

	عنوان	سالِ اشاعت	مختصر کوائف
(۱)	رسالہ اصولِ نقاشی	۱۸۵۲ء مطبع نور الابصار	ڈرائنگ کے بنیادی اصولوں پر مدراس کے جرنل آف آرٹ میں شائع شدہ ڈاکٹر ولیم ہنٹر کے انگریزی مقالے کا ترجمہ جو ممالک مغربی کے لیفٹیننٹ گورنر کے ایما پر ہوا۔
(۲)	تاریخ ہند	۱۸۵۳ء	زمانۂ قدیم سے جدید تک کی روداد جو

	مطبع نور الابصار	پادری مجس صاحب کے اردو مسودے اور مختلف انگریزی کتب کے انتخاب سے مرتب کی گئی۔
(۳) تذکرۃ المشاہیر	۱۸۵۴ء مطبع نور الابصار	قدیم اور جدید زمانے کے یورپی مشاہیر کی سوانح حیات جو ممالک مغربی کے وزیر جنرل کے اہتمام سے شائع ہوا۔
(۴) گنگا کی نہر کا مختصر بیان	۱۸۵۴ء مطبع نور الابصار	رڑکی کے نزدیک دریائے گنگا سے نکالی جانے والی ایک نہر پر انگریزی رپورٹ کا ترجمہ ممالک مغربی کے لیفٹیننٹ گورنر کے ایما پر اور وزیر جنرل کے اہتمام سے شائع ہوا۔
(۵) ایکٹ نمبر ۲۵ ۱۸۶۲ء یعنی مجموعۂ ضابطہ فوجداری جدید	۱۸۶۲ مطبع نور الابصار	انگریزی سے ترجمہ
(۶) مجموعۂ لغات عربی	جلد اول ۱۸۷۷ء مطبع نور الابصار	عبدالرحیم ابن عبدالکریم صفی پوری کی تالیف منتہی الارب فی لغات العرب کا ترجمہ جو مجموعۂ قاموس وغیرہ معتبر لغات زبان کا ہے۔ "یہ منشی سدا سکھ لال کی سعی و کوشش سے باعانت چند قابل و ذی استعداد علمائے زبان عربی کے مرتب ہوا۔"
(۷) قواعدِ آب کاری	۱۸۷۸ء مطبع نور الابصار	اکسائز محصولات پر بورڈ آف ریوینیو کلکتہ کی طرف سے جاری کردہ قواعد کا ترجمہ جو "واسطے عہدہ دارانِ انتظام صیغۂ آبکاری کے ممالک مشرقی بنگالہ کے لیئے بحکم صاحبانِ بورڈ ممالک مذکور مطبع و مشتہر ہوتے۔"
(۸) قصہ چندر کنور سورج	۱۲۷۸ ہجری	

بھان کا	مطبع نور الابصار	فارسی سے ترجمہ
(۹) مجموعۂ اخلاق	سالِ اشاعت درج نہیں	اخلاقِ ناصری وغیرہ اخلاق کی مشہور فارسی کتابوں کے انتخاب کا ترجمہ۔
(۱۰) گلدستۂ اخلاق	۱۸۵۳ء الٰہ آباد اس کا ایک اڈیشن ۱۸۶۰ء میں لاہور سے بھی شائع ہوا۔	اخلاقی درس کی کتاب جو اسکولوں کے نصاب میں شامل تھی۔ اس گلدستے کے عربی اور فارسی الفاظ کی ایک فرہنگ محمد شیر خاں نے ۱۸۸۱ء میں علی گڑھ سے شائع کی۔
(۱۱) مفتاح القواعد (حصہ اوّل)	۱۸۵۳ء آگرہ ۱۸۶۲ء میں اس کا ایک اڈیشن لاہور سے بھی شائع ہوا۔	یہ انگریزی زبان کی صرف نحو کا رسالہ ہے جو مبتدیوں کے واسطے حسب الارشاد لفٹیننٹ گورنر بہادر ممالک مغربی اور باعانت جناب ہنری سٹورٹ ریڈ، وزیٹر جنرل ممالک مغربی، سکندرہ کے یتیموں کے چھاپہ خانہ میں چھپا۔ یہ ایلن اینڈ کارنویل کی مطبوعہ انگریزی گرامر کا ترجمہ ہے جو منشی سداسکھ لعل نے کیا۔
(۱۲) مختصر تواریخِ انگلستان	۱۸۶۰ء لاہور	اس کا ایک اڈیشن "مختصر سیرِ انگلستان" کے عنوان سے الٰہ آباد سے بھی شائع ہوا۔
(۱۳) رسالہ علم طبیعات	۱۸۶۱ء آگرہ	ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز، شونارائن کی ہندی تصنیف "پدارتھ ودیا سار" کا اردو ترجمہ۔ یہ باتصویر ہے۔
(۱۴) مجموعۂ قوانین	۱۸۶۴ء مطبع نور الابصار	ایکٹ ہائے سپریم کورٹ
(۱۵) قواعد انگریزی	۱۸۶۷ء آگرہ	مبتدیوں کے لیے
(۱۶) کوش رتناکر	۱۸۷۶ء الٰہ آباد	سنسکرت ہندی ڈکشنری

(۱۷) التماس عجز اساس ۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ

تاریخ ہند

زمانہ قدیم سے حال تک بر سبیل ایجاز

اردو زبان میں

حسب الارشاد نواب معلی القاب لفٹننٹ گورنر بہادر ممالک مغربی شمالی کے

باعانت

جناب فیض مآب ہنری سٹوارٹ ریڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر جنرل

بابو ... منشی ... صاحب کے اردو مسودہ اور کتب انگریزی و عربی سے

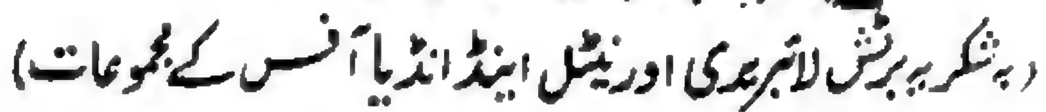
منشی سدا سکھ لال مہتمم مطبع نور الابصار نے تالیف کیا

مطبع نور الابصار

۱۸۶۸ء

پہلی دفعہ ۳۰۰۰ جلد 1st ed. 3000 Copies

قیمت فی جلد ۵ روپیہ Price per Copy 5 Rs



(بہ شکریہ برٹش لائبریری اورینٹل اینڈ انڈیا آفس کے مجموعات)

ایکٹ نمبر ۱۰ سنہ ۱۸۷۲ع

یعنے

مجموعہ ضابطہ فوجداری جدید

ترجمہ کیا ہوا اور طبع کیا ہوا
منشی سدا سکھ لال مہتمم و مالک مطبع نور الابصار کا

مطبع نور الابصار واقع الہ آباد مین چھاپا گیا

سنہ ۱۸۷۲ عیسوی

نسخہ

مجموعہ لغات عربی

یعنی

اردو ترجمہ منتہی الارب فی لغات العرب کا

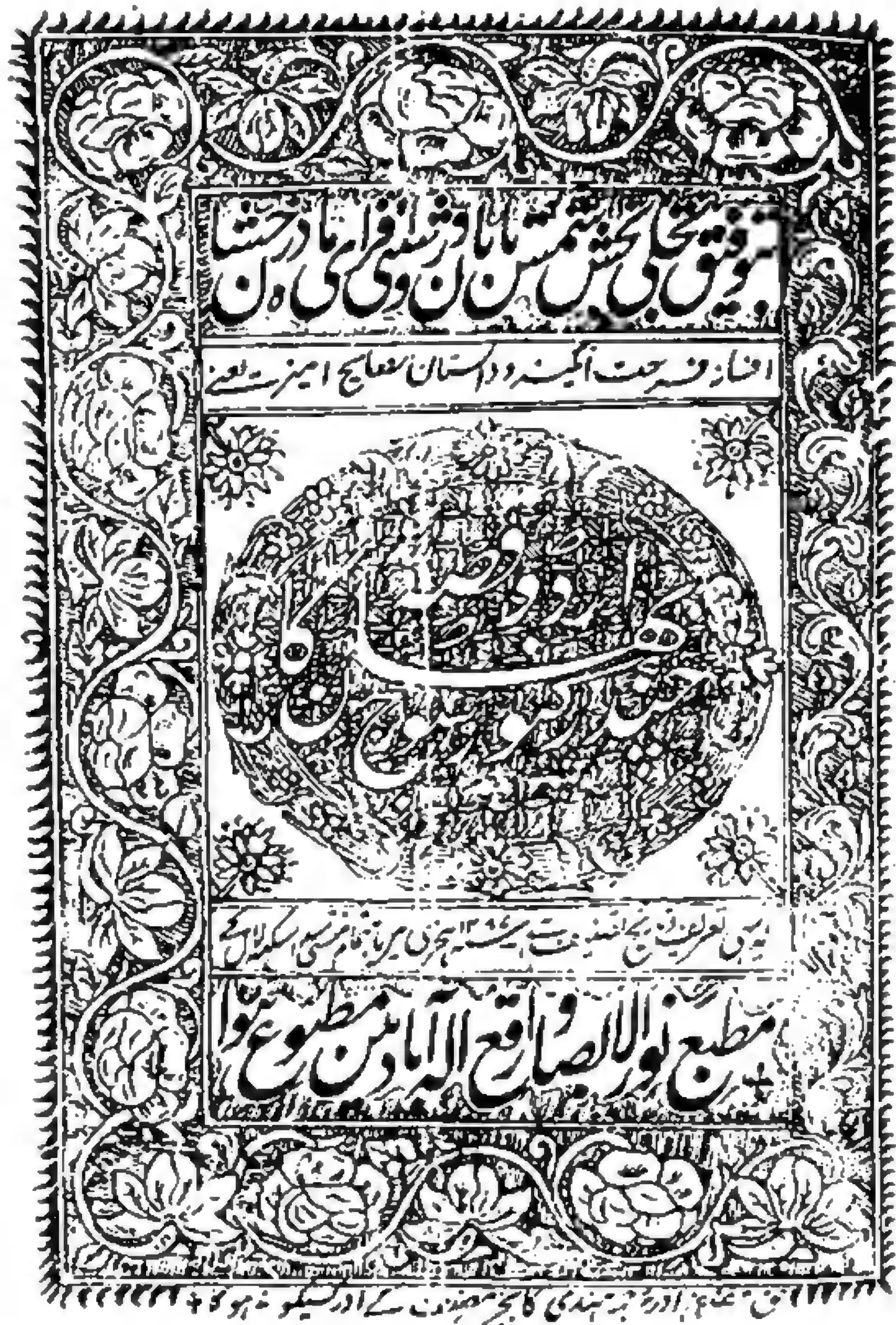
مجموعہ قاموس وغیرہ معتبر لغات عربی زبان سے کا،

منشی سداسکھ لال

باہتمام مطبع نور الابصار کی سعی و کوشش سے باعانت
چند قابل و ذی استعداد علمائی زبان عربی کے ترجمہ ہوا

مطبع نور الابصار واقع الہ آباد میں
باہتمام منشی روشن لال کے چھپا

جلد اول



افسانہ فرحت انگیز و داستان عجائب آمیز یعنی

مطبع نور الابصار واقع الہ آباد میں مطبوع ہوا

گلدستہ اخلاق

پہلا حصہ

حسب الارشاد نواب مستطاب معلی القاب جناب
نفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی

ہندیوں کے استفادہ کے لیے

بنشی [illegible] لال مصنف کتاب کے اہتمام سے
مطبوع ہوا

مطبع نور الابصار
سنہ [illegible]ع

Price 3As. | قیمت

فہرست کتاب

ان میں سے بعض کتابوں کی کئی کئی جلدیں تھیں اور بعض کے کئی کئی اڈیشن چھپے مثلاً "گلدستہ اخلاق" کے آٹھ "مفتاح القواعد" کے چھے، رسالہ "علم طبیعات" کے تین اور "تذکرۃ المشاہیر" کے دو اڈیشن چھپے اور یہ اڈیشن مختلف مقامات سے چھپتے رہے جن میں آگرہ اور الٰہ آباد کے علاوہ علی گڑھ، رڑکی اور لاہور بھی شامل تھے۔

تعجب ہے کہ اردو زبان کی ہماری تاریخوں میں اس فراواں قلم کار اور نثار ادب کی خدمات کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ کسی بھی علم کے سفر کا جائزہ منتخبہ یا پسندیدہ نکات کے تذکرے ہی پر ختم نہیں ہو سکتا۔ ادب ایک قدرتی نعمت ہے جو ہر زمانے میں اپنی ایک مخصوص شکل میں میسّر آتی ہے۔ اس کی حیات اور روانی کے مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تمام موجوں اور لہروں کا احاطہ کیا جائے۔

سدا سکھ لعل کے حقائق مظہر ہیں کہ اردو کی نثر کے اس ابتدائی اور دشوار دور میں اس شخص نے ساری زندگی اس زبان کی آبیاری کی۔

پروفیسر حامد حسن قادری نے اردو نثر کے ارتقا میں منشی سدا سکھ لعل کے حصے کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس ارتقا کو چھے ادوار میں بانٹا ہے۔ پہلے دور میں دکن میں اردو کی نشو و نما جو ۱۳۴۷ء میں شروع ہوئی، پیش کی گئی ہے۔ دوسرے دور میں شمالی ہند میں ۱۷۳۲ء تا ۱۷۹۹ء۔ تیسرے دور میں مصنفین فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۰ء تا ۱۸۲۰ء چوتھے دور میں ۱۸۳۱ء تا ۱۸۷۰ء۔ پانچویں دور میں ۱۸۷۱ء تا ۱۹۰۰ء اور چھٹے دور میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد سے بیسویں صدی کے آغاز تک کے زمانے شامل کیے گئے ہیں۔

سدا سکھ لال کو چوتھے دور میں پیش کیا گیا ہے۔ اس دور میں ۱۸۳۲ء میں اردو عدالتی اور سرکاری زبان مقرر کی گئی۔ اس سے پہلے اہلِ ہند کی آسانی کے لیے دیوانی، فوجداری اور مال گذاری کے قوانین کا اردو میں ترجمہ شروع ہو گیا تھا چنانچہ ۱۸۰۳ء میں گورنمنٹ مغرب و شمال (جس میں موجودہ یوپی بھی شامل تھا) کی طرف سے "ہدایت نامۂ مال گذاری" اردو میں مرتب ہوا۔ یہ قانون کی سب سے پہلی کتابوں میں سے ہے جو اردو میں لکھی گئیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔

۱۸۴۳ء میں منشی سدا سکھ لال نے مجموعۂ قوانین (ایکٹ ہائے سپریم کورٹ) مرتب کیا جس میں ۱۷۹۳ء سے ۱۸۴۳ء تک کے جملہ ایکٹ ہائے مروجہ ممالک مغرب و شمال

تھے۔ اس کی پہلی جلد ۱۸ء میں مطبع نور الابصار آگرہ میں چھپی تھی۔ بعد کی تین جلدیں بھی اسی مطبع میں ۱۸۶۶ء میں چھپیں۔ اس کے دیباچے کی چند سطریں یہ ہیں:

فائدے اس تالیف کے ایسے نہیں ہیں کہ احتیاج ان کے بیان کی ہو۔ فی الواقع یہ جلدیں آئینہ نمائے انتظام جملہ سررشتہ ہائے سلطنت عظیم الشان سرکارِ دولت مدارِ انگلشیہ کی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر باب میں کتنے قوانین مجاریۂ وقت ہیں اور کتنے منسوخ ہو گئے۔ واضح ہو کہ مصنف نے ترجمۂ اردو میں کہ وہ مسلمۂ گورنمنٹ اور مندرجہ گزٹ سرکاری تھا، کچھ تصرف نہیں کیا ہے۔

حواشی

۱؎ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "صحافت پاکستان و ہند میں" مکتبہ کارواں۔ لاہور ص ۲۰۔ بحوالہ کلکتہ منتھلی جرنل فائل ۱۸۲۲ء جلد اول، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ ص ۳۹۵

۲؎ مصنف کے نام مراسلہ LETTER NO.IOLR 2/PC/188 DT.16 AUGUST 1990

۳؎ مصنف کے نام مراسلے (i) LETTER NO.LIB/62/447 DT.6 SEPT. 1990 & (ii)NO.994-SA, 31-16/90 DT.23 AUGUST 1990

۴؎ محمد عتیق: "جام جہاں نما۔ اردو کا پہلا اخبار" ماہنامہ "آجکل" دہلی فروری ۱۹۵۶ء ص ۴۳

۵؎ HOME DEPTT. PUBLIC BRANCH, CONS NO.8 DT.17.10.1822

۶؎ (i) DEWAN BAHADUR L.D.SWAMIKANNU PILLAI "AN INDIAN EPHEMIRIS A.D. 1800 TO A.D.2000" PUBLISHED UNDER THE PATRONAGE OF GOVT. OF MADRAS, 1915. P.46

(ii) تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابوالنصر محمد خالدی (ایم۔ اے۔ عثمانیہ) انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی۔ مارچ ۱۹۷۷ء۔ ص ۴۲

۷؎ S.C.SANIAL:"THE FIRST PERSIAN NEWSPAPERS OF INDIA", ISLAMIC CULTURE, HYDERABAD, JAN.1934, P.105

۸؎ THE CALCUTTA ANNUAL DIRECTORY & FIRST QUARTERLY REGISTER FOR 1831. PRINTED BY SCOTT & CO. CALCUTTA (NAT LIBRARY, NEW DELHI)

۹؎ HOME PUBLIC CONS. NO. 48, DT. 8 MAY, 1823 CITED IN [illegible] F ROM CALCUTTA GAZETTE" DT.18.6.1823 .

[illegible] BUCH DAVID SANDIHAN, PUBD. 1869 P.49 [illegible]

۹؎ [illegible] CONS.NO. [illegible]

۱۰؎ [illegible]

۱۰ GUIDE TO THE RECORDS IN NATIONAL ARCHIVES OF INDIA - PART III P.450

۱۱ شانتی رنجن بھٹاچاریہ ۔ "جام جہاں نما اور ہری ہردت" ماہنامہ ۔ آج کل ، دہلی جون ۱۹۶۳ء ، ص ۱۵ بحوالہ

HOME DEPTT.PUBLIC CONSULTATION NO.48 TO 51 DT. 8 MAY 1822

۱۳ ایضاً

۱۴ برجندر ناتھ بندو پادھیائے ۔ "تاریخ بنگلہ صحافت ۱۸۱۸ء تا ۱۸۶۸ء" شائع کردہ بنگیہ ساہتیہ پریشد ۔ کلکتہ (چوتھا اڈیشن) ۱۹۷۲ء ، ص ۱۸۱۱۷ اقتباس بوساطت شانتی رنجن بھٹاچاریہ

۱۵ محمد عتیق صدیقی ۔ "ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں)" انجمن ترقی اُردو ، ہند (علی گڑھ) ، ۱۹۵۷ء ، ص ۱۴۸

۱۶ مصنف کے نام شانتی رنجن بھٹاچاریہ کا مکتوب مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۹ء

۱۷ ایضاً مکتوب مورخہ ۳ مارچ ۱۹۹۰ء

۱۸ ایضاً

۱۹ P.P., 25 OCTOBER, 1826 CITED BY MARGARITA BARNS, "THE INDIAN PRESS," LONDON, 1940, P.P.155 TO 157

۲۰ INDIA OFFICE LIBRARY, LONDON, BOARD'S COLLECTION F/4, NO.53427

۲۱ شانتی رنجن بھٹاچاریہ ۔ "جام جہاں نما اور ہری ہردت" ۔ ماہنامہ آجکل (دہلی) جون ۱۹۶۳ء ، ص ۱۶

۲۲ ایضاً

سداسکھ لعل

۲۳ مناظر عاشق ہرگانوی ۔ "اردو جام جہاں نما" آجکل (نئی دہلی) فروری ۱۹۷۵ء ، ص ۴۴

۲۴ A.C.DASGUPTA:"THE STORY OF THE CALCUTTA GAZETTE." P.P. 1-25. QUOTED BY DR.B.M.SHANKHDHAR IBID P.299

۲۵ HOME PUBLIC NO. 8 DT. 17 OCTOBER, 1822

۱۶؎ پروفیسر حامد حسن قادری ۔ "داستان تاریخ اردو" چوتھا اڈیشن ۱۹۸۸ء۔ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳۔

۱۷؎ B.R.BHTNAGAR:"RISE & GROWTH OF HINDI JOURNALISM" P.712

۱۸؎ J.F.BLUMHARDT:"CATALOGUE OF HINDUSTANI PRINTED BOOKS IN BRITISH MUSEUM", P. 304

۱۹؎ امبیکا پرشاد باجپیئی ۔ "سماچار پتروں کا اتہاس" ص ۱۱۱

۲۰؎ T.W.BEALE:AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY. LONDON 1894

۲۱؎ آر ۔ آر ۔ بھٹناگر ۔ ایضاً ص ۶۷۱

۲۲؎ ایضاً ۔ ص ۷۱۲

۲۳؎ ایضاً ۔ ۶۶۷

۲۴؎ ایضاً ۔ ۷۶ ۔ ۷۷

۲۵؎ J.NATRAJAN:"HISTORY OF INDIAN JOURNALISM." P.53

۲۶؎ آر ۔ آر ۔ بھٹناگر ۔ ایضاً ص ۶۴۸

۲۷؎ ایضاً ۔ ص ۸۵ ۔ ۹۰ ۔ ۶۸۴

۲۸؎ ایضاً ۔ ص ۶۶۷

۲۹؎ SOURCES:

(I) J.F.BLUM HARDT:" CATALOGUE OF HINDUSTANI PRINTED BOOKS IN THE LIBRARY OF THE BRITISH MUSEUM "

(II)J.F.BLUMHARDT:"A SUPPLEMENTARY CATALOGUE OF HINDI BOOKS IN THE LIBRARY OF THE BRITISH MUSEUM ACQUIRED DURING THE YEARS 1893-1912"

(III)DR.SALIMUDDIN QURAISHI:"CATALOGUE OF URDU BOOKS IN THE INDIA OFFICE LIBRARY, 1800-1920"

(IV)INDIA OFFICE LIBRARY & RECORDS' LETTER NO. IOLR 2/PC/187 DT.20 JUNE 1990 to the author.

پروفیسر حامد حسن قادری ۔ "داستان تاریخ اردو" چوتھا اڈیشن ۔ ص ۲۰۲ ، ۲۰۳

۳۰؎ پروفیسر حامد حسن قادری ۔ ایضاً

چوتھا باب

جامِ جہاں نما پر چیف سکریٹری

ڈبلیو۔ بی۔ بیلی کا تبصرہ

انیسویں صدی کے دوسرے دہے کے اواخر سے ہندستانیوں میں نئی اخبار نویسی کا دلولہ پیدا ہو چکا تھا لیکن حکومت اس سے خائف تھی اور اس کے بارے میں غیر معاون نظریات کی حامل تھی۔ دیسی صحافت نے ابھی آنکھ بھی نہیں کھولی تھی کہ اگست ۱۸۱۸ء میں حکومت نے پریس پر متعدد پابندیاں عائد کر دیں [۱]
ایسے اقدام سے جو ماحول پیدا ہوتا ہے اس کی درشتی اور ناموافقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی سنگلاخ زمین میں اول تو کوئی چیز پیدا نہ ہوگی اور اگر پیدا ہوگی تو وہ اپنے عہدِ طفلی ہی میں کسی نہ کسی سرپرستی اور امداد کی آرزو مند، ضرورت مند بلکہ محتاج ہوگی۔ چنانچہ "مرأۃ الاخبار" کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے رام موہن رائے نے ۱۸۲۲ء کے اوائل میں اس کے اولین شمارے میں لکھا:

> ہندستان میں اخبار نویسی جن حالات سے گزر رہی ہے ان کے پیشِ نظر اخبار کی طرف (حکومت کے ذہن میں) کسی قسم کی بدگمانی نہ پیدا ہونی چاہیے۔ اب تک اخباروں پر پابندیاں تھیں مگر ہمارے موجودہ حکمران کریم النفس مارکوئس آف ہیسٹنگز کی بدولت یہ دور ہو چکی ہیں اور اخباروں کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اس اخبار میں جو دلچسپ مضامین شائع ہوں ان کا مشرق کی دوسری زبانوں میں عموماً اور فارسی و ہندستانی میں خصوصاً ترجمہ

شائع کیا کریں لیکن اس کے لیے سرمائے کی ضرورت ہے اور اس کا تمام تر انحصار اس ہمت افزائی پر ہے جس کے ہم امیدوار ہیں"[۲۶]

اس بیان میں رام موہن رائے کا "کریم النفس مارکوئس آف ہیسٹنگز کو خراجِ تحسین ایک مہذب شخص کا اندازِ گفتگو تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لارڈ ویلزلی کے سنسرشپ میں معمولی سی نرمی اس لیے کی گئی تھی کہ سنسر کے پاس اپنی کارگزاریوں کے لیے پورے قانونی اختیارات نہیں تھے۔ اس لیے ۱۹ اگست ۱۸۱۸ء کو سنسرشپ ہٹا کر اس کی جگہ اخبارات کے لیے کچھ رہبرانہ قواعد نافذ کر دیے گئے، جن کی رو سے اخبارات کوئی ایسی چیز شائع نہیں کر سکتے تھے جس سے حکومت کے اختیارات پر حرف آئے یا جو "مفادِ عامہ" کے خلاف ہو۔ اس کا اعتراف حکومت کے چیف سکریٹری مسٹر ولیم بٹرورتھ بیلی کے ۱۰ اکتوبر ۱۸۲۲ء کے ایک نوٹ میں ملتا ہے[۲۷]

ان حالات میں اگر اردو کا اولین اخبار "جام جہاں نما" ایک انگریزی تجارتی کوٹھی ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی کی امداد سے شروع ہوا، تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہو سکتی۔

اکثر مورخین نے اس تجارتی کوٹھی کے چھاپہ خانے سے جام جہاں نما کے طباعتی تعلق سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ فرم ایسٹ انڈیا کمپنی کی گماشتہ یا آلۂ کار تھی۔ لہٰذا جام جہاں نما بھی ایک وظیفہ خوار یا مطیع اخبار تھا۔ لیکن کسی فرنگی تجارتی ادارے کا نام سنتے ہی یہ تسلیم کر لینا مناسب نہ ہوگا کہ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا آلۂ کار تھا۔ ایک حکومتی نظام سے ہر تجارتی ادارے کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار یا سودمند نہیں ہوتے اور پھر اس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اربابِ اختیار تو خود مختلف نجی تجارتوں میں مشغول تھے وہ کس طرح تمام نجی تجارتی اداروں سے نرم و شیریں ہو سکتے تھے۔ بلکہ دونوں فریقوں کے تجارتی ہونے کی وجہ سے ان میں ایک طرح سے صف آرائی اور رقابت سی رہتی ہوگی۔

جام جہاں نما کو مطیع اخبار بنانے والے مورخین بڑی شدت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس سرکاری نشان کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس کے سرورق کی پیشانی پر شائع ہوتا رہا بیشک یہ نشان ۲۷ اگست ۱۸۲۸ء تک چھپتا رہا لیکن پھر ۳ ستمبر ۱۸۲۸ء کے شمارے سے یہ یکایک غائب ہو گیا اور اس کی آیندہ تقریباً ساٹھ سال کی زندگی بھر میں غائب ہی رہا۔

اخبار کا اجرا، ۲ مارچ ۱۸۲۲ء کو ہوا۔ لہٰذا اس نشان کے فیض سے کم از کم اسے اپنے ابتدائی زمانے میں حکومت کی عنایتوں سے مستفید ہونا ہی چاہیے تھا لیکن ۱۸۲۲ء ہی کے سرکاری ریکارڈ سے ہمیں یہ قیاس کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ چیف سیکریٹری کے مذکورہ بالا نوٹ میں 'جام جہاں نما' پر ایک خاصہ طویل تبصرہ ملتا ہے۔ دراصل یہ نوٹ جو ۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے جام جہاں نما اور رام موہن رائے کے فارسی مرآۃ الاخبار کا مفصل تجزیہ ہے جس میں زیادہ توجہ اور صفحات جام جہاں نما پر صرف کیے گئے ہیں[۱] اس سے نہ صرف 'جام جہاں نما' کے موقف اور کردار کے بارے میں ٹھوس معلومات حاصل ہوتی ہیں، بلکہ اس دور کے لسانی پریس کے مرتبے اور امکانات کا بھی علم ہوتا ہے۔

اردو پریس بلکہ سارے دیسی پریس کی ابتدا کو سمجھنے کے لیے اس نوٹ کو جسے ہمارے مؤرخوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مسٹر بیلی نے اس نوٹ کی، (جسے اس نے خود ایک "ریویو" کا عنوان دیا ہے) بنیاد اور ضرورت اس پریس کے اپنے محکمے کے جائزے اور تجزیے کی بنا پر خود ہی قائم کی۔

قصہ مختصر یہ تھا کہ حکومت نے ہندستانیوں کے لیے قائم کردہ ایک میڈیکل اسکول کے لیے جولائی ۱۸۲۲ء میں ایک ڈاکٹر جیمسن کو اس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا۔ یہ صاحب پہلے ہی حکومت کے تین اعلا عہدوں پر فائز تھے۔ اب انھیں یہ چوتھا منصب دے دیا گیا۔

کلکتہ جرنل کے اڈیٹر بکنگھم نے نہ صرف اس کی خبر شائع کی بلکہ اس پر ایک مخالفانہ تبصرہ بھی کیا۔ اپنے مختلف عہدوں اور اسامیوں کی تفصیل کے افشا پر ڈاکٹر جیمسن سیخ پا ہوگئے بطور سزا انھوں نے حکومت سے بکنگھم کے ہندستان سے اخراج کا مطالبہ کیا، جس کی گورنر جنرل کی کونسل کے سینئر ممبر جان ایڈم نے تائید کی۔

جان ایڈم خود ایک عرصے سے بکنگھم کی تحریروں سے نالاں تھے۔ وہ اس اڈیٹر کا رویہ بدلنے اور اس کے قلم کو نرم کرنے کے لیے کئی بار کوشش کر چکے تھے لیکن گورنر جنرل ہیسٹنگز کے پریس کے بارے میں قدرے معقول موقف اور خود بکنگھم کی سخت جانی کی وجہ سے انھیں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

اس کے برعکس اسی زمانے میں بکنگھم کے کلکتہ جرنل کے علاوہ کچھ اور اخباروں میں بھی آزادیِ صحافت کے موضوع پر خیال آرائی شروع ہوگئی تھی۔ بلکہ خود بکنگھم نے تو ۳۱ اگست ۱۸۲۲ء

کے شمارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ پریس پر پابندیاں عائد کرنے والے ہیسٹنگز ریگولیشنز (قواعد) کی کوئی قانونی حیثیت نہیں کیونکہ انھیں سپریم کورٹ کی منظوری حاصل نہیں ہے۔

ان رجحانات سے پریشان ہوکر جان ایڈم نے گورنر جنرل کو ایک اور نوٹ لکھا، جس میں انھوں نے کہا کہ ہندستان میں پریس اپنے حقوق کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ لہٰذا اسے قابو میں رکھنے کے لیے ایک قانون بنایا جائے جس کے تحت چھاپہ خانوں کے مالکان کو اپنے کام کے لیے لائسنس حاصل کرنے کا پابند کیا جائے اور حکومت کو یہ اختیار ہو کہ وہ جب چاہے اسے منسوخ کر دے۔

کونسل کے ایک اور ممبر جان فینڈل نے اس تجویز سے اتفاق کیا لیکن چیف سکریٹری ولیم بٹر ورتھ بیلی نے نہ صرف اس تجویز کی پر زور حمایت کی بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ انھوں نے پریس کی صورتِ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے دیسی زبانوں کے اخباروں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے محکمے کی کارکردگی اور جائزے کی بنا پر کہا کہ "دیسی اخبار شر انگیزی کے انجن بن سکتے ہیں۔"[۵۴]

بکنگھم کو ہندستان بدر کرنے کی تجویز پر گورنر جنرل ہیسٹنگز نے لکھا تھا کہ "ان کے اخراج کے بعد ان کے کمرے میں کوئی غیر برطانوی (جن میں ہندستانی شامل تھے) بیٹھ سکتا ہے جسے ایسی سزا دینے کا ہمارے پاس کوئی قانون نہیں ہے۔"[۵۵]

چیف سیکریٹری نے اس امکان کو بھی اپنی منطق میں شامل کرتے ہوئے کہا کہ اس صورت میں ایڈم کے بیان کردہ خطرات اور بھی سنگین ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ صحافت کی آزادی ایک آزاد ملک کے لئے تو ضروری تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن "میری دانست میں ہندستان ایسے ملک میں جو ہماری نو آبادی ہے، جہاں ہم نے مطلق العنان حکومت قائم کی ہے، اور اپنے اداروں میں ہندستانیوں کو کوئی نمایندگی نہیں دی، صحافت کی آزادی میل نہیں کھاتی۔"[۵۶]

یہ بات انھوں نے ایک ایسے وقت پر لکھی جب کہ کلکتہ میں صرف چار دیسی اخبار تھے۔ دو بنگالی زبان کے اور دو فارسی زبان کے۔ بنگالی کے دو اخبار سنباد کومدی اور سماچار چندریکا تھے اور فارسی کے دو اخبار مرآۃ الاخبار اور جام جہاں نما تھے۔ ان دیسی اخباروں کے امکانی خطرات کا تصور کرتے ہوئے انھوں نے فارسی کے اخبارات کو

سرِ فہرست رکھنے کا فیصلہ کیا اور ان میں بھی جامِ جہاں نما کو اوّلیت دی۔

اس وقت جامِ جہاں نما کو جاری ہوئے صرف سات ماہ ہوئے تھے۔

موصوف نے کہا کہ اس اخبار کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ یہ کلکتہ کی ایک انگریزی تجارتی کوٹھی کی ملکیت ہے اور اصلاً وہی اسے چلاتی ہے۔ انھوں نے لکھا کہ اخبار کے پہلے شمارے میں بتایا گیا کہ یہ ایک ہفت روزہ ہوگا، اور اس کا چندہ دو روپے ماہانہ ہوگا۔

اس کے دوسرے شمارے میں جیسا کہ گذشتہ باب میں بتایا گیا ہے اس کی غرض و غایت اور گنجایش بیان کی گئی۔ دوسری خصوصیات کے علاوہ اس میں ہر ایسے شخص کو دعوتِ تحریر دی گئی، جس کے پاس حقائق پر مبنی کوئی چیز ہو اور اسے اس کا اطمینان دلایا گیا کہ نامہ نگار کے نام کو صیغۂ راز میں رکھا جائے گا۔

اس تعارف سے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ اس اخبار کی محرک خود کمپنی کی حکومت تھی اور نہ اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اس کی ناشر انگریزی تجارتی کوٹھی کمپنی کی ہم نوا یا حلیف تھی۔ اس کے برعکس جہاں ایک طرف یہ کہا گیا کہ کمپنی کے علاقوں اور دیسی ریاستوں سے خبریں حاصل کرنے کے لیے سراغ رسانی کی جائے گی وہیں ایک طرح سے صلائے عام بھی دی گئی کہ ہر خاص و عام گمنام رہ کر ہر قابلِ اشاعت چیز بھیج سکتا ہے۔

پھر انگریزی اخباروں سے ترجمے کے معاملے میں بھی اڈیٹر نے یہ نہیں کہا کہ صرف حکومت دوست یا کسی خاص زمرے کے اخباروں ہی سے ترجمے شائع کیے جائیں گے۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی، میں اس اخبار کا جو ریکارڈ دستیاب ہے اس میں اس کے پہلے اسّی شمارے موجود نہیں۔ لہٰذا چیف سیکریٹری کا یہ ریویو جو اس کے پہلے چھے ماہ کے شماروں کا احاطہ کرتا ہے، جامِ جہاں نما کا مقام اور کردار معین کرنے کے لیے قابلِ اعتماد اور بہت قیمتی مواد ہے، جو فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے۔

چیف سیکریٹری نے اس اخبار کے سرکاری تجزیے کی بنا پر لکھا کہ اخبار نے صرف اسی مواد کے ترجمے شائع کیے جو اس کے اعلانیہ ارادوں کے موافق ہیں۔ مزید اس نے اپنے کالموں میں ہر قسم کے نامہ نگاروں کو جگہ دی اور برطانوی حکومت کی حلیف ریاستوں،

بالخصوص اودھ کے نظامِ حکومت پر کھلی اور بے دریغ تنقید کی۔

"عین شروع ہی سے اودھ کے بارے میں اس کے مضامین شکایتوں اور موجودہ نظام کے خلاف سخت تنقید سے بھرے ہوئے ہیں۔ وزیر اور بادشاہ دونوں پر زہریلے اور ناروا جملے کسے گئے ہیں۔ اخبار نے لکھنؤ، فتح گڑھ اور کانپور کے غیر مطمئن اور ناراض طبقوں کو (اودھ کے) موجودہ نظم و نسق پر اپنے کالموں میں خیالات کے اظہار کی دعوت دی تھی۔ اس پر تند و تیز گمنام مراسلوں کا ایسا تانتا لگ گیا کہ ۲۲ مئی کے شمارے میں اڈیٹر کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ وہ اودھ سے آنے والے بہت سے مراسلات پر توجہ نہیں دے سکتا کیوں کہ ان کے نیچے کوئی دستخط نہیں ہوتے۔

اڈیٹر نے مزید کہا کہ (آیندہ) وہ کوئی ایسا مراسلہ قبول نہیں کرے گا جس پر بھیجنے والے کا نام نہ ہو یا کسی ایسی تصدیق کے ذریعے یہ ضمانت نہ دی گئی ہو کہ مصنف بالآخر اس کے لیے جواب دہ ہوگا۔ اڈیٹر نے کہا کہ "اسے احساس ہے کہ کسی غلط ہتک آمیز یا کردار کش بیان کی اشاعت کی پاداش میں خود اس کے خلاف عدالتی کارروائی ہو سکتی ہے[۵۹]۔"

اخبار کے بارے میں خود اڈیٹر کی اس توضیح اور توبہ سے چند باتیں فوراً سامنے آتی ہیں۔

(۱) اودھ یا دوسری ریاستوں کے بارے میں اخبار کے اپنے خیالات کچھ بھی ہوں، صحافتی طور پر اس نے ان کے نظم و نسق کو قارئین کے لیے موضوعِ فکر بنایا۔

(۲) اس مقصد کے لیے اس نے نہ صرف آزادانہ اظہارِ خیال کی دعوتِ عام دی، بلکہ حقائق پر مبنی مواد بھیجنے والوں کے پس پردہ رہنے اور ان کی حفاظت کا وعدہ بھی کیا۔

(۳) عین ابتدا ہی میں اخبار صحافت کی حق گوئی کے بارے میں اپنے ہمعصر جیمس سلک بکنگھم کے شعار سے متاثر تھا اور صحافت کی عزت اور بلندی کے ولولے سے معمور تھا اور اس ولولے میں وہ اپنے اقدام کے نتائج سے بھی بے پرواہ تھا۔ یہاں گمنام مراسلوں کے بارے میں یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ اس دور کے انگریزی اخباروں میں بھی ایسے خطوط چھپتے تھے۔

کمپنی حکومت کے محکمہ داخلہ کے ریکارڈ میں اس دور کے "انڈیا گزٹ" کی ایک

ایسی مثال ملتی ہے۔ اس اخبار نے اپنے ۲۶ راگست ۱۸۲۲ء کے شمارے میں شاہِ اودھ کے بارے میں ایک ایسا خط شائع کیا تھا، جو حکام کی دانست میں "ہز مجسٹی شاہِ اودھ کے جذبات کو بے حد مجروح کرنے والا تھا۔" چنانچہ نہ صرف اس اخبار کو شاہِ اودھ کے خلاف آیندہ ایسی تنقید شائع کرنے سے منع کیا گیا، بلکہ چار اور مقامی انگریزی اخباروں (گورنمنٹ گزٹ، کلکتہ جرنل، جان بل اور ہرکارو) کے اڈیٹروں کو بھی اسے نقل کرنے کی ممانعت کی گئی۔[۹]

لیکن اس فہرست میں "جامِ جہاں نما" کا نام نہیں ملتا۔

چیف سکریٹری کے نوٹ میں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ آیا ان کے محکمے نے جامِ جہاں نما کی ناپسندیدہ مطبوعات پر اس کی کوئی سرزنش کی یا اسے تنبیہہ کی بلکہ اس کے برعکس دیسی پریس کا "ریویو" شروع کرنے سے قبل صراحت سے بتایا گیا کہ دیسی زبان کے کسی اخبار سے کوئی جرم سرزد نہیں۔

لہٰذا جامِ جہاں نما کی توبہ کے پیچھے تجربے پر مبنی پیش بندی کے علاوہ دیگر کن اسباب نے کام کیا۔ ان پر چیف سکریٹری نے کوئی روشنی نہیں ڈالی لیکن یہ ضرور بتایا کہ اخبار نے اپنی توبہ کی پابندی نہیں کی اور بعد کے شماروں میں بھی "حکومتِ اودھ پر طرح طرح کے الزام لگائے۔ بالخصوص ۲۴ رجولائی کے شمارے میں اڈیٹر نے واضح طور پر یہ اعتراف کرنے کے بعد کہ وہ شائع کردہ مواد کی تصدیق نہیں کرسکا، اس نے حکومت کے خلاف ملامتوں اور دشنام طرازیوں کا ایک پورا سلسلہ شاملِ اشاعت کردیا۔ اس سلسلے میں شاہِ اودھ پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے ایک قصبے کے شال بنانے والوں کے ایک طبقے کی دکانوں کو بلاوجہ مسمار کرنے کا حکم دیا اور ان کے اوزاروں اور مال کو جس کی قیمت دس ہزار روپے تھی دریا میں غرق کروادیا۔[۱۰] اس سے قبل ایک شمارے میں شاہِ اودھ پر اس "ناقابلِ تصور حماقت کا الزام لگایا گیا کہ انھوں نے اپنے تمام ملبوسات اور قیمتی سامان کو الماری سے نکلوا کر اسے اپنے سامنے جلانے کا حکم دیا اور آگ کے اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔[۱۱]"

سرکاری ریویو میں مزید کہا گیا کہ اودھ سے متعلق ان مطبوعات کے ابتدائی مرحلے میں ایک نامہ نگار کی رپورٹ کے ایک پیرے میں کہا گیا کہ "اس ریاست کی مصیبتوں اور

پریشانیوں کو ختم کرنے کا واحد طریقہ برطانوی حکومت کی مداخلت ہے۔[113]

یہ تجویز ایک نامہ نگار کی ذاتی رائے تھی جس سے اڈیٹر کا اتفاق کرنا ضروری نہیں ہوتا لیکن اسی تجویز کے حوالے سے جام جہاں نما کے ایک مبصر ڈاکٹری ایم ننکھد ہر نے یہ تاثر دیا ہے کہ جام جہاں نما نے شاہ اودھ پر جو تنقیدی مواد شائع کیا اس کا مقصد اس ریاست پر برطانوی حکومت کے قبضے کی راہیں ہموار کرنا تھا۔[114]

لیکن حکومت کے اس خفیہ ریویو سے ثابت ہوتا ہے کہ جام جہاں نما، آنریبل جان کمپنی کو کوئی ذہنی اطمینان بہم پہنچانے کی بجائے اس کے لیے شدید کوفت اور اذیت کا باعث بن رہا تھا اور یہ سامراج کا مؤید ہونے کی بجائے جمہوری خیالات کا حامی اور داعی تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اخبار جس کا بانی ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک ملازم تھا، جہاں انگریزوں کا کئی باتوں میں مداح تھا، وہیں ان کے بارے میں آزادانہ رائے کا اظہار بھی کر سکتا تھا۔

اہلِ اقتدار کی، خواہ وہ اپنی قوم کے ہوں یا کسی دوسری قوم کے بدنظمیاں اور بدعملیاں ہمیشہ صحافت کا موضوع رہی ہیں۔ جام جہاں نما کے لکھنے والوں میں وقائع نگاروں کے اس طبقے کی اکثریت تھی، جو سابق میں آزادیِ تحریر کی شاہی ہدایت کے تحت مقامی صوبیداروں امیروں اور رئیسوں کی سرگرمیوں کے بارے میں رپورٹیں مرتب کرتے رہے تھے۔ اب اس کے سامنے اپنے ملک کی تقریباً چالیس سال کی وہ انگریزی صحافت بھی تھی جس کے یورپی بانی اپنے ہم قوم اربابِ کمپنی کی بدعنوانیوں کو بڑی جرأت سے بے نقاب کر رہے تھے۔ ان کی مثال نے بھی دیسی صحافیوں کو دیسی اہلِ اقتدار کی انتظامی خرابیوں پر نکتہ چینی کی طرف مائل کیا۔

چیف سکریٹری کے اس ریویو میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جام جہاں نما نے یہ پیش کش بھی کی کہ اگر اس کی تحریروں میں شاہِ اودھ کو کوئی ہتک آمیز یا بے بنیاد بات نظر آئے، تو وہ اس کے خلاف عدالتی کارروائی کر سکتے ہیں۔[115]

لیکن اس تجویز کو مسٹر بیلی نے شاہِ اودھ کے وقار کے خلاف تصور کیا اور کہا کہ اگر ہز میجسٹی (شاہِ اودھ) ایسا راستہ اختیار کریں، تو وہ عوام کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔ موصوف نے بزعم خود شاہِ اودھ کے جذبات کا قیاس کرتے ہوئے کہا کہ عدالتی کارروائی کی بہ نسبت تو وہ کسی بھی ملامت اور اہانت کو قابلِ برداشت تصور کریں گے۔

Referring to Mr. Adam's minutes of the 14th August, 1822, Mr. W.B. Bailey wrote: "In his minutes, Mr. Adam has very fully discussed the important question of the freedom of the Press in its application to the present state of society in this country. He has stated his conviction that the license recently claimed and exercised in this respect has tended to weaken the proper influence of the Government." Mr. BAiley comments.

which I consider it essential that the Government should

licentiousness.

In the view which Mr. Adam has taken of this important subject, I entirely concur; and I regret that he has abstained from discussing that branch of the question which relates to the native Press. (Feeling however as I do that the latter may be converted into an Engine of the most serious mischief, I shall submit to the Board some brief remarks on the recent establishment in Calcutta of Newspapers in the Native languages, and shall state the grounds on

Mr. W.B. Bailey then proceeds to "remark in details on the contents of such papers in the native languages as they have fallen under my own immediate observation." He says: "There are at present four native newspapers published weekly in Calcutta, two in the Bengalee and two in the Persian language."

Proposals have also been recently circulated for the establishment in Calcutta of another Persian Newspaper, in which it is stated in the proposals, that this paper is set on foot in conformity with the wish and intimation of certain English Gentlemen. A native paper has also just appeared at Bombay. I shall confine my remarks to the Persian ones already published in Calcutta. (They are called the Jami Jehan Noomah and Mirat-ool-Akhbar; epithets

The Jami Jehan Numa made its first appearance on the 28th March last with a notice, that it would be published weekly at a charge of two Rupees per Mensem. The second number explains the scope and objects of the publication, which are declared to be ~~the promulgation of~~ articles of news from the English Papers &c. The procuring and making known intelligence of all that passes at the principal Cities of Hindoostan, whether foreign or within the Company's territories, and it invites in obscure and affected language, all persons who may ~~have any~~ wish or plan to communicate or any statements of facts to publish, to send the same to the Editor who will insert it in his paper and carefully conceal the name of the writer. Conformably with the intentions thus avowed, the Editor has acted upon the principles of copying from the English Papers, and publishing in Persian any article which may suit his purposes, of inserting all sorts of correspondence, and more especially of discussing openly and unreservedly

Mr.Bailey adds:"At an early stage of the Oude discussions a passage appears in one.

unreservedly the system of government pursued in Oude, and in other States allied to the British Government.

Hitherto the notices of Hyderabad affairs has been confined to praises of Raja Chandoo Lal's character and administration, who in the Paper of the 24th April is declared to enjoy so entirely the confidence of the Nizam, that not a single individual of the great Nobles of the Country so can approach near his Highness. (The articles respecting Oude have been

of the numbers as the sentiment of a correspondent, that there is no remedy for the evils which afflict the country, but the direct interference of the English Government. (The Calcutta Journal goes still further, and plainly states the entire assumption of the Government of Oude as the only cure. The Jam i Jehan Numa of the 12th June charges the British authorities directly with injustice and disregard of the obligations of good faith, in allowing British forces to be employed against

against Kasim Ali the Zemindar of Akberpore, adding however, that the British Government is bound by treaties and cannot help itself, though in reality it groans at the conduct of Agha Meer (the Minister) who is the cause of all the mischief.—

In a recent number of the Jam i Jehan Nooma, is a detailed statement of the domestic disputes which prevail in the family of the King of Oude and of the distressing events at Lucnow recently reported by the Resident in his dispatches of the 19 & 21 August last.

I cannot conceive any thing more calculated to excite disgust and indignation in the mind of the King than this printed exposure of the intrigues carrying on in the interior of his Palace, and of the dissentions between himself and his nearest connections.—

A subsequent number of the same Paper contains an article on Lahore News coming from a source obviously quite different from the ordinary native writers which ascribes to Raja Runjeet Singh acts, measures and language indicating the most decidedly hostile views towards the British Government, and which may very naturally prove a ground of offence to that Chief.—

The official remonstrances received from the King of Oude, and the dispatches from the Resident at Lucknow above alluded to, these attacks have excited very deep feelings of disgust and dissatisfaction in the mind of our ally, who sees too certainly in such unceasing clamours against his Government, and such pointed allusions to the only remedy for his alleged mismanagement, the prospect of extended disorders and opposition threatening the ultimate annihilation of his power; and who cannot separate fr the authority of a Government supreme and despotic throughout India, the lucubrations of a press operating under its immediate eye at the very seat of its splendour and power; To tell His Majesty, that he has a remedy in the Supreme Court in the

چیف سکریٹری کے ریویو سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے انگریزی اخبار بھی اودھ کے نظم ونسق کے خلاف رپورٹیں شائع کر رہے تھے۔ حکومت نے انھیں مقامی حکمرانوں کے نظم ونسق پر کسی طرح کی نکتہ چینی کرنے سے باز رہنے کی تحریری تنبیہہ دی لیکن ان اخباروں نے اس تنبیہہ کو جوں کا توں قبول نہیں کیا۔[۱۵]

اس وقت کمپنی کی حکومت دیسی ریاستوں کے بارے میں بڑی ذکی الحس تھی۔ ان میں سے متعدد ریاستوں کے حکمران، جن کا اقتدار بہت محدود لیکن مطلق العنان تھا، کمپنی بہادر کے، جس کی سامراجی ذہانت بڑی شاطرانہ اور تیز تھی، وابستگان اور حامی ہو گئے تھے۔ کمپنی بہادر انھیں اپنے وفادار اتحادی تصور کرتی تھی اور مختلف ریاستوں کے بارے میں بڑی دور اندیشانہ مصلحتوں سے کام لیتی تھی۔

اودھ کے معاملے کی خاص اپنی ہی نزاکت تھی۔ ابھی بمشکل تین ہی سال قبل اکتوبر ۱۸۱۹ء میں کمپنی کی منظوری سے اور انگریز ریذیڈنٹ کی موجودگی میں اودھ کے نواب وزیر غازی الدین حیدر کی تاجپوشی ہوئی تھی اور نیا لقب اختیار کر کے وزیر سے بادشاہ بن جانے والے سلطان کے لیے کمپنی کی حکومت اس کے اندرونی نظم ونسق میں عدم مداخلت کے مسلک کا اعلان کر چکی تھی۔[۱۶]

لیکن اس اعلان کی عمر ختم ہونے میں دیر نہ لگی۔

اسی اودھ کے جو اس کے زیرِ حفاظت تھا، بادشاہ واجد علی شاہ کے نظم ونسق سے بعد میں کمپنی اس قدر نالاں اور بیزار ہو گئی کہ اس نے بار بار انھیں تنبیہہ کی کہ وہ اپنے طور طریقوں کی اصلاح کریں لیکن جب اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے تو ۱۸۵۶ء میں نئے ریذیڈنٹ کرنل اوٹرم کو یہ ہدایت دے کر بھیجا گیا کہ وہ اودھ کے قبضے کو ختم کر دے۔ معاون ریذیڈنٹ، سر جوزف فیئرر نے جو لکھنؤ ریزیڈنسی میں سرجن کے عہدے پر فائز تھے، اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اودھ کے لوگ اپنی ریاست کو برطانوی صوبے میں بدلنے کے خیال سے نفرت کرتے تھے۔ وہ اپنے بادشاہ کو ان کی خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود بہتر سمجھتے تھے لیکن گورنر جنرل

لارڈ ڈلہوزی نے "ہماری نوآبادی میں آزاد علاقوں کو ختم کرنے" کی پالیسی بنائی تھی۔[۱۵]

لارڈ ڈلہوزی کے پیش رو لارڈ ویلزلی نے تو جنوری ۱۸۰۰ء ہی میں کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے صدر ہینری ڈنڈاس کو، جو اس وقت کے ٹوری وزیر اعظم ولیم پٹ کی سامراج پسند پالیسی کے حامی اور خود بھی اس پر عامل تھے، اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ میسور کے ٹیپو سلطان کو شکست دے کر سرنگاپٹنم کے قلعے پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور اب ان کی خواہش ہے کہ موقع ملتے ہی اودھ اور کرناٹک کو بھی زیر نگیں کر لیا جائے۔[۱۶]

چیف سکریٹری کے ریویو میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خود شاہِ اودھ اور لکھنؤ میں مقیم کمپنی کے ریذیڈنٹ کے مراسلوں میں اخباروں کی مذکورہ تحریروں کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا، جس سے چیف سکریٹری نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "ان تحریروں کی تکرار سے اودھ کے نظم و نسق کی آشتی اور سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے"۔ انھوں نے محسوس کیا کہ "اس نظام پر ایک ایسی زبان میں نکتہ چینی نہایت مکروہ اور تکلیف دہ ہے جسے ہندستان کا ہر اچھا تعلیم یافتہ باشندہ پڑھتا اور سمجھتا ہے"۔[۱۷]

اسی ریویو میں یہ اعتراف بھی موجود ہے کہ خود کمپنی کے ریذیڈنٹ کے دس اور بارہ اگست کے مراسلوں میں "لکھنؤ کے تکلیف دہ واقعات" کا ذکر ہے۔ لیکن کسی دیسی اخبار میں ریاستوں کی بدنظمی پر نکتہ چینی کے رجحان میں اربابِ کمپنی کو یہ خطرہ بھی محسوس ہوتا ہوگا کہ کہیں کل اس رجحان کا رخ ان کے نظم و عمل کی طرف نہ ہو جائے۔

بہرحال جام جہاں نما کی توجہ کسی ایک فرقہ کے حکمران کے نظم و عمل تک محدود نہیں تھی بلکہ حکمران کے مذہب سے قطع نظر اس کے شخصی شعورِ حکمرانی کی طرف مائل تھی۔ اگر ایک دن اس کا موضوعِ گفتگو شاہِ اودھ بنا تو دوسرے دن پنجاب کا مہاراجا رنجیت سنگھ۔

اس ریویو کے مطابق "جام جہاں نما" نے اگست (۱۸۲۲ء) کے ایک شمارے میں "لاہور کی خبر" کے عنوان کے تحت "مہاراجا رنجیت سنگھ کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا، جس میں ان سے ایسے افعال، اقدام اور اقوال منسوب کیے گئے تھے، جو حتمی طور پر برطانوی حکومت کے خلاف تھے اور جو قدرتی طور پر اس مہاراجا کی ناراضی کا باعث ہو سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ مضمون عام دیسی اخباروں سے باہر کسی اور ماخذ سے حاصل کیا

گیا ہے "یہ بہت اہم انکشاف ہے۔ اس سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جام جہاں نما اپنے ابتدائی زمانے ہی میں برطانیہ مخالف مواد چھاپ رہا تھا۔

مہاراجا رنجیت سنگھ سے متعلق ایسے مضمون کی اشاعت لارڈ ویلزلی کے ۱۷۹۹ء کے اس قانون کی کھلی خلاف ورزی تھی جس میں کسی دیسی ریاست کے ساتھ کمپنی کی صلح یا جنگ کی اشاعت کی ممانعت کی گئی تھی۔

اس انکشاف سے محققین کے اس نظریے کی تردید ہو جاتی ہے کہ اس اخبار نے اپنی زندگی کے چھٹے سال میں مہاراجا رنجیت سنگھ کے خلاف ایک مضمون شائع کیا جو کمپنی کے حکام کو ناگوار گزرا لہٰذا انھوں نے اس کی امداد اور سرپرستی بند کر دی۔

سرپرستی کا یہ نظریہ مارگریٹ بارنز امداد صابری، محمد عتیق صدیقی اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید سبھی نے پیش کیا ہے [۱۲] لیکن چیف سکریٹری کے مثار الیہ مفصل ریویو سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اخبار کو جو تقریباً روز اول ہی سے کمپنی کی برہمی کا باعث تھا، کوئی سرکاری سرپرستی یا امداد حاصل نہ تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سرورق پر کمپنی کے نشان کی اشاعت سرکاری خبریں اور دیگر صحافتی سہولتیں حاصل کرنے کی ایک تدبیر تھی۔ اس زمانے میں نوزائیدہ صحافت کی کامیابی اور ترقی کے لیے حکومت کی خوشنودی کی ضرورت تھی اور غالباً یہ اس سرکاری نشان کی اشاعت سے بآسانی حاصل کی جا سکتی ہوگی۔ گویا سرکاری نشان کی اشاعت محض ایک تجارتی تدبیر تھی۔ مزید ہری ہردت ایک ایسے خاندان کا فرد تھا جس کے بزرگ دو پشتوں سے کسٹم ہاؤس کے دیوان چلے آ رہے تھے۔ ان کے طرز زندگی میں سرکاری حلقوں سے قربت اور میلان قدرتی بات تھی۔ پس اخبار کو اس نشان کی اشاعت کی منظوری حاصل کرنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوئی ہوگی۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اخباروں پر ایک طرح سے نفسیاتی دباؤ رکھنے کے لیے سرکار بھی ایسی منظوری دینے میں فراخ دلی سے کام لیتی رہی ہو۔

بہر حال اخبار کے چلن سے پتا چلتا ہے کہ اس منظوری کے عوض ہری ہردت نے برطانوی حکام کی کاسہ لیسی، کھلی خوشامد یا جی حضوری کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ اپنی علم دوستی اور خود داری کو برقرار رکھا۔ ان کے سامنے اپنے اخبار کی صحافتی پیش رفت اور برتری تھی اور اس کے لیے وہ بعض اوقات سرکاری تقررات کے بارے میں

اسکوپ چھاپنے کا راستہ بھی اختیار کر سکتے تھے جسے ان دنوں خلافِ قانون تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ۲۲ر نومبر ۱۸۲۲ء کے کلکتہ جرنل میں ایک قاری کا حسب ذیل خط شائع ہوا۔

جام جہاں نما مورخہ ۱۳ نومبر ۱۸۲۲ء کے شمارے میں یہ خبر شائع کی گئی کہ ڈی۔ جے۔ بی پلاؤڈن، ڈبلیو ٹراور ایف۔ جے۔ سور صاحبان سول سروس میں لے لیے گئے ہیں۔ ان میں سے آخری نام کے علاوہ دیگر نام ۱۴ر نومبر کے سرکاری گزٹ میں موجود ہیں۔ اب میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا گورنر جنرل نے کسی بھی سرکاری اطلاع کو سرکاری گزٹ میں شائع ہونے سے قبل دیگر اخبارات میں شائع کرنے کی اجازت دے دی ہے؟ کیا یہ خلاف قانون نہیں ہے؟ اور اگر یہ قانون کے خلاف نہیں ہے تو پھر آپ اپنے پڑھنے والوں کو قبل از وقت ایسی اطلاعیں کیوں نہیں دیا کرتے ہیں؟ اور اگر یہ اقدام خلاف قانون ہے تو پھر جام جہاں نما کے مدیر نے قانون شکنی کیوں کی ہے؟ شاید سرکاری گزٹ کی توہین کے لیے؟ کیونکہ ایسا کون ہوگا جو سرکاری گزٹ کا خریدار بنے گا اگر اس گزٹ سے قبل ہی سرکاری خبریں جام جہاں نما میں شائع ہو جائیں جس کی قیمت صرف دو روپے ماہوار ہے[۱۲]

چیف سکریٹری کے ریویو میں جام جہاں نما کی ایک ایسی اشاعت کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو برطانیہ کی نیک نامی پر سیدھی تنقید تھی۔

اس کے ۱۲ر جون (۱۸۲۲ء) کے شمارے میں برطانوی حکام پر "ناانصافی اور بدعہدی" کا صریح الزام لگایا گیا اور لکھا گیا کہ انھوں نے "اکبرپور کے زمیندار قاسم علی کے خلاف اپنے ایک فوجی دستے کو استعمال کرنے کی اجازت دی"[۱۳] اس زمیندار اور حکومتِ اودھ کے وزیر آغا میر کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس میں برطانوی حکام نے مبینہ طور پر مداخلت آمیز دلچسپی لی۔

ظاہر ہے کہ جام جہاں نما کا یہ اندازِ تحریر کسی وظیفہ خوار اور مطیع یا امداد یافتہ اخبار کا نہیں جیسا کہ اکثر مورخوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہ فنِ صحافت ہی کا ایک انداز تھا اور آزادی پسند عصری انگریزی اخباروں، بالخصوص "کلکتہ جرنل" کی کارکردگی

سے جس سے حکومت کا یہ سارا فائیل تیار ہوا، مشابہ تھا۔

چیف سکریٹری کے ریویو سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جامِ جہاں نما مسٹر بکنگم کی سرگرمیوں میں خاص دلچسپی لیتا تھا۔ کلکتہ جرنل میں ڈاکٹر جیمسن کے بیک وقت چار چار عہدوں پر تقررات کی اشاعت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر جیمسن کی ساکھ کو اس سے بہت زک پہنچا تھا۔ دوسری طرف مسٹر بکنگم ایسے واقعات کی اشاعت کو اپنی صحافت کی ساکھ کا ضروری حصّہ تصور کرتے تھے۔ چنانچہ دونوں نے اس زمانے میں برطانوی سامراج کے رواج کے مطابق اپنی اپنی ساکھ کی حفاظت کے لیے ایک ڈوئیل لڑنے کا فیصلہ کیا۔ پھر یہ ڈوئیل فی الواقع ہوا بھی اور اس دنگل میں دونوں برابر رہے۔ کسی کی ہار جیت کا اعلان نہ ہوا۔

اس واقعے کی رپورٹ میں "جامِ جہاں نما" نے دیسی حلقوں کو یہ تاثر دیا کہ شاہِ برطانیہ نے مسٹر بکنگم کو ہندستان میں ایک نگراں اخبار نویس بنا کر بھیجا ہے، جس کا کام مقامی حکام کے نیک و بد کی رپورٹنگ کرنا اور یہ دیکھنا ہے کہ وہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کریں۔
مسٹر بیلی نے کہا کہ دیسی اخباروں کا ایسا موقف اختیار کرنا "مضحکہ خیز" ہے۔ انھوں نے لکھا:

> تاحال فارسی اخباروں نے عملاً کوئی زیادتی نہیں کی لیکن ان کے لب و لہجہ اور ان کے سرپرستوں اور معاونوں کے مقاصد سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دیسی اڈیٹر قدم بہ قدم آگے بڑھتے جائیں گے اور اپنے غلط فعل سے بریت کے تجربے سے بے باک تر ہوتے جائیں گے اور رفتہ رفتہ بالآخر تمام سرکاری اقدام اور سرکاری حکام کا احتساب کرنے کا حق اختیار کر لیں گے۔ ایسے حالات پیدا ہو جانے کی صورت میں موجودہ قوانین کے تحت حکومت کس طرح اس پریس کی آزادی کے آیندہ امکانات سے نمٹ سکے گی اور ہماری ہندستانی فوج کی تنظیم کے خلاف ہماری ہندستانی رعایا کے وسیع طبقوں کے جذبات اور مذہبی تعصبات کو بھڑکانے سے اسے کس طرح روک سکے گی؟[۳۳]

جیسا کہ اوپر کہا گیا مسٹر بیلی نے دیسی اخباروں کے سرپرستوں اور معاونوں کے مقاصد کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس زمانے کی تجارتی دوڑ اور نفسا نفسی کے عالم میں سرپرستوں

اور معاونوں کے اس طبقے سے یورپی تجارتی کوٹھیوں کو بھی خارج نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی ہی ایک کوٹھی جام جہاں نما کی پرنٹر ولیم ہاپکنس پیرس اینڈ کمپنی تھی۔ اس کا نام ایسے اداروں میں لیا جاتا تھا جو "ہز میجسٹی یا دی آنریبل کمپنی کی ملازمت میں نہیں" تھے ۲۳ ان میں سے کئی کمپنیوں کے مالک ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض ارباب کی بے دریغ لوٹ سے نالاں اور برہم رہتے تھے۔

پھر اپنے ریویو میں ایک جگہ مسٹر بیلی نے کہا ہے کہ "دیسی اخباروں کے اڈیٹر اپنے یورپی دوستوں اور سرپرستوں سے اخذ لیتے ہیں"۔ یہ اشارہ یقیناً یورپی صحافتی حلقوں کی طرف ہے۔ مسٹر بیلی لکھتے ہیں:۔

"یہ عین ممکن ہے کہ دیسی اڈیٹروں کی صحافت کی ترقی میں ان کے اخبار سارے ملک میں ایسی رپورٹیں، تنقیدیں اور نظریے پھیلانے کے وسیلے بن جائیں جو یورپیوں کی برطانوی رعایا کے خلاف تعصب، ذاتی مفاد، مایوسی، یا بغض پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے برعکس اگر ایک قانون کے تحت جو کسی سے ان کی نگرانی کی جائے تو دیسی اخباروں کو غیر معمولی اور وسیع فوائد کا وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور ان سے برطانوی ہند کی وسیع اور تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی میں مسرت اور خوشحالی کے فروغ اور ہمارے اداروں کی اصلاح کے لیے مفید اطلاعات کی اشاعت۔ تعصبات کی اصلاح اور سرکاری اقدام کی تکمیل کا کام لیا جاسکتا ہے" ۲۵

سرکار کے اس نظریے کی روشنی میں اس فراخ دلی کا بھی ادراک کیا جاسکتا ہے جو اس کی طرف سے "جام جہاں نما" کو اپنے سرورق پر سرکاری نشان کی اشاعت کی منظوری دینے میں نظر آتی ہے۔

مسٹر بیلی نے دیسی اخباروں کی اہمیت کا بھی اعتراف کیا اور کہا:۔

میں دیسی پریس کے معاملے کو حقیقی اہمیت کا ایک موضوع تصور کرتا ہوں۔ اس سے اپنے طفلی کے موجودہ زمانے میں خود کو اپنے آقاؤں کے افعال اور ارادوں کی اشاعت اور جارحانہ پڑتال کا حق دار جتانے کی کوشش میں تاحال تو کوئی جرم سرزد نہیں ہوا لیکن میرے سامنے ان کے آئندہ امکانات اور ان

کے امکانی نتائج ہیں ساتھوں نے اب تک قدرتی طور پر احتیاط کے ایک انداز سے بھی کام لیا ہے اور لوگوں کی بے حسی اور تجسس کی کمی کے باعث یہ اخبار ابھی زیادہ اشاعت بھی نہیں حاصل کر سکے ہیں لیکن ملک کے مختلف اور دور دراز حصوں میں اشراف اور تعلیم یافتہ ہندستانیوں کی توجہ ایک دیدشگون کی حامل صحافت کی نئی صنف کی طرف مائل ہوئی ہے اور کلکتہ کی پریذیڈنسی سے دور دہلی میں مقیم بادشاہ نے سرکاری طور پر فارسی اخباروں کی طلب کی ہے"[۵۳]

اس اقتباس میں ابتدائی دیسی اخباروں کی احتیاط پسندی کا حوالہ بہت اہم ہے۔ ان کے مقابلے میں یہاں کے ابتدائی "انگریزی اخبار بہت تند و تیز اور دریدہ دہن تھے۔ ان کے کالم نجی افراد پر ناشائستہ نکتہ چینیوں اور سرکاری اقدام پر ناجائز اعتراضات سے بھرے رہتے تھے"[۵۴] اسی لیے حکومت نے ان کے خلاف سخت قواعد نافذ کیے۔ ان کے خلاف حکومت کا عتاب ان کی واقعی موجودہ تحریروں کی بنا پر تھا لیکن دیسی اخباروں سے تو وہ ان کی احتیاط اور ضابطہ پسندی کے باوجود ان کے آیندہ امکانات سے خائف ہوگئی۔ یقیناً اس لیے کہ یہ زبان کے اعتبار سے عوام کے زیادہ نزدیک تھے۔ ان کی افادیت اور اہمیت کے اسی پہلو پر بیلی نے اپنے ریویو کے ایک اور حصے میں کہا:۔

"اس ملک کے لوگوں میں مفید معلومات کے فروغ کے لیے ایسے اخباروں سے زیادہ طاقتور اور پر اثر کوئی اور وسیلہ تصور نہیں کیا جاسکتا جو قیمت میں سستے ہوں اور وقفہ بوقفہ عقل و دانش کا ایسا مواد پیش کرتے ہوں جس سے عوام کے ذہن کو ہدایت ملے اور اس کی اصلاح ہو بشرطیکہ کام معاملہ فہم اور قابل منتظمین کی نگرانی میں ہوتا رہے۔ اس کے برعکس قیود سے آزاد اور نگرانی سے کوتاہ پریس خرابیوں کا حامل ہو سکتا ہے"[۵۵]

جام جہاں نما پر خاصی تفصیل سے لکھنے کے بعد چیف سکریٹری نے کہا کہ فارسی کے دوسرے اخبار "مرآۃ الاخبار" کے (جو راجا رام موہن رائے کی ادارت میں شائع ہوتا تھا) مندرجات بھی اسی کے پیرایے پر چل رہے ہیں۔

چیف سکریٹری کے ان خیالات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جام جہاں نما ہی

کے لب و لہجہ سے متاثر ہو کر حکومت نے دیسی صحافت کے بارے میں اپنا رویہ اور مسلک مرتب کیا اور اس سے اس کی بیداری اور سرکشی پیدا ہونے کے امکانات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔

امرِ واقع یہ ہے کہ "یہی خیالات بعد میں ہندستانی پریس کو دبانے کے لیے حکومت کے سخت گیر اقدام اور قوانین کا محرک بنے[۱۹]"

صحافت پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مسٹر بیلی نے سیرام پور کے اخباروں کو قابلِ تقلید نمونہ قرار دیا۔ ان اخباروں میں اس وقت بنگلہ کے دو اخبار دگ درشن (ماہنامہ) اور سماچار درپن (پندرہ روزہ) شامل تھے۔ یہ اخبار ایک مشنری ادارے، بیپٹسٹ مشن کے ہاتھوں میں تھے اور ان کا بنیادی مقصد عیسائیت کی تبلیغ کرنا اور برطانوی اقتدار کو تقویت دینا تھا۔

دستیاب معلومات کے مطابق جامِ جہاں نما نے، جسے کئی مورخ ایسٹ انڈیا کمپنی کا نفسِ ناطقہ تصور کرتے ہیں، ان اخباروں سے کوئی واضح اثر قبول نہیں کیا۔

مسٹر بیلی کے ریویو میں اس اخبار کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے جو اس کی خبر شناسی کے علاوہ اس کے سیکولر رجحان کی بھی نشاندہی کرتا ہے اور جو اس کے بعد کے شماروں میں اور بھی نمایاں ہو گیا۔

جنوب میں ۱۸۰۰ء سے قبل حیدرآباد دکن کی صوبیداری قریباً ساٹھ سال تک گھریلو تنازعوں اور لڑائیوں کا شکار رہی۔ انگریزوں نے اس کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لی اور ۱۲/اکتوبر ۱۸۰۰ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور نظام حیدرآباد میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے انگریزوں اور نظام کی حکومتوں میں دائمی دوستی اور اتحاد قائم رکھنا طے پایا۔[۲۰]

مسٹر بیلی کے لیے جو انگریزی سامراج کے ایک صاحبِ نظر محافظ تھے، حیدرآباد کے نظم و نسق پر نظر رکھنا بھی ان کے فرائض کا ایک حصہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے حیدرآباد کے بارے میں جامِ جہاں نما کی ایک ایسی خبر کا نوٹس لینا بھی ضروری سمجھا جو اپنے متن میں نہایت مختصر تھی لیکن اس ریاست کے اندرونی نظم و نسق کی عکاسی کرتی تھی۔ یہ اخبار کے صحافتی اور سیکولر رجحان کے علاوہ کسی اور میلان یا خطرے کی مظہر نہیں تھی۔ اخبار کے ۲۴/اپریل کے

شمارے کی اس خبر کے حوالے سے مسٹر بیلی نے کہا:۔

> اب تک حیدر آباد کے معاملات میں اخبار کی توجہ راجا چندولال کے نظم و نسق اور کردار کی تعریف و توصیف پر مرکوز رہی ہے۔ ۲۴ اپریل کے شمارے میں اس نے لکھا ہے کہ انہیں نظام کا اس قدر مکمل اعتماد حاصل ہے کہ ملک کے اہم شرفا اور رؤسا کا کوئی فرد (ان کی اجازت کے بغیر) ہز ہائی نیس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

مسٹر بیلی کے ریویو میں راجا چندولال کا یہ ذکر اہمیت سے خالی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ایک بڑی دلچسپ داستان ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اس زمانے میں اپنی قابلیت اور چابکدستی کا لوہا گورنر جنرل سے منوایا اور حیدر آباد کے ایک برٹش ریذیڈنٹ لارڈ چارلس میٹکاف کی جس نے اس کی نیت پر شک کیا تھا اور گورنر جنرل سے اس کی شکایت کی تھی حیثیت صفر کر دی تھی۔ اس واقعے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سامراجی عزائم پر بھی بڑی روشنی پڑتی ہے اور بڑے وثوق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب جام جہاں نما نہ صرف ان عزائم سے واقف تھا بلکہ برٹش سامراج کی دکھتی رگوں کو چھوتا اور چھیڑتا بھی رہتا تھا۔

بے شمار محققین اور مؤرخین نے برٹش راج کے سامراجی عزائم اور اقدام کے تجزیے اور جائزے پیش کیے ہیں لیکن آج تک جام جہاں نما کے مندرجات کی روشنی میں ان عزائم کا مشاہدہ یا مطالعہ نہیں کیا گیا! اس مسکین اخبار کے ماتھے کے عارضی سرکاری ٹیکے نے اس کے دل و جگر کو اس قدر ڈھانپ دیا کہ کسی کو اس کے پاس بیٹھ کر اس سے سرگوشی کرنے کا اشتیاق ہی پیدا نہ ہوا۔ بھلا ہو چیف سکریٹری بیلی کا کہ اس نے نہ صرف اس کے ماتھے کے ٹیکے کے پیکان کو قبول نہ کیا بلکہ اس کے جگر میں اتر کر اس کا جائزہ بھی لیا اور اس کے رگوں میں نئے اقتدار کے بارے میں اس کے گرم احساس کو دریافت کیا جو پوری دیسی صحافت کو اس اقتدار کے خلاف گرما سکتا تھا۔

راجا چندولال حیدر آباد کے نظام نواب سکندر جاہ کی وزارتِ عالیہ کے ایک ممتاز رکن اور بے مثال منتظم تھے۔ ان کے حسنِ انتظام سے نظام اس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے راجا چندولال کے خاندان میں پیش کاری کے عہدے کو موروثی قرار

دے دیا۔ نظام دکن حضرت آصف جاہ سادس غفران مکان کے مدارالمہام مہاراجا بہادر سرکشن پرشاد شاد انھیں کے خاندان سے تھے۔ راجا چندو لال اردو اور فارسی کے باکمال سخنور بھی تھے اور شاداں تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں قتیل اور اردو میں شاہ نصیر دہلوی سے تلمذ تھا۔ انھوں نے استاد ذوق اور حضرت ناسخ کو دکن میں بلایا تھا۔ تیس برس تک منتظم ریاست رہ کر ۱۲۶۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔[۱۳۹]

مغل سلطنت کے آخری ایام میں کمپنی کے حکام کو خدشہ ہوا کہ حیدرآباد دکن پر مرہٹے قابض ہو جائیں گے۔ چنانچہ مذکورہ بالا معاہدے کے حوالے سے انھوں نے اس کے صوبیدار کے جسے نظام کہا جاتا تھا دفاع اور تحفظ کی ذمہ داری خود سنبھال لی۔ اس وقت دکن پر دہلی کے مغل حکمران کی فرماں روائی برائے نام ہی تھی اور یہ حکمران ایسٹ انڈیا کمپنی کا وظیفہ خوار تھا۔ چنانچہ کمپنی کے صاحبانِ اختیار حیدرآباد دکن کے خود ساختہ فوج دار بن گئے۔

کمپنی کے اس کردار پر اس کے ایک حلیف، جان ولیم کے J. W. KAYE نے اپنی اس تصنیف میں جو انھوں نے حیدرآباد کے متذکرہ صدر ریذیڈنٹ لارڈ چارلس میٹکاف جو بعد میں ترقی کرتے کرتے گورنر جنرل کے منصب پر بھی پہنچے حیات اور خط و کتابت پر تحریر کی ہے، لکھتے ہیں:

> حیدرآباد کی ریاست ہماری ایک قدیم حلیف اور بظاہر سب سے وفادار رفیق تھی۔ اس کی وسعت اور سرحدوں کے پیشِ نظر ہم اس کی سالمیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اور اسے بیرونی حملوں اور مرہٹوں کی بے باک جارحیت سے بچانے کے لیے اس کی آزادی کا تحفظ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء میں حیدرآباد کی مسند کے متعدد دعویداروں میں سے سکندر شاہ (جاہ) برطانوی حکومت کی مدد سے مسند نشین ہوئے۔ لیکن وہ ایک غبی اور بے اصول شخص تھا اور مشرقی حکمرانوں کے پورے قبیلے کی طرح نہایت متلوّن مزاج تھا۔ اُس نے نہ تو برطانوی احسانات کا خیال کیا اور نہ اپنے مددگاروں پر اعتماد کیا۔ اس کے برعکس وہ ہمارے اثر و رسوخ سے جلتا تھا اور ہماری نگہبانی سے مضطرب تھا وہ اپنے بد طینت مشیروں کے ہاتھوں میں کھیلتا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ کھلم کھلا

ایک حریف بن گیا ہوتا لیکن اس کی توجہ عورتوں سے عیش و نشاط کی طرف مائل ہوگئی۔ ساتھ ہی وہ اس حکومت کے خلاف چھوٹی چھوٹی سازشیں کرنے لگا جس نے اسے اتنی بڑی ریاست کا حکمران بنایا تھا اور جو اسے پھر ویسا ہی مٹی کا مادھو بنا سکتی تھی جیسا کہ اس نے (دہلی کے) "مغل اعظم" کو بنایا تھا۔

انگریز مخالف سکندر جاہ کو اس طرح بیان کرنے کے بعد جان ولیم نے ان کے وزرا کو ہندو مسلمان کے جس فرقہ وارانہ پیرائے میں پیش کیا اس سے بھی فرنگی کے انداز فکر و نظر کی جامع عکاسی ہوتی ہے۔

"سکندر شاہ کے طفیلیوں اور بدطینت مشیروں میں سرفہرست ایک ہندو صاحب موہی پت رام تھے۔ یہ صاحب نظام کے وزیر میر عالم (ALLAH) کے اچھے اثرات کو زائل کر دیتے تھے۔ میر عالم کا تقرر ۱۸۰۴ء میں کمپنی کے حکام کی سفارش ہی پر ہوا تھا۔ وہ ریاست کے ایک پرانے اہل کار تھے جنھیں برطانوی حکومت سے معاہدے کی گفت و شنید کے لیے متعین کیا گیا تھا اور جنھوں نے اس سے قبل ٹیپو سلطان سے جنگ کے زمانے میں بڑی خوبی سے نظام کی امدادی افواج کی کمان کی تھی۔ دریں حالات یہ صاحب عیسائی اتحادیوں کے مفاد کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے اختیارات کا احترام کرتے تھے۔ لیکن موہی پت رام انھیں ہٹا کر خود اس کی جگہ لینا چاہتے تھے۔ ۱۸۰۶ء میں اس عیار ہندو کی مساعی بہت زور پکڑ گئی تھیں۔ اس نے نئے ریذیڈنٹ کیپٹن سیڈنہم کو تیس ہزار روپے کی رشوت پیش کی لیکن ریذیڈنٹ نے اسے قبول نہ کیا اور موہی پت رام اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔

"میر عالم کا مالی معاون ایک ہندو تھا جس کا نام چندو لالی تھا۔ یہ شخص سوجھ بوجھ کی قوت اور عادات کی سرگرمی سے سرفراز تھا اور اندرونی نظم و نسق بالخصوص ریاست کے مالیاتی کام کی نگرانی بڑی لگن اور خوبی سے کرتا تھا۔ چنانچہ ریذیڈنٹ سیڈنہم نے اس کے لیے قدر و منزلت روا رکھی۔"

"میر عالم کی عمر کافی ہوگئی تھی اور ان کی صحت بھی اب خراب رہتی تھی۔ ۱۸۰۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی جانشینی حکومت برطانیہ کے لیے ایک نہایت اہم

مسئلہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کمزور اور نااہل نظام کا معاون کوئی ایسا شخص ہو جو برطانیہ اور حیدرآباد کے معاہدہ دوستی کا حامی اور ہمدرد ہو۔ اس مسئلے پر برطانوی ریذیڈنٹ اور نظام میں طویل گفت وشنید ہوئی۔ اس کی بنا پر یہ سمجھوتہ ہوا کہ گو وزیر اعظم کے منصب پر نظام کے نامزد منیر الملک ہی فائز ہوں گے لیکن بالفعل ان کے معاون چندولال نظم ونسق کا کام انجام دیں گے۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ برطانوی حکومت کے ریذیڈنٹ کو چندولال کے سازگار رویے پر اعتماد تھا۔[۳۳]"

اس تقرر میں برطانیہ کے ذہن کی نوعیت عیاں ہے۔ ایک ہندو موہی پت رام میار لا تھا اور اسے اس کے منصب سے ہٹانا ضروری تھا۔ دوسرا ہندو چندولال نیک اور لائق تھا اور اسے اس کے اعلیٰ افسر سے زیادہ اہم بنانا ضروری تھا کیونکہ وہ برطانیہ کے لیے دوستی کے جذبات رکھتا تھا۔

ریذیڈنٹ کیپٹن سیڈہم کے بعد ان کے جانشین مسٹر ہینری رسل نے تقرر (۱۸۱۰ء) بھی چندولال کو منیر الملک پر ترجیح دی کیونکہ موخر الذکر کو برطانیہ سے دوستی کا کوئی چاؤ نہیں تھا۔ امر واقع یہ تھا کہ کمپنی کے حکام منیر الملک کو ہٹا کر اس کی جگہ چندولال کو ترقی دینا چاہتے تھے۔[۳۴]

ہینری رسل کے بعد ۱۸۲۰ء میں ریذیڈنٹ کے منصب پر چارلس میٹکاف کا تقرر ہوا۔ اس سے قبل یہ صاحب کلکتہ میں گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز کے سیاسی سکریٹری اور مشیر تھے اور چندولال کی صلاحیتوں سے کما حقہ واقف تھے۔ انھوں نے اپنے تقرر سے قبل گورنر جنرل کی منظوری سے ریذیڈنٹ ہینری رسل کو حیدرآباد کے نظم ونسق میں اصلاحات کے لیے ایک منصوبہ بھیجا تھا جس کے نفاذ کے لیے چندولال کا تعاون حاصل کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ کلکتہ میں مقیم خود گورنر جنرل بھی چندولال کی صلاحیتوں کے قدردان تھے۔ انھوں نے اپنی کونسل کی طرف سے انھیں یقین دلایا تھا کہ ریاست میں اصلاحات کے نفاذ میں برطانوی حکومت ان کی پشت پر ہے۔[۳۵] چندولال گورنر جنرل سے براہ راست خط وکتابت کر سکتے تھے اور گورنر جنرل ان کے خطوط کے ترجمے بورڈ کی میٹنگوں میں پیش کرتے تھے اور انھیں تمام ممبروں کی توجہ میں بھی لاتے تھے۔[۳۶]

حیدر آباد میں چارلس میٹکاف کی آمد سے قبل ہینری رسل راجا چندو لال سے تفصیلی بات چیت کر چکے تھے۔ چندو لال خود بھی ریاست کے نظم و نسق میں اصلاحات کے خواہاں تھے اور انھوں نے اس کے لیے ایک ٹریبونل بھی قائم کر دیا تھا۔[۳۳]

چارلس میٹکاف نے ریذیڈنٹ کا منصب سنبھالتے ہی منیر الملک اور راجا چندو لال سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے دوران انھوں نے دیکھ لیا کہ منیر الملک نام ہی کے مدار المہام تھے۔ نظم و نسق کے اصل مختار راجا چندو لال ہی تھے۔

ٹیپو سلطان سے جنگ میں جب انگریزوں کی فتح ہو گئی تھی تو انھوں نے اس کی سلطنت تقسیم کر دی تھی۔ اس میں سے نظام حیدر آباد کو بھی ایک علاقہ دیا گیا تھا جس کی وجہ سے ان سے ایک نیا معاہدہ کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ اس معاہدے کی دفعات بہت حد تک ہینری رسل نے مرتب کر دی تھیں لیکن ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے۔ یہ کام میٹکاف کے حصے میں آیا۔ میٹکاف کو کلکتے سے چلتے وقت گورنر جنرل نے اس معاہدے میں اضافے کے لیے ایک ضمیمہ دیا جس کی رو سے نظام حیدر آباد کو کمپنی کی حکومت کی عنایات کے عوض سولہ لاکھ روپے کی رقم ادا کرنے کے لیے کہا گیا تھا جسے شہر کلکتہ کی اصلاح و بہتری پر خرچ کیا جانا تھا۔ لارڈ میٹکاف نے راجا چندو لال کی وساطت سے معاہدے اور اس کے ضمیمے کی مکمل دستاویز کے لیے نظام کی تحریری منظوری حاصل کر لی لیکن بعد میں مزید غور و خوض کی بنا پر، گورنر جنرل نے نظام سے سولہ لاکھ روپے کی شکرانے کی رقم لینے کا فیصلہ بدل دیا اور اسے معاہدے کی دفعات سے خارج کر دیا گیا۔[۳۵]

اس ترمیم کی ایک وجہ غالباً ریاست حیدر آباد کی مالی حالت کی ابتری تھی۔ ریاست کے بجٹ میں سالانہ دس لاکھ روپے کا خسارہ ہو رہا تھا۔ یہ ریاست اس وقت اندرونی خلفشار کے علاوہ ایک انگریزی تجارتی کوٹھی ولیم پامر اینڈ کمپنی کے قرضوں کے بوجھ سے نڈھال تھی۔ لارڈ میٹکاف ان حالات کی تفصیل چندو لال سے حاصل کرتے رہے۔ نظم و نسق میں اصلاحات کے کمپنی کے منصوبے کے حوالے سے لارڈ میٹکاف نے چندو لال سے اپنے تعلقات کو اس حد تک استوار کر لیا تھا کہ وہ ریاست کے حساب کتاب کی فائلیں انھیں دکھانے کے لیے ریذیڈنسی میں لے آیا کرتے تھے۔

ولیم پامر اینڈ کمپنی دولت کی ہوس میں غلطاں تھی اور برطانوی ریذیڈنسی کے کچھ افسروں سے ساز باز کر کے ریاست کی مشکلات کا استحصال کر رہی تھی۔[۱۳۹] اس کمپنی نے راجا چندولال سے بھی اچھے تعلقات قائم کیے ہوئے تھے۔

اس کمپنی کے کئی حصے دار تھے جن میں سے ایک سر ولیم رمبالڈٹ تھے جو گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز کے داماد تھے۔

اس کمپنی کے کئی حصے دار لارڈ مٹکاف کے بھی دوست تھے لیکن لارڈ مٹکاف اس کی لوٹ کھسوٹ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس سے بڑے پریشان اور برہم تھے۔ وہ گورنر جنرل کی توجہ سے اس کی روک تھام کرنا چاہتے تھے۔ اس کمپنی کے معاملات میں وہ راجا چندولال کو بھی شک کی نظر سے دیکھنے لگے اور انھیں اس کا ایک معاون تصور کرنے لگے۔[۱۴۰]

انھوں نے یہ سارے تاثرات گورنر جنرل کو تحریر کیے لیکن گورنر جنرل نے انھیں ان کی بدگمانیاں قرار دیا۔ گورنر جنرل کے پاس راجا چندولال کا ایک تو اپنا پختہ اندازہ تھا اور دوسرے سر ولیم رمبالڈٹ بھی انھیں خط لکھتے رہتے تھے۔

مسٹر مٹکاف کے ایک خط کے جواب میں لارڈ ہیسٹنگز نے ۲۷ اگست ۱۸۲۱ء کے اپنے مکتوب میں لکھا:

"آپ نے اس وزیر (چندولال) کے لیے مذمتی زبان استعمال کی ہے۔ اس سے مجھے کوفت ہوئی ہے۔ اس معاملے میں میں آپ کو یہ بتانے میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں کرنا چاہتا کہ میں اس شخص کی حمایت کرنے کے لیے شخصی طور پر پابند ہوں۔ اگر ہم اسے یہ یقین نہ دلاتے کہ برٹش گورنمنٹ اس کی پشت پر رہے گی تو وہ ان اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوشاں نہ ہوتے جن کے نفاذ کے لیے ہم نے ان سے اصرار کیا تھا۔[۱۴۱]"

مسٹر مٹکاف نے اپنے جواب میں گورنر جنرل کے نظریے کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ یہ بھی اعتراف کیا کہ:

گو وہ چندولال کی کئی سرگرمیوں سے اتفاق نہیں کرتے لیکن انھیں ان کا کوئی کوئی متبادل بھی نظر نہیں آتا اور انھیں یہ بھی خدشہ ہے کہ اگر کسی ہدایت بالا کے تحت وہ

وہ چندو لال کو ان کے منصب سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے تو اس فعل کو نظام ایک ادر مداخلت تصور کریں گے اور اس کی مخالفت کے لیے کمربستہ ہو جائیں گے[۲]

بہرحال لارڈ مٹیکاف کو اس امر پر بہت قلق تھا کہ ولیم پامر اینڈ کمپنی کے طور طریقوں نے ریاست کو نادار اور قلاش کر دیا تھا۔ ریاست کی بہت ساری اراضی قرضوں کے عوض اس کمپنی کے سپرد ہو گئی تھی اور اس کا مالیہ یہ کمپنی ہی وصول کرتی تھی۔ اس کمپنی نے اتنی زیادہ حیثیت حاصل کر لی تھی کہ ان دنوں یہ وہاں مقامی برٹش ریذیڈنٹ اور گورنر جنرل ہند سے بھی زیادہ طاقتور ہو گئی تھی۔ اس کے سربراہ ولیم پامر کے بیٹوں کے جو انگلینڈ میں پڑھتے تھے، اخراجات کی رقوم کا بار نظام کے خزانے پر تھا۔ اگر یہ رقوم کبھی ادا نہ کی جاتیں تو انھیں ۲۵ فیصد سود کی شرح سے کمپنی کی کتابوں میں نظام کے حساب میں بڑھا دیا جاتا اور اس طرح نظام کے قرضے کی رقم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا تھا۔[۳]

گورنر جنرل کو اپنے ایک خط میں لارڈ مٹیکاف نے لکھا:

> اپنے تعلقات کی بدولت یہ کمپنی ایک سرکاری ایجنسی کی طرح اپنے قرضوں کی رقوم وصول کر رہی ہے اور اس مقصد کے لیے یہ جبر اور ظلم کے اقدام بھی کر رہی ہے جن سے برطانیہ کی نیکنامی داغ دار ہونے کا احتمال ہے۔ اس کا اندازِ عمل ایک تجارتی کمپنی کو زیب نہیں دیتا۔[۴]

لارڈ مٹیکاف ریاست کے قرضوں کے مالی بار سے اس قدر پریشان ہوئے کہ ۱۸۲۱ء میں انھوں نے ایک ایسی مصالحتی اسکیم تیار کی جس سے نظام کے مالی بوجھ میں بھی کمی ہو اور اس تجارتی کوٹھی کا کاروبار بھی بند نہ ہو۔ اسکیم یہ تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کلکتہ میں چھ فیصد در پر قرضہ حاصل کرنے کا ایک منصوبہ قائم کرے جس کی ضامن برطانوی حکومت ہو اور اس قرضے سے حاصل ہونے والی رقم سے نظام پر ولیم پامر اینڈ کمپنی کے تمام واجبات ادا کر دیے جائیں۔[۵]

قرضے کی اس اسکیم سے گورنر جنرل کی سپریم کونسل کے ممبر جان ایڈم اور اس وقت کے اکاؤنٹنٹ جنرل مسٹر شیرر SHERER نے اتفاق کیا لیکن گورنر جنرل نے اسے فوراً رد کر دیا۔ بلکہ انھیں چارلس مٹیکاف کی اس اُپج پر بہت طیش آیا اور انھوں

اسے لکھا:

آپ نے کوئی ابتدائی تجویز بھیجے بغیر یکایک قرض کی اس تدبیر کا منصوبہ بنا کر بھیج دیا ہے حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ کونسل میں نظام کے (مالی) معاملات ایک نزاعی مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ آپ کو یہ تجویز بھیجنے سے قبل یاد ہونا چاہیے تھا کہ میں نے ماضی میں ایسی ہی ایک اسکیم رد کر دی تھی کیونکہ یہ میرے قانونی اختیارات ہی میں نہیں کہ میں کوئی ایسی اسکیم منظور کروں۔[۱۴]

طویل بحث مباحثے کے بعد چارلس مٹکاف نے گورنر جنرل کے نظریے کو تسلیم کر لیا اور ان سے معذرت کرتے ہوئے لکھا:

چندو لال کے بارے میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میری گستاخی ہوگی کہ میں اس وزیر کے بارے میں آپ کی رائے سے لاپروائی یا بے اطمینانی برتوں۔ کلکتہ چھوڑنے سے پہلے یا بعد میں نے اس شخص کے خلاف کبھی کوئی خراب جذبہ یا خیال اپنے دماغ میں داخل نہیں کیا۔[۱۵]

اس زمانے میں یہ سارا معاملہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مالیاتی معاملوں کے محکمے میں ایک نہایت گرم موضوع تھا اور ہری ہر دت اسی محکمے میں ملازم تھے۔ چنانچہ وہ چندو لال کی حیثیت اور اہمیت سے خوب خوب واقف ہو گئے اور جب انھوں نے اپنے اخبار میں ان کے بارے میں مذکورہ بالا خبر شائع کی تو ظاہر ہے کہ اس کی پشت پر ہری ہر دت کی یہ واقفیت اور صحافت شناسی کار فرما تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس رجحان کا اظہار بھی فراواں تھا۔ اپنے تبصرے کے آخر میں مسٹر بیلی نے کہا:

فارسی و بنگلہ کے تمام موجودہ اخباروں میں اور بھی قابل اعتراض تحریریں ہیں لیکن میں انھیں مثالوں پر اکتفا کر رہا ہوں جو میں نے اوپر پیش کی ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اس نے جامِ جہاں نما کی ناگوار تحریروں میں سے صرف چند نمونے ہی پیش کیے۔ حقیقتاً اس کے دامن میں کانٹوں کی افراط تھی۔

مسٹر بیلی نے اپنے ریویو کے آخر میں آنریبل کمپنی کی غرض و غایت بھی بیان کی اور انگلستان کے اربابِ اختیار کو تاکید کی کہ وہ ان کی تجویز کو منظور کریں۔ انھوں نے کہا:

"مجھے پوری امید ہے کہ انگلستان کے اہلِ اختیار جن پر اب اس معاملے کے فیصلے کا انحصار ہے، اس موضوع پر اس ملک کے معاشرے کی نوعیت اور حکومت کے سیاق میں توجہ سے غور کریں گے اور ان کا فیصلہ اس امر کا حامل ہوگا کہ ہندستان میں برطانوی حکومت کا اقتدار قائم رہے، ہماری نوآبادی کی سلامتی کو فروغ ملے اور ہمارے زیرِ اقتدار رہنے والوں کا حقیقی فائدہ ہو۔[۳۱]"

اس ریویو پر کونسل کے سینئر ممبر مسٹر جان ایڈم نے، جو ہیسٹنگز کے بعد گورنر جنرل بھی مقرر ہوئے، لکھا:

"میں اس (فائل) میں صرف یہی اضافہ کروں گا کہ مسٹر بیلی نے دیسی پریس کا کردار اور رجحان جس قابلیت سے بیان کیا ہے اُسے پڑھ کر مجھے بہت اطمینان ہوا ہے اور میں صدقِ دلی سے اس کے ہر حصے سے اتفاق کرتا ہوں۔[۳۲]"

یہ ہوشربا اور بلیغ جائزہ جام جہاں نما کے ابتدائی تقریباً چھے ماہ کے شماروں کا ہے۔ اس زمانے میں گو اس کی زبان زیادہ تر فارسی رہی لیکن اس اخبار کے وجود میں اُردو اور فارسی دونوں کی صحافت شیروشکر تھی۔ اس کے اردو اور فارسی اڈیشن اپنے مندرجات میں ایک دوسرے سے آزاد ہوتے ہوئے بھی مجموعی طور پر ایک ہی سکے کے دو رخ تھے۔

اس کے اجرا کے لیے ہری ہردت نے اپنی درخواست میں "فارسی اور ہندستانی" اس کی دو زبانیں لکھی تھیں لیکن اس کا آغاز ہندستانی (اردو) سے ہوا۔

اس کے ہمعصر "جان بل" کے مطابق جام جہاں نما کے آٹھویں شمار سے (مورخہ ۱۵ مئی ۱۸۲۲ء) سے اس میں فارسی کا ایک کالم شروع کیا گیا جو اس درجہ مقبول ہوا کہ دو شماروں کے بعد ہی اخبار اردو کی بجائے پورے کا پورا فارسی میں شائع ہونے لگا..... اس طرح گویا ۲۹ مئی ۱۸۲۲ء سے اس کے فارسی دور کا آغاز ہوا۔[۳۳]

زبان کی اس تبدیلی پر "کلکتہ جرنل" نے لکھا:

"ہندستانی مقبولِ عام زبان ہے جو روزانہ بول چال میں زیادہ اور تحریر میں کم رائج ہے۔ اس کے علاوہ ہندستانیوں میں اخبار بینی کا ذوق بہت کم ہے

یا شاید صرف ان افراد تک محدود ہے جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ اس لیے یہاں کا کوئی اخبار ان لوگوں کے تعاون کی توقع نہیں کر سکتا جو صرف ہندستانی جانتے ہیں اور جن لوگوں کو بہتر مواقع میسر ہیں وہ فطری طور پر فارسی زبان کے اخبارات کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ فارسی ہر اس شخص کی تعلیم کا جز ہے جو کسی بھی درجے میں اپنی فضیلت اور برتری کا مدعی ہے۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ اور متمول لوگوں میں اپنی برتری کا اس درجہ احساس ہے کہ وہ عوام الناس کی زبان استعمال کرنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔[۴۴]"

جدید اردو زبان کی علمی اور ادبی نشو و نما کا یہ غالباً اہم ترین دور تھا۔ اس دور سے قبل اس کی توجہ صرف شعر و شاعری اور وہ بھی فارسی سے متاثر شعر و شاعری پر مرکوز رہی لیکن اس کی صحافت کی نئی صنف کے لیے نثر کی ضرورت تھی۔ اس طرح بول چال کی مقبول عام زبان ہندستانی سے تحریری کام لینے کے مواقع پیدا ہو گئے۔ انھیں مواقع کے مستقبل کو ملحوظ رکھتے ہوئے "کلکتہ جرنل" کے مدیر نے نو مشق دیسی اخبار نویسوں کو اس طرف راغب ہونے کا مشورہ دیا۔ اس نے مزید لکھا:

" دراصل پریس ہی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے کہ ہندستان جیسے وسیع و عریض ملک میں ایک ہی عام فہم زبان رائج ہو جائے۔ اگر یہ کام انجام پذیر ہوا اور اگر اس مقولے میں کچھ بھی صداقت ہے کہ 'بہترین حکومت وہ ہے جو بہترین انداز سے چلائی جائے' تو پریس کا یہ کارنامہ ہندستان کے لیے ایک ایسا عطیہ ہوگا جس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔[۴۵]"

معلوم ہوتا ہے کہ جام جہاں نما کا ناشر بھی کچھ ایسے ہی انداز سے سوچ رہا تھا، چنانچہ ایک سال کے بعد اس نے دوبارہ اپنے اردو اخبار کی، جو اس وقت عوام سے مخاطب ہونے کا ایک نرالا تجربہ تھا، اشاعت شروع کر دی۔ اب یہ فارسی اخبار کے ضمیمے کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس کے بارے میں ضمیمے کے سرورق پر انگریزی زبان میں ایک اعلان تھا جس کا متن ہمیں نیشنل آرکائیوز کے ریکارڈ میں موجود اوّلین شمارے (مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۸۲۴ء، نمبر ۱) میں ملتا ہے۔ سرورق کا یہ اعلان حسب ذیل ہے:

"مدیر جام جہاں نما نہایت ادب کے ساتھ یہ امر عوام کے گوش گذار کرتا ہے کہ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ اخبار کو معاونین کے یورپی طبقہ کے خریداروں کے لیے زیادہ دلچسپ پُرلطف اور مفید بنانے کی غرض سے آیندہ اس کا ایک ضمیمہ خالص ہندستانی یا اُردو زبان میں شائع کیا جائے گا۔ اس کی قیمت میں ایک معمولی سا اضافہ ہوگا۔ اگر اسے فارسی کے اخبار کے ساتھ خریدا جائے تو اس کی قیمت چار آنے فی پرچہ یا ایک روپیا ماہانہ ہوگی لیکن اگر صرف اردو ضمیمہ خریدا جائے تو اس کا چندہ دو روپے ماہانہ ہوگا۔"

اس اعلان سے، جس کے اوپر "نوٹس" کا عنوان ہے، صاف ظاہر ہے کہ گویہ ضمیمہ فارسی اخبار کے ساتھ شائع ہوتا تھا پھر بھی اس کی ایک الگ اور آزاد حیثیت تھی اور صرف اردو پڑھنے کے خواہش مند اصحاب اسے الگ بھی حاصل کر سکتے تھے۔ اس کی خبریں بالعموم فارسی حصے سے جُداگانہ ہوتی تھی۔

یہ اعلان عام پبلک کے لیے تھا لیکن اس میں یورپی طبقے کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے کیونکہ اس طبقے میں اشاعت بڑھنے کے امکانات زیادہ تھے۔ اس طبقے کے خصوصی ذکر سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس اخبار میں سرکاری تقررات، تبادلوں اور بیویوں کی دلچسپی کی دیگر خبروں کا شمول کیوں ہوتا تھا۔ یہ اعلان ہر شمارے میں پابندی کے ساتھ شائع نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ بعض مؤرخین نے کہا ہے۔[۳۵]

متذکرہ شمارے کے فارسی حصے کے سرورق پر بھی ایک اعلان ہے لیکن اس پر کوئی عنوان درج نہیں۔ اس میں کہا گیا ہے:

"یورپی اصحاب جو اس اخبار کو پڑھنے کے لیے یا اپنے دفتر کے ہندستانی ملازمین میں، علم کے فروغ کی فراخ دلانہ خواہش کے لیے خریدنا چاہیں، وہ تارا چند دت (احلی کولوٹولا) سے اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کا ماہانہ چندہ تین روپے ہے جس میں اردو کا ضمیمہ بھی شامل ہے۔"

اس اعلان کے حوالے سے محمد عتیق صدیقی نے کہا ہے کہ "اس عبارت سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ کلکتے اور اس کے گرد و نواح کے صاحبان ذیشان اور دیگر یورپی اصحاب کے فارسی ذوق کی غرض سے یہ اخبار جاری کیا گیا تھا۔"[۳۶]

یہ "اندازہ" غلط ہے۔ اخبار صرف "یورپین اصحاب" ہی میں اپنے قارئین کا حلقہ نہیں بنانا چاہتا تھا، اگرچہ اس حلقے میں وہ اپنی اشاعت وسیع کرنے کا خواہش مند ضرور تھا اور یہ عین واجب بھی تھا کیونکہ اس وقت "یورپین اصحاب" از خود فارسی اور اردو دونوں سیکھنا چاہتے تھے اور یہ رجحان ایک دیسی اخبار کے تجارتی عزائم کے مطابق بھی تھا۔ اخبار کے مجموعی حلقے میں "بہیترے قدرشناس" بلکہ "اہلِ ہند" شامل تھے۔ اس کی وضاحت ہمیں اخبار کے اس بیان سے ملتی ہے جو اس نے اردو حصے کی اشاعت بند کرنے پر شائع کیا تھا۔ اس نے لکھا:

"اس لحاظ سے کہ بہیترے قدرشناس جنھوں کی لطف گستری سے اس کاغذنے رونق اور شہرت پائی، اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے اور اہلِ ہند، جن کی زبان ہی فارسی ہے، وہ فارسی کی تحریر چاہتے ہیں، خاکسار نے مناسب سمجھا کہ آیندہ ہفتے سے ہندی فرمان کے عوض ایک فرمان اور بھی فارسی میں لکھا جائے ..... آج تک آٹھ صفحے فارسی اور اردو کے چار چھپتے تھے ..... آیندہ سے بارہ صفحے فارسی ہی میں چھاپے جائیں گے اور تین روپیے ماہواری بدستور بحال رہیں گے۔"

یہ اخبار "پبلک" (شمارہ ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء) یعنی سب لوگوں کے لیے تھا خواہ وہ کسی طبقے سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔ اس کا ثبوت اخبار کے ایک اور اعلان سے ملتا ہے۔ تاریخِ انگلستان کے ترجمے کے سلسلے کی اشاعت کے آغاز پر اس نے لکھا:

"سب خاص و عام کی خدمت میں گزارش کیا جاتا ہے کہ انگلینڈ کی سلطنت کا حال انگریزی تاریخ میں مفصل لکھا ہوا ہے اور بنگلہ زبان میں بھی وہ تاریخ ترجمہ ہوئی مگر اردو زبان کے سمجھنے والے اس احوال سے خوب اطلاع نہیں رکھتے۔ اس واسطے مناسب ہوا کہ سوئم جارج کے عہد سے انگلینڈ کی سلطنت کا حال بر سبیل اختصار لکھا جاوے ....."

(شمارہ یکم مارچ ۱۸۲۶ء)

ظاہر ہے کہ تاریخِ انگلستان کا اردو ترجمہ یورپی یا انگریز صاحبان کے لیے "دلچسپ، پُرلطف اور مفید" نہیں ہوسکتا تھا مزید اخبار نے "سب خاص و عام کی خدمت میں

گذارش کرتے ہوئے یہ بھی کھل کر کہہ دیا کہ "اردو زبان کے سمجھنے والے اس احوال سے خوب اطلاع نہیں رکھتے۔"

اس کے بعد اس نے محاربات نپولین کے ترجمے کا سلسلہ شروع کیا اور اس سلسلے میں بھی "صاحبان ذیشان اور دیگر یوروپین اصحاب" کے لیے ایک اردو کاغذ میں کوئی "دلچسپ، پر لطف اور مفید" بات نہیں ہو سکتی تھی۔

دراصل یہ باور کرنا ہی خیالوں کی ایک جنت بسانے کے برابر ہے کہ اس زمانے میں نو حاصل شدہ اقتدار کے نشے میں چور صاحبان کمپنی یا دیگر نووارد یورپی اُردو یا فارسی یا کسی اور دیسی زبان کا اخبار پڑھنے کے لیے بیقرار تھے اور اسے اپنے دفتر کی میز پر یا اپنے ڈرائنگ روم میں رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ہمارے دیسی اخباروں کی اشاعت درجنوں میں نہ ہوتی کم از کم ایک دو سو فی اخبار تو ہو جاتی لیکن ۱۸۲۶ء کے ایک سرکاری اندازے کے مطابق "جام جہاں نما" کی اشاعت صرف ۲۶ تھی۔

اسی زمانے میں "شمس الاخبار" کے اڈیٹر کی طرف سے قارئین کی بے توجہی کی شکایت کرتے ہوئے اخبار کی اشاعت بند کر دینے پر سرکاری اخبار "کلکتہ گزٹ" اپنے ۲۱ر مئی ۱۸۲۷ء کے شمارے میں لکھتا ہے:

> "کلکتہ کی حدود سے باہر دیسی اخباروں کا کوئی وجود نہیں ہے اور جو اخبار کلکتہ میں چھپتے ہیں ان کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی طباعت کی لاگت کی رقم بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ کیا اس پریذیڈنسی میں صحافت پرست یورپی حضرات دیسی اخباروں کی مدد کے لیے کوئی رقم صرف کرتے ہیں۔ خواہ یہ رقم چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، پر وہ اپنے اصولوں کی مسلسل پیروی تو کرتے ہوں گے لیکن یہ ہماری بڑی بے خبری ہوگی، اگر دیسی اخباروں کے لیے یورپیوں کی سرپرستی صفر کے برابر ہو۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس پر افسوس کا اظہار کیا جائے۔ زبردستی کے پھل کی کوئی خواہش نہیں کرتا اور دیسی اخبار اس وقت تک ترقی نہیں کریں گے جب تک انھیں دیسی لوگوں کی معاونت حاصل نہ ہو[۴۵]۔"

ایک سرکاری اخبار کی اس بیباک رائے زنی کے بعد بھی یہ تصور کرنا کہ جامِ جہاں نما" کلکتہ اور اس کے گرد و نواح کے یورپین اصحاب کے لیے جاری کیا گیا تھا" حقائق سے صریح انحراف ہوگا اور چیف سیکریٹری مسٹر بیلی کے ریویو سے تو اس خیال کی سراسر تکذیب ہو جاتی ہے کیونکہ اگر "جامِ جہاں نما" کوئی سرکاری یا نیم سرکاری گزٹ ہوتا یا اس کی غرض اسے "صاحبانِ ذیشان اور دیگر یورپین اصحاب" کے لیے مخصوص کرنا ہوتی تو مسٹر بیلی اپنے ریویو میں اس سے کسی خوف یا خطرے کا اظہار نہ کرتا اور نہ اسے اتنی اہمیت دیتا کہ راجا موہن رائے کے "مرآۃ الاخبار" کو بھی پس پشت ڈال دیتا جو ایک بااداریہ اخبار تھا[۱۳] اور جو بقول مسٹر بیلی عیسائی مشنریوں کی تعلیمات اور سرگرمیوں پر بھی نکتہ چینی کرتا تھا۔

مسٹر بیلی نے اپنے جائزے میں بار بار اسے دیسی آبادی میں "شرانگیزی کا انجن" بن جانے اور اس آبادی کے ذوق اور مزاج کو بگاڑنے والے وسیلے کی حیثیت سے دیکھا ہے اور ۷ صفحات کے اپنے طویل ریویو میں کسی ایک جگہ بھی اسے یورپیوں کے شوق یا ذوق سے جوڑنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

اخبار کے مندرجات کے بارے میں ہم مسٹر بیلی کی رائے سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ان کے دفتر میں اس اخبار کے ایک ایک صفحے کا باقاعدہ مطالعہ ہو رہا تھا اور وہ اسے ہفتہ بہ ہفتہ تول رہے تھے۔ اسی مطالعے کی بنا پر وہ اس کے مواد کے بارے میں اس کی قوتِ انتخاب اور اندازِ پیش کش سے خائف تھے اور پھر اس قدر برہم ہوئے کہ اپنے افسرِ اعلیٰ کے طلب کرنے کے بغیر اس کا اتنا تفصیلی اور طویل تجزیہ پیش کیا۔

یہ درست ہے کہ اصحابِ "جامِ جہاں نما" اسے یورپی لوگوں تک پہنچانے کے آرزومند تھے لیکن یہ آرزو اخبار کے مرتبے، اس کی اشاعت، آمدنی اور قارئین کے دائرے کو بڑھانے کے لیے تھی۔ اخبار سے ایک یورپی تجارتی کوٹھی کا بھی تعلق تھا جو اپنی شہرت اور تجارتی اغراض کے لیے اسے یورپی اصحاب اور ان کے دفتروں کے ہندستانی ملازمین سے متعارف کرنا چاہتی ہوگی۔ مزید اس کے اڈیٹر منشی سداسکھ لال کا شغل انگریزوں کو اردو پڑھانا تھا۔ اس تعلق کا بھی جامِ جہاں نما پر اثر پڑا۔ یہ اخبار بڑی حد تک انگریز نوآموزوں کے لیے ایسا مواد بہم پہنچاتا تھا جس سے انھیں اردو

پڑھنے کی مشق ہو جاتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کی پیشانی پر انگریزی زبان میں ایک نوٹ ہوتا تھا جس کے مخاطب انگریز تھے۔[۹]"

ہمیں یہ امر بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اخبار کا ایک الگ کمرشل منیجر تارا چند دت تھا جس کے ساتھ ہر شمارے میں اخبار کے تجارتی امور کے بارے میں خط و کتابت کرنے کا اشتہار دیا جاتا تھا۔ گویا اخبار اپنے تجارتی پہلو پر بھی خصوصی توجہ دے رہا تھا

مسٹر بیلی کے ریویو کا یہ اشارہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ شاہِ دہلی نے کمپنی کے حکام سے سرکاری طور پر کلکتہ کے فارسی اخبار طلب کیے تھے۔

اخبار کے "نوٹس" میں فروغِ علم کے زاویے پر خصوصی توجہ دی گئی تھی اور یہی اس کے بانی کا بنیادی مسلک معلوم ہوتا ہے گو تجارت کا عنصر بھی اس سے لازماً ملحق ظاہری ہوتا بنگلہ، فارسی، انگریزی اور اردو سے کماحقہ واقفیت رکھتا تھا اور اپنی علمی استعداد کی بدولت وہ صحافتی دھن میں بھی سرشار تھا۔ اسی دھن نے اسے "خالص ہندستانی یا اُردو" میں اوّلین اخبار جاری کرنے کی طرف مائل کیا۔

حواشی

۱۔ J.N.NATARAJAN:" HISTORY OF INDIAN JOURNALISM P.18

۲۔ MAJUMDAR: RAM MOHUN ROY AND PROGRESSIVE MOVEMENT P P. 282-284 بحوالہ محمد عتیق صدیقی مذکرہ، ص ۱۴۵

۳۔ HOME PUBLIC DEPARTMENT CONS.NO. 8 DT. 17OCTOBER 1822

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰؎ ایضاً

۱۱؎ ایضاً

۱۲؎ ایضاً

۱۳؎ DR.B.M.SHANKHDHAR: PRESS POLITICS & PUBLIC OPINION IN INDIA DEEP & DEEP PUBLICATIONS, NEW DELHI, 1984 P. 97

۱۴؎ HOMEPUBLIC IBID

۱۵؎ ایضاً

۱۶؎ HUGH DAVID SANDEMAN, ED. : SELECTIONS FROM CALCUTTA GAZETTE, 1816-1823 VOL.V 1869 P P. 320-322

۱۷؎ SIR JOSEPH FAYRER BART:"RECOLLECTIONS OF MY LIFE," BLACKWOOD & SONS, LONDON, P P. 94,95

۱۸؎ C.H.PHILLIPS:"THE EAST INDIA COMPANY, 1784-1834",LONDON 1961. P. 104, 138 QUOTED BY DR.B.M.SHANKHDHAR, IBID P.64

۱۹؎ HOME PUBLIC, IBID

۲۰؎ مارگریٹا بارنز۔ متذکرہ۔ ص ۱۱۱
محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۱۵۵-۱۵۸
امداد صابری۔ متذکرہ۔ ص ۴۳ ڈاکٹر عبدالسلام۔ متذکرہ۔ ص ۲۵

۲۱؎ شانتی رنجن بھٹاچاریہ۔ "جام جہاں نما اور ہری ہر دت" ماہنامہ آج کل۔ دہلی۔ جون ۱۹۷۲ء ص ۱۵

۲۲؎ HOME PUBLIC, IBID

۲۳؎ ایضاً

۲۴؎ THE CALCUTTA ANNJAL DIRECTORY AND FIRST QUARTERLY REGISTER, IBID P.363

۲۵؎ HOME PUBLIC, IBID

۲۶؎ ایضاً

۲۷؎ A.F.M.ABDUL ALI:"PERSIAN NEWSLETTERS IN THE HON'BLE JOHN

COMPANY'S DAYS," BENGAL, PAST & PRESENT, JAN-JUNE 1927 P.34

۲۸؎ HOME PUBLIC, IBID

۲۹؎ IQBAL SINGH:"RAM MOHUN ROY" VOL II & III (COMBINED EDITION), ASIA PUBLISHING HOUSE, NEW DELHI 1987 P. 508

۳۰؎ THE CALCUTTA ANNUAL DIRECTORY & FIRST QUARTERLY REGISTER, IBID APPENDIX P P. 198, 199

۳۱؎ سری رام۔ تذکرہ ہزار داستان المعروف بہ خمخانۂ جاوید، ہمدرد پریس۔ دہلی ۱۹۲۷ء جلد چہارم۔ ص ۳۷۱، ۳۷۲۔

۳۲؎ J.W.KAYE:THE LIFE & CORRESPONDENCE OF CHARLES, LORD METCALFE, LATE GOVERNOR GENERAL OF INDIA, GOVERNOR OF JAMAICA & GOVERNOR GENERAL OF CANADA, LONDON 1854 VOL II P.2, 3

۳۳؎ ایضاً۔ ص ۵ - ۶

۳۴؎ ایضاً۔ ص ۱۲

۳۵؎ ایضاً۔ ص ۵۵

۳۶؎ ایضاً۔ ص ۷۱

۳۷؎ ایضاً۔ ص ۱۹

۳۸؎ ایضاً۔ ص ۲۵

۳۹؎ ایضاً۔ ص ۶۵ تا ۶۷ اور MISCELLANEOUS RECORDS, FOREIGN DEPTT. SERIAL NO.173, 1822, NATIONAL ARCHIVES OF INDIA

۴۰؎ جے۔ ڈبلیو۔ کے متذکرہ۔ ص ۵۹

۴۱؎ ایضاً ص ۵۵، ۸۲

۴۲؎ ایضاً ص ۵۷

۴۳؎ ایضاً ص ۴۷

۴۴؎ ایضاً ص ۵۹

۴۵؎ ایضاً۔ ص ۵۱ تا ۵۲

۴۶؎ ایضاً۔ ص ۸۳

۴۷؎ ایضاً۔ ص ۸۵

۴۸؎ HOME PUBLIC, IBID

۴۹؎ ایضاً

۵۰؎ نادر علی خاں "اردو صحافت کی تاریخ ۵۷۔ ۱۸۲۲ء" ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علی گڑھ ۱۹۸۷ء ص ۳۶

۵۱؎ INDO IRANICA(QUARTERLY) OCT.1947, P.18

بحوالہ نادر علی خان متذکرہ۔ ص ۳۶

۵۲؎ ایضاً

۵۳؎ "یہ نوٹس ہر اشاعت میں پابندی کے ساتھ شائع کیا جاتا تھا۔"
محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۱۴۰

۵۴؎ ایضاً ص ۱۵۴

۵۵؎ "THE DAYS OF JOHN COMPANY," IBID P.231

۵۶؎ نادر علی خان۔ متذکرہ۔ ص ۳۸

۵۷؎ مناظر عاشق ہرگانوی۔ " اردو جام جہاں نما" آج کل۔ نئی دہلی۔ فروری ۱۹۷۵ء، ص ۴۴

پانچواں باب

خبروں کے نمونے

"جام جہاں نما" کے اردو ضمیمے کے دستیاب ریکارڈ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اخبار نے کئی جدتوں اور تجربوں سے کام لیا۔ ان تجربوں کی کیفیت اور وسعت قابلِ توجہ ہے۔ یہ تجربے اس کے مذکرہ اعلان کے امین تھے کہ اسے "زیادہ دلچسپ، پرلطف اور مفید بنانے کی غرض سے آیندہ اس کا ایک ضمیمہ خالص ہندستانی یا اُردو زبان میں شائع کیا جائے۔"

چار اوراق کا یہ ضمیمہ اپنے فارسی اخبار کے ساتھ ۲۳ مئی ۱۸۲۳ء سے ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء تک یعنی چار سال آٹھ ماہ تک باقاعدگی سے چھپتا رہا۔ اور اس عرصے میں اس کے کل ۲۴۱ شمارے چھپے جن میں سے پہلے ۴۱ عمومی اور بعد کے ایک سو تاریخی سلسلوں کے حامل تھے۔ اس میزان میں ابتدائی اسّی شمارے نیشنل آرکائیوز، نئی دہلی کے ریکارڈ میں دستیاب نہیں۔ باقی ۱۶۱ شماروں میں کل تقریباً پانچ سو خبریں چھپیں جو اس زمانے کی دشواریوں اور قلتوں کے باوجود تنوع اور موضوعات کے عمدہ نمونے پیش کرتی ہیں۔

ان میں سے عمومی شماروں میں جو فروری ۱۸۲۶ء تک چھپتے رہے فی شمارہ اوسطاً چار خبریں ہوتی تھیں۔ ایک خبر کی طوالت ایک کالم سے تین کالم تک ہوتی تھی۔ لیکن بعض اوقات سارے شمارے میں ایک ہی خبر ہوتی تھی جو اس کے تمام آٹھ کالموں پر محیط ہوتی تھی۔ مثلاً شمارہ نمبر ۷ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۸۲۵ء میں "لکھنؤ کی خبر" اور شمارہ نمبر ۱۱ مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۲۵ء میں "لکھنؤ کی خبر" اس بنا پر اخبار پر طول نویسی کا الزام عائد

ہو سکتا ہے لیکن اس کی طول نویسی کی طرح اس کی مختصر نویسی بھی حیرت انگیز تھی اور بعض اوقات ایک خبر صرف ایک جملے کی ہوتی تھی۔ مثلاً ۱۳ر جولائی ۱۸۲۵ء کے شمارہ نمبر ۱۰۷ کی یہ خبر دیکھیے :

"مرزا ایوب شاہزادے کی خبر

اخبار کے وسیلے سے جانا گیا کہ ایوب مرزا کابل کے شاہزادے جو اٹک میں وارد تھے ان دنوں لاہور میں آئے ہوئے ہیں۔"

اس کی اوسط کی بنیاد پر اگر جام جہاں نما کے ابتدائی غیر دستیاب ۸۰ شماروں کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو اُردو ضمیمے میں کل ۶۲۰ خبریں چھپیں۔ اس میزان میں اخبار کے ۱۸۲۲ء کے عین شروع کے ان چھے یا آٹھ شماروں کی خبریں شامل نہیں جن کے اوراق کی تعداد فی شمارہ آٹھ تھی اور جو تمام تر اُردو خبروں پر مشتمل تھے۔

دستیاب عمومی شماروں میں خبروں کے موضوعات بیشتر دیسی حکمرانوں۔ ان کے درباروں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریذیڈنٹوں کے احوال ہوتے تھے۔ یہ اس زمانے کی سیاسی اور سماجی زندگی کے نہایت اہم پہلو تھے اور حاکم کمپنی کی خوشنودی سے بھی میل کھاتے تھے ان کے علاوہ وقتاً فوقتاً عوام کے رسم و رواج اور عمومی زندگی سے متعلق وارداتیں ہوتی تھیں۔ نئی ایجادوں کے بارے میں سائنسی خبریں بھی ہوتی تھیں۔ خبروں کی زبان سادہ اور پیشکش معلوماتی ہوتی تھی۔ گاہے گاہے انسانی دلچسپی HUMAN INTEREST کی لطیف اور فرحت افزا خبریں بھی ہوتی تھیں جو اکثر انشائیہ نگاری کی عمدہ مثالیں ہوتی تھیں۔

دیسی صحافت کے اس نہایت ابتدائی دور میں یہ نہایت منفرد تجربے تھے۔ اس وقت اخبار کو نہ صرف بول چال کی ایک زبان کو صحافت کی نئی صنف کے شیشے میں اتارنے کے مسائل تھے بلکہ اپنے ایسے نامہ نگاروں سے بھی سابقہ تھا جن کے سامنے اپنے حکمراں کو صرف ایسے احوال پیش کرنے کی روایت تھی جو موٹے طور پر اس کے احکام کی تعمیل سے متعلق ہوں۔ جام جہاں نما کے کارپردازوں نے اخبار کو دلچسپ اور مقبول بنانے کے لیے نہ صرف ایک زیر تشکیل زبان کی صلاحیتوں کی صورت گری کی بلکہ شاہ کے احکام کی تعمیل سے پرے خبر نگاری کے نئے میدان دریافت کیے۔

یکم مارچ ۱۸۲۶ء (شمارہ نمبر ۱۴۲) سے اس نے تاریخی سلسلوں کی اشاعت شروع کی۔ ان میں ہر شمارے میں اکثر ایک اور کبھی کبھار دو خبریں ہوتی تھیں لیکن اس کی ایک ایک خبر میں تاریخ کے پورے مرحلے کی جزئیات بیان کی جاتی تھیں۔ اور گاہے گاہے اڈیٹر کی رائے کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ ان "خبروں" کی نوعیت ایک علمی مضمون کی ہوتی تھی۔ ان تین سلسلوں میں سب سے پہلے انگلستان پھر فرانس اور پھر اورنگ زیب کے منتخبہ زمانوں کے احوال بیان کیے گئے جو چند انگریزی کتابوں سے ترجمہ کیے گئے تھے۔ ان کے مصنفوں کے نام نہیں بتائے گئے۔

"تاریخِ انگلستان" کے آغاز پر یہ اعلان کیا گیا :۔

"سب خاص و عام کی خدمت میں گزارش کیا جاتا ہے کہ انگلینڈ کی سلطنت کا حال انگریزی تاریخ میں مفصل لکھا ہوا ہے اور بنگلہ زبان میں بھی وہ تاریخ ترجمہ ہوئی۔ مگر اردو زبان کے سمجھنے والے اوس احوال سے خوب اطلاع نہیں رکھتے۔ اس واسطے مناسب ہوا کہ سیوم جارج کے عہد سے انگلینڈ کی سلطنت کا حال بر سبیل اختصار لکھا جاوے۔ اس واسطے کہ ایک ہفتے کے کاغذ میں گنجائش محال (ہے) ہر ہفتے میں تھوڑا تھوڑا لکھا جاوے گا۔"

(شمارہ یکم مارچ ۱۸۲۶ء)

عین ممکن ہے کہ اس تاریخ کے انتخاب میں اخبار کے فرنگی مشیروں کا بھی دخل رہا ہو لیکن اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اخبار اپنے سرکولیشن اور تجارتی امکانات کی اصلاح اور اپنے معاونین کے حلقوں میں یورپینوں کے شمول کے لیئے ہمیشہ کوشاں رہا۔ اس سلسلے میں اگر برطانیہ کی ثنا خوانی ہوئی تو ہندستان میں حاکم ایسٹ انڈیا کمپنی کی بدعنوانیوں اور بدعملیوں کا بھی ذکر ہوا۔

"تاریخِ انگلستان" کا یہ سلسلہ قریباً چار ماہ رہا اور پھر ۲۱ رجون ۱۸۲۶ء کے شمارے سے نپولین بوناپارٹ کے محاربات کے تذکرے سے فرانس اور انگلستان کی جنگوں کی تاریخ کا سلسلہ شروع کیا گیا جو ۱۰ رجون ۱۸۲۷ء تک جاری رہا۔ اس سلسلے میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور میسور کے ٹیپو سلطان کے تعلقات اور پھر ان کی گھمسان کی لڑائی میں سلطان

کی شجاعت اور شہادت کے احوال بھی پیش کیے گئے۔

۱۷؍جون ۱۸۲۷ء کے شمارے سے تاریخ عالم گیری کا سلسلہ شروع ہوا جو ۲۳؍ جنوری ۱۸۲۸ء کے اخبار کے آخری اردو ضمیمے تک جاری رہا۔

اس شمارے میں اردو حصے کو بند کرنے کی جو وجہ بیان کی گئی اس سے ایک بار پھر یہ ثابت ہوگیا کہ اس کے کارپرداز یہ تمام تجربے سرکولیشن بنانے کے لیے کرتے رہے۔ لیکن یہ تمام تجربے ناکام ہوگئے۔ اس ناکامی کے سلسلے میں جو اعلان کیا گیا وہ اردو (صحافت) کے تعلق سے ضرور دل شکن تھا لیکن فارسی (صحافت) کے لیے نہیں۔ اس کا متن حسب ذیل تھا:

"اشتہار

سب والا گہروں کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ تاریخ عالمگیری کا ترجمہ تمام ہوگیا۔ اب اس خاکسار کو منظور ہے کہ الف لیلیٰ کی کتاب کا آغاز سے انجام تک ترجمہ کرکے کہ وہ قصہ بہت مطبوع اور حکایتیں اس کی ایسی دلچسپ ہیں کہ پڑھنے والے اس کاغذ کے بے اندازہ مسرت اٹھاویں گے۔ وہ کتاب آج تک بالکل ہندی فارسی میں ترجمہ بھی نہیں ہوئی۔ ہرچند کتاب کا ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں مشکل (ہے) اس ہیچمدان کی کیا مجال کہ ترجمے ارادے (سے) اخبار کے کاغذ میں اس کو داخل کرے۔ ایسی کتاب کا ترجمہ کرنا مجھ بے استعداد کا کام نہیں صرف مطلب اس کا اگر سست لفظوں میں اور نادرست عبارت میں ادا ہو پس غنیمت ہے۔ پر اس لحاظ سے کہ بہتیرے قدر شناس جنھوں کی لطف گستری سے اس کاغذ نے رونق اور شہرت پائی اُردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے اور اہلِ ہند جنھوں کی زبان (اردو) ہے وے فارسی تحریر چاہتے ہیں۔ میں خاکسار نے مناسب سمجھا کہ آیندہ ہفتے سے ہندی فرمان کے عوض ایک فرمان اور بھی فارسی میں لکھا جاوے۔

اس شرط کی قید نہیں کہ ہر ہفتے میں صرف الف لیلیٰ کی حکایتیں لکھی جاویں۔ جو کبھی اور رنگین کہانی یا دل لگی کی بات ہاتھ لگے گی تو وہ بھی لکھی جاوے گی۔ میرا مطلب یہی ہے کہ جس میں اس اخبار کے پڑھنے والے خوشی سے پڑھیں اور یہ

کاغذ نمود پائے اور خریداروں کے لیے بھی کچھ رنج نہ ہو۔آج تک آٹھ صفحے فارسی اور چار اردو کے چھپتے تھے۔آیندہ سے بارہ صفحے فارسی میں چھاپے جاویں گے اور تین روپے ماہوار بدستور رہیں گے۔"

اس "اشتہار" سے پتا چلتا ہے کہ اخبار کا ادارہ تاریخ عالمگیری کے بعد اردو ضمیمے ہی میں "اپنے پڑھنے والوں کی مسرّت کے لیے" الف لیلیٰ کی پوری کتاب کا ترجمہ شائع کرنا چاہتا تھا "کہ وہ قصہ بہت مطبوع اور حکایتیں اس کی دلچسپ ہیں اور وے کتاب آج تک بالکل ہندی فارسی میں ترجمہ بھی نہیں ہوئی۔" لیکن ایسا نہ کیا گیا کیونکہ اخبار کے بہت سارے قدرشناس "اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے اور اہلِ ہند جنھوں کی زبان (اردو) ہے وے فارسی تحریر چاہتے ہیں۔" گو کہ "اس کاغذ نے رونق اور شہرت پائی" تھی۔

اس اختتامی اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار میں تواریخی سلسلوں کی اشاعت بھی ایک صحافتی تجربہ تھی اور یہ اخبار کی مجموعی شخصیت کو بدلنے کا کوئی اقدام نہیں تھا۔ اخبار کی مجموعی چال ڈھال سے نادر علی خاں کے اس نظریے کی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ "زمانے کی ستم ظریفی سے یہ اخبار علمی رسالے میں منتقل ہوگیا۔"[۳۵] اس کا اردو اڈیشن روزِ اول سے روزِ آخر تک ایک اخبار کی طرح جاری رہا۔ پونے دو سال تک تواریخی سلسلے چھاپنے کے بعد الف لیلیٰ جیسی دلچسپ کتاب کا ترجمہ پیش کرنے سے قبل خود اڈیٹر نے کہا ہے کہ وہ اپنے اخبار پر اس کی مسلسل اشاعت کی قید نہیں لگاتا بلکہ "جب کبھی اور رنگین کہانی یا دل لگی کی بات ہاتھ لگے گی وہ بھی لکھی جاوے گی۔"

اسی "اشتہار" میں صحافت کے بارے میں اس کا نظریہ بھی میسر آتا ہے۔ اپنے "مطلب" کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

"کہ جس میں (جسے) اس اخبار کے دیکھنے والے خوشی سے پڑھیں اور یہ کاغذ نمود پائے اور خریداروں کے لیے بھی کچھ رنج نہ ہو۔"

گویا قارئین کی خوشی اور خریداروں کی تسلّی اس کا مطمعِ نظر تھا۔ وہ جب کبھی کوئی "رنگین کہانی یا دل لگی کی بات ہاتھ لگے" وقائع نویسوں کے یک رنگ وقائع اور تواریخ کے اپنے تجرباتی سلسلوں کو منقطع کر سکتا تھا۔ اور گو اڈیٹر کا اندازِ تحریر منشیانہ

تھا وہ مزاجاً زندہ دل اور مذاق پرور تھا۔

اپنے عمومی شماروں کے مواد کے لیے اخبار نے اپنا کام روایتی نامہ نگاروں یعنی وقائع نویسوں سے شروع کیا لیکن اب ان کے قارئین بادشاہ اور ان کے وزرا نہیں تھے بلکہ عوام تھے جن کے لیے ان کی دلچسپی کے مواد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ "جام جہاں نما" نے اپنے مواد کو اپنے قارئین کے لیے پسندیدہ بنانے کے لیے اپنے نامہ نگاروں کو جدید ضرورتوں کے بارے میں ضروری مشورے اور اشارے مہیا کیے ہوں گے اس اعتبار سے یہ اخبار مغلیہ عہد کی شاہ پسند غیر مطبوعہ صحافت اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں شروع ہونے والی عوام دوست مطبوعہ صحافت کا پہلا دفترِ اتصال اور تجربہ گاہ تھا جس سے بعد کی اردو صحافت کی مختلف شاخیں نکلیں۔ پھر اس نے موصولہ وقائع کی یک رنگی اور ناگوار سنجیدگی کی اصلاح کے لیے ان پر نظر ثانی کی ہوگی۔ اس لحاظ سے یہ پہلا اخبار تھا جس نے اردو صحافت میں خبروں کی ادارت SUB-EDITING شروع کی گو یہ ادارت فنی اعتبار سے خاصی خام تھی۔ اس میں عنوان نگاری۔ ادائے پیش کشی، موضوعات کی بندش یا اداریہ نگاری کی کوئی تیکنیک ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ لیکن "جام جہاں نما" کا اڈیٹر وقائع نویسوں کی رپورٹوں کے بیچوں بیچ کوئی ہلکی سی چٹکی بھر دیتا تھا جس سے اس کے مواد اور مفہوم میں ایک دلچسپ یا اصلاحی پہلو پیدا ہو جاتا تھا۔ اس کے ۱۸۲۴ء تا ۱۸۲۶ء کے ریکارڈ کے جائزے کے بعد حکومت کے محکمہ فارسی کے سکریٹری مسٹر اینڈریو اسٹارلنگ نے خبروں کے بارے میں اس کے انتخاب اور ادارت کی اہلیت کو خراجِ تحسین ادا کیا تھا۔

رسل و رسائل کی قلت کے اس زمانے میں کلکتہ میں بیٹھے ہوئے اس اڈیٹر کی نگاہ دور دور تک جاتی تھی۔ اس کے کالموں میں مندرجہ ذیل مقامات کی خبریں ملتی ہیں۔

شاہ جہاں آباد، لکھنؤ، بنارس، الہ آباد، مراد آباد، اوترا کھنڈ، جونپور، اعظم گڑھ، رام گڑھ، لاہور، ملتان، پشاور، بھاگلپور، آسام، گوالیار، کلکتہ، ڈھاکہ، نیچ، چٹگانو، کشمیر، جموں، جیدر آباد، دکن، جے پور، جودھ پور، گوالیار، پیگو، رنگون، برما، ایران، مسقط، چین، انگلستان، فرانس۔

اپنا ملک ہو یا غیر ملک اس کا انتخاب اپنا جوہر اور رنگ دکھا دیتا تھا۔ چیف سکریٹری کے مذکورہ بالا نوٹ سے یہ توبخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جام جہاں نما دیسی راجوں کے جو مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد تیزی سے بدلتی ہوئی ملکی سیاست میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے دستِ مداخلت کا شکار ہو رہے تھے، نظم وعمل میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ سرکاری پابندیاں اور ممانعتوں کے جس سلسلے میں یہ صحافت پیدا ہوئی اس میں اس کے زمانۂ طفلی ہی میں فرنگی حکومت کے خلاف سرکشی یا کوئی کھلی مخالفت کرنے کی توقع عبث تھی۔ یہ کام اہلِ کمپنی کے ہم قوم انگریزی صحافت کے بانیوں نے کیا۔ لیکن یہ افراد نہ صرف کمپنی کے ناراض اور برطرف شدہ ملازم تھے بلکہ اپنے ملک انگلستان کے پارلیمنٹ اور پریس میں کمپنی کی بدعنوانیوں پر نکتہ چینیوں سے بھی واقف تھے۔ پھر کمپنی کے بعض ملازمین نے ذاتی رقابتوں کی بنا پر ان کی مدد بھی کی۔[۱]

اپنے فرنگی ہمعصروں کے مذکورہ رجحانات کے باوجود دیسی اور بالخصوص اردو اور فارسی کے اوّلین اخباروں کی اوّلین توجہ دیسی راجوں کے معاملات ہی پر مرکوز رہی۔ اس کی بڑی وجوہ دیسی اور انگریزی اخباروں کے کاربرداروں کی ابتدائی اجنبیت اور لسانی دشواریاں تھیں۔ انگریزی تعلیم کی تدریس ابھی سرکاری طور پر شروع نہیں ہوئی تھی۔ صرف بعض نجی حلقوں میں اس کے سکھانے کا کچھ انتظام ہوا تھا اور اس سے بہرہ ور ہونے والے ہندستانیوں کی تعداد خال خال تھی۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کے انتقال کے بعد نہ صرف مغلیہ اقتدار بلکہ ہندستان کے کئی علاقوں کا سماج بھی رو بہ زوال تھا۔

یہ زوال شمالی ہند میں بہت نمایاں تھا۔ زوال کا یہ زمانہ ایک صدی سے زیادہ عرصے تک جاری رہا۔ اس زمانے میں اورنگ زیب کے جانشین اور اکثر علاقائی نواب اور راجے عیش ونشاط میں مشغول ہو گئے۔ حکمرانی کا معیار پست اور رعایا کا مفاد معدوم ہو گئے تھے اور معاشرے میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

جام جہاں نما کے اردو ضمیمے میں حالات کے اس پہلو کی عکاسی ان خبروں میں دیکھیے۔

شاہ جہان آباد کی خبر

پھول والوں کے میلے کی تقریب سے جب حضرت جہاں پناہ (معظم اکبرشاہ ثانی والد بہادر ظفر شاہ) قطب صاحب کی درگاہ میں رونق افروز ہوتے تھے اکثر سواری جھولنے پر جاتی تھی۔ حضرت راگ سنتے اور زنانے بندوبست میں نہانے کا تماشہ دیکھتے۔ خواصیں کس کس خوبی سے آپس میں چھپٹتی لڑتیاں اور جھنڈ کے جھنڈ باہم لپٹ کر کنارے سے پانی میں گر پڑتیاں۔ کوئی مسکرا کے بالوں کو نچوڑتی، کوئی شرما کر انگیا مروڑتی۔ ایک ایک کی کرتی چاک کرتی۔ دوسری شرم سے انگلی دانتوں میں پکڑتی۔ کوئی پکارتی، لوا بہاؤ میں نہ جاؤ۔ وہاں بڑا زور ہے۔ کوئی للکارتی دوگانہ پیڑھاؤ۔ پڑاؤ دیکھو تو کیا توڑ ہے۔ غرض ان پری پیکروں کی چھیڑ چھاڑ اور آپس میں اختلاط کی مار دھاڑ جنھوں نے دیکھی وہی جانتے ہیں، لکھنے سے کیا فائدہ۔ سننے والے کب سچ جانیں گے"

شمارہ نمبر ۱۲ مورخہ ۵ اکتوبر ۱۸۲۵ء

لکھنؤ کی خبر

نواب معتمد الدولہ بہادر نے،

ایک دن مستیا بیگ کوتوال کو حکم دیا کہ جتنی لونڈیاں شہر میں بکیں انھیں حضور کی ڈیوڑھی پر حاضر کیا کرو۔

شمارہ نمبر ۹۳ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۸۲۵ء

"ایک عرضی پہنچی کہ احسان علی بردہ فروش چار کنیز لایا ہے اور اس نے آٹھ کنیزیں مرزا میستا بیگ کوتوال کو بھیجی تھیں۔ وہ بھی در دولت پر حاضر ہیں۔ ارشاد ہوا کہ انھیں احسان علی کے پاس روانہ کردو۔ جو کنیزیں کوتوال کے پاس آئی تھیں ان میں تین بہت چھوٹی عمر کی تھیں۔ ان کو مسترد کر دیا گیا۔"

شمارہ نمبر ۱۷۶ مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۸۲۶ء

جہاں ایک طرف سلاطین اور امرا کی عیش کوشی اور نشاط کی مجلسوں کا دور دورہ تھا وہاں دوسری طرف ان سلاطین کی مذہبی رواداری اور قومی ہم آہنگی کے جلوے بھی نظر آتے تھے۔ ہولی، دسہرہ اور دیگر ایسی تقریبات پر رعیت کی خوب دلداری کی جاتی

تھی۔ دیکھیے:

شاہ جہاں آباد کی خبر

حضرت حمام میں رونق افروز ہو کچھوے کی پیٹھ پر بیٹھ چراغ دہلی کی درگاہ کے پانی سے موافق دستور کے دیوالی کی تقریب غسل کر پوشاک بدل خاص تراشوں کو انعام دے محل میں داخل ہوئے اور حکم صادر ہوا کہ آج دیوالی کا دن ہے موافق دستور کے محل اور قلعے کے دروازوں پر چراغاں کی روشنی ہو۔"

شمارہ نمبر ۱۳۱ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۸۲۵ء

لکھنؤ کی خبر

"حکم ہوا کہ اگلے دن بھی رام لیلا کا تماشہ دیکھا جاوے گا۔ چنانچہ دوسرے دن چکلے کی رنڈیوں اور بھانڈ بھگتیے بازی گر نٹ بھانتیوں کے گروہ کشمیریوں کے چھوکرے ہیجڑے سب فرقے ارباب نشاط کے حکم کے مطابق گومتی پار مبارک منزل کے سامنے اکٹھا ہوئے اور بادشاہی کارخانہ جات کے داروغہ ہاتھی گھوڑے آراستہ کر حاضر ہوئے۔ ایسری داس نانک شاہی نے رام لیلا کا تماشہ شروع کیا حضرت دیر تک تماشہ دیکھا کئے۔ آتش بازی چھوٹا کی۔ سب کو جو مقدر تھا انعام ملا۔ ایسری داس کو فقیروں کے بھنڈارے کے لیے ہزاروں روپے مرحمت ہوئے۔"

شمارہ نمبر ۱۲۸ مورخہ ۲۳ نومبر ۱۸۲۵ء

دیسی حکمراں عیش و نشاط میں مشغول ہونے کے باوجود کسی آسمانی قہر یا رعایا کی مصیبت میں نیک کردار بھی پیش کرتے تھے۔ جام جہاں نما کی خبروں میں ان کی دردمندی اور سخاوت کی مثالیں ملتی ہیں۔ ۱۸۲۶ء کے اوائل میں ایک قحط پڑا۔ بارش نہ ہونے کے سبب فصل کم ہوئی تھی اور غلہ گراں ہو گیا تھا۔ اخبار کے اڈیٹر نے اس مصیبت کی خبر دیتے ہوئے بادشاہ کی سخاوت پر تبصرہ بھی کیا۔

لکھنؤ کی خبر

عرض ہوئی کہ شہر میں غلہ بہت گراں ہو گیا ہے۔ تیرہ سیر گیہوں بارہ سیر چاول ناکارہ بڑی خرابی سے ایک روپیا کو میسر آتے ہیں۔۔۔ انعامات کا کیا لکھا جاوے ہر روز محتاجوں اور فقیروں کو روپے بٹتے ہیں۔ فصلی میوہ شہر اور بیرون جات کے

باغات کا بادشاہی چاکروں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

شمارہ نمبر ۱۳۸ مورخہ یکم فروری ۱۸۲۶ء

لاہور کی خبر

"ان دنوں جو کاغذ اخبار کا ادھر سے آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنکرات کے دن تک مہاراجا رنجیت سنگھ بہادر امرت سر میں تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ سنکرات کے دن رات کے وقت بہت سا اسباب خیرات کیا۔ اور نقد روپیے بھی دان کیے۔ اس کی صبح ترن تارن تالاب میں نہانے گئے۔ وہاں بھی خوب خیرات کی اور بہت روپے کراہ پرشاد کے واسطے تقسیم کیے اور اکیس ہزار روپے خاص اس لیے دیئے کہ کابل کے معاملات کی درستی کی نیاز کا کراہ پکوایا جاوے اور بسنت کی تیاری کا حکم لاہور کے قلع دار کو لکھا گیا۔ یقین ہے کہ وہاں سے جلد لاہور کو کوچ ہوا ہوگا اور کنور کھڑک سنگھ بہادر جریدہ لاہور میں داخل ہوئے۔ جرنیل دیوان چند لشکر کے ساتھ راولپنڈی سے ادھر لاہور کے رخ پر پہنچے ہیں اور امرت سر کے باغ کے داروغہ کو ایک دوشالہ عنایت ہوا اور کوتوال کو چشم نمائی کر کے یہ فرمایا کہ یہاں چوروں کا ہنگامہ بہت سنا جاتا ہے۔ چوری ڈاکے کا بندوبست کرنہیں تو بڑی خرابی دیکھے گا۔"

شمارہ نمبر ۸۸ مورخہ ۱۶ فروری ۱۸۲۵ء

اس خبر میں مہاراجا کے دورے کی سرگرمیوں کی کثرت کی برجستہ رپورٹنگ قابلِ ملاحظہ ہے۔

بعض اوقات خبروں کا ادبی رنگ بہت نمایاں ہوتا تھا۔ یہ خبر دیکھیے:

مست ہاتھی کی خبر

اخبار کے کاغذ میں لکھا ہوا کہ پچھلے دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ ایک دن راجا گائیکوار بڑودھا کے حاکم کا فیل بان ایک متوالے ہاتھی کو شکارگاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ ہاتھی ایسا بپھرا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ جتنا کچھ مہاوت اس کے سر پر آنکس مارتا اور چوتڑوں پر کلہاڑیاں پڑتیں وہ بھوت ہوتا جاتا تھا۔ آخر اس نے بیان اور چرخی کو کچھ نہ مانا اور جنگل کی راہ چھوڑ کر ایسا سٹپٹایا کہ مہاوت کے بس میں نہ رہا اور سونڈ پھنکارتا ہوا ایک گاؤں میں گھسا۔ وہ کیا

گانو میں گیا ہاتھی کی شکل میں خدا کا قہر نازل ہوا سنڑ کے تھپیڑوں سے چھپروں کا نشان باقی نہ رہا اور دانتوں کے ہولوں سے دیواریں ماٹی میں مل گئیں۔ ماستھے کی ٹکروں سے بڑے بڑے پرانے درخت جڑ سے اوکھڑ پڑے۔ جس وقت (وہ) کان ہلاتا آندھی سی آجاتی۔ لوگ قیاس کرتے کہ شاید پہاڑ کا دروپھٹ گیا۔ اس کی آواز سنی۔ ساروں نے اپنے بچے کوہ قاف میں چھپائے اور سب قسم کے چوپائے جو سونڈ کی لپیٹ میں آئے پھر نکلنے نہ پائے۔ جب (وہ) پیٹ کا پانی نکال کر زمین پر چھڑکتا معلوم ہوتا کہ ساون بھادوں کی کالی گھٹا برستی ہے۔ چنگھاڑ سے سمجھا جاتا تھا کہ آسمان پر بجلی کڑکتی ہے۔ جگہ جگہ اس گانو میں لاتوں کی ٹھوکروں سے ایسے غار پڑ گئے اور زمین سے پانی نکل آیا کہ عوج بن عنق بھی جو اس میں غوطہ کھاوے تو قیامت تک پھر سر نہ اٹھائے۔ تین دن تک ایسی آفت اس گانو میں مچی کہ وہاں کے رہنے والوں کی جان بچانی مشکل ہوئی۔ (وہ) اپنے گھروں کو چھوڑ دور نکل گئے۔ عجب مصیبت میں پھنسے ہوئے تھے کہ ایسے خونخوار دیو سے کدھر بھاگیں۔ بازار کی دکانوں میں جو کچھ کھانے کا اسباب اکٹھا تھا ایسا خاک دھول میں مل گیا کہ پھر پہچانا نہ گیا۔ چھے آدمی بھی پس کر مر گئے اور جنھوں کے ہاتھ پیر ٹوٹے ان کا شمار نہیں۔ خدا نے خیر کی وہ ہاتھی بردوھا کے شہر میں چھوٹا نہیں تو شہر کو غارت کرتا۔ قیاس میں آتا ہی نہیں کہ یہ ہاتھی راجا پرہٹ سنگھ کے ہاتھی کی نسل سے ہوگا جس کی ہجو میں مرزا سودا نے قصیدہ کہا ہے۔

شمارہ نمبر ۸۶ مورخہ ۲ فروری ۱۸۲۵ء

ہمارے اکثر محققین نے عام طور پر اس کی خبروں کو سرکاری گزٹ کی سی خبریں کہہ کر انھیں بے وقعت کر دیا ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر اس کے ایک "اشتہار" سے ظاہر ہو چکا ہے۔ یہ وہ اخبار ہے جو اپنے قارئین کے لئے الف لیلیٰ کی حکایتوں سے بھی زیادہ رنگین اور دل پسند خبریں شائع کرنے کا تمنائی تھا۔ چنانچہ وہ خبریں جنھیں آج کی صحافت انسانی دلچسپی HUMAN INTEREST کی خبریں کہتی ہے اس کے اردو ضمیمے میں نہایت عمدہ شکل میں ملتی ہیں۔ دیکھیے:

چڑوبا کے جزیرے کی خبر۔

آج تک بنارس کی صبح اور اودھ کی شام خاص وعام کے زبان زد تھی۔ اس سبب سے کہ بنارس میں صبح دم گنگا کے کنارے ایسی پری پیکروں کی بھیڑ ہوتی ہے کہ ہفت اقلیم کے سیاح ان کے دیکھنے سے حیران ہوتے ہیں اور اودھ میں شام کے وقت شفق کی سرخی اور دور کے فاصلے سے پہاڑوں کی سیاہی اور دریا کے کنارے کی سبزی ایسی لطافت دکھلاتی ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ اب اخبار کے کاغذ سے ایسا ثابت ہوا کہ انگلستان کے صاحبو(ں) نے چڑوبا کی صبح شام کو بہت پسند کیا اور اس دلیل سے کہ اس وقت کی ہوا آدمی کے جسم کو تازگی اور بدن کو تفریح بخشتی ہے وہاں کی صبح اور شام کو بنگالے کے ملک پر ترجیح دیا۔

شمارہ نمبر ۸۶ مورخہ ۲ فروری ۱۸۲۵ء

ایک دو منھے لڑکے کی خبر۔

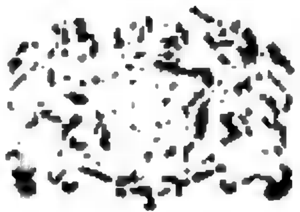
اخبار کے کاغذ میں لکھا ہوا ہے کہ کٹک کے ضلع میں کو پالی ایک گانو ہے۔ وہاں ایک کہار کے گھر میں دوسرکا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ دونو(ں) سر میں آنکھ، ناک، کان، مُنہ جو کچھ چاہیے موجود۔ گلے سے نیچے جیسا سب کا دھڑ ہوتا ہے یعنی دو ہاتھ دو پیر۔ اور وہ لڑکا دونوں مُنہ سے دودھ پیتا ہے اور بھلا چنگا جیتا ہے۔ ہرچند یہ بات قیاس میں نہیں آتی۔ ایسے لڑکے عجیب الخلقت پیدا ہوتے ہوئے مرجاتے ہیں۔ اس کے سیوا اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دو منھے لڑکے پیدا ہو ایک دو دن جیے ہیں مگر کبھی کسو نے نہ سنا ہوگا کہ ایک مُنہ کے سیوا دوسرے مُنہ سے دودھ پیا ہو۔ اور ایک دو دن سے زیادہ جینا بھی محال۔ پر خدا کی قدرت سے کوئی چیز غیر ممکن نہیں سب لوگ جانتے ہیں کہ تمام کائنات کا مدار خاک باد آب آتش پر ہے ان چار کے سیوا پانچویں چیز کا کسی کے وجود میں شمول نہیں۔ اس واجب الوجود کی صنعت کا کس طرح سے بیان کیا جاوے کہ موالید ثلاثہ میں جس میں نگاہ کی جیے ہر ایک میں بھانت بھانت کی شکلیں رنگ رنگ کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ حیوانات

کو دیکھیے کہ ایک بوند پانی سے سب کا ہیولا بنتاہے اور ایک پیٹ سے کئی بچے نکلتے ہیں کہ ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی۔ کوئی کالا کوئی گورا کوئی لمبا کوئی چھوٹا دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح سے جمادات نباتات کا حال خیال کیا چاہیے۔ بیشتر امتحان میں آیا ہے کہ ایک بیج زمین میں بویا گیا ایک درخت نکلا۔ پھول کئی رنگ کے پھولے۔ پھل کوئی کھٹا ہوا کوئی میٹھا کوئی کڑوا کوئی پھیکا۔ چاہیے تھا کہ ایک بیج سے ایک ہی طرح کا پھل پھول ہوتا۔ اس صورت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ جو چاہے سو کرے۔ عقل کو اس کی قدرت میں دخل نہیں۔ اگر وہ لڑکا جیتا ہو اور جیتا رہے تو کیا تعجب ہے؟

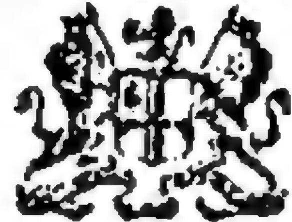
شمارہ نمبر ۱۲۰۔ مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۸۲۵ء

یہ خبر" اس شمارے کی اولین خبر ہے اور بجا طور پر یہ اس مقام کی مستحق ہے۔ اس کا مرتبہ ایک عام خبر سے بہت بلند ہے۔ اس معاملے میں اڈیٹر کا شعورِ صحافت قابلِ توجہ ہے۔ پھر یہ خبر انشائیہ نگاری کی بھی ایک شاہ کار ہے۔

یوں اس شمارے میں لاہور، پونا اور گوالیار کی تین اور خبریں تھیں لیکن صاف نظر آرہا ہے کہ اڈیٹر نے اس کی انسانی جاذبیت ہی کی وجہ سے اسے اولیت دی۔ اس کی تہ میں قارئین کی دلچسپی کا خیال رکھنے کا جذبہ کار فرما ہے اور ساتھ ہی صحافت کو ایک فکری اور ادبی اسلوب دینے کی کوشش بھی نمایاں ہے۔ اڈیٹر نے ایک عام سی خبر کے انتخاب سے خدا کی قدرت اور زندگی کے معمّے پر ایک دلنشین تبصرہ کرنے کا موقع پیدا کر لیا ہے۔ آج کی ہماری ترقی یافتہ اردو صحافت میں ایسی طبع زاد نگارش کی مثال ملنا مشکل ہے۔



جام جہاں نما



[illegible]

ایک عجیب خبر

[illegible]

...ن وارد ہو کر پی گھوڑے کے نزدیک
...ترا تھا۔ ایک مسلمان ٹھگ بھی وہاں آیا
...ر اسنے ایک لڈو اس سوداگر کو
...یا اور یہ کہا کہ یہ لڈو حضرت غوث الاعظم
...نیاز کا ہی سوداگر بھی مسلمان
...صاحب ایمان تھا تبرک سمجھ کر اس
...لڈو کو کھا گیا نہین معلوم کہ اس کافر
...نے لڈو کے بیچ کیسا قاتل زہر ملایا تھا
...عرصہ مین کچھ فرق نہ سمجھا کہ تھوڑی
...بعد نشے کی شدت سے اسکی
...عقل سلب ہوگئی کچھ موجودہ باقی نہ رہی
...بیت ہار پائی پر پڑ رہا آگے نوکر چاکر وسے
...جا کر میان کو نیند آئی اسکی خبر نہین
...میان کے ہوش [illegible] جو اس پاتے رہے
...پھر اس ٹھگ نے [illegible] کا
...تمام ہو چکا تب اسنے [illegible]
[illegible] گھوڑے [illegible] طیار کر کے ایک

[illegible] سے [illegible] اسنے [illegible]
[illegible] نکالا نہیں [illegible] اسکے قریب
[illegible] واقف تھے فوراً گھوڑے [illegible] طیار
کرا [illegible] سپاہی بھی ساتھ ہوتے
جس وقت گھوڑے چھاؤنی سے باہر نکلے
[illegible] ایک ساتھی اسکا گھوڑا لیکر
[illegible] نظر سے غایب ہوا سپاہی
گھوڑے کی دوڑ مین کب ساتھ جا سکتے
تھے [illegible] ناک اڑاتے سوداگر
کے پاس آئے کہ احوال ظاہر کرین
دیکھا کہ سوداگر بیہوش پڑا ہی
[illegible]
[illegible]
جو کہ [illegible] تو انکو گرفتار کر کے [illegible]
[illegible]
[illegible]

اب اڈیٹر کے شعورِ صحافت کی ایک اور مثال دیکھیے۔ اس میں ایک خبر کے چھپتے چھپتے اس پر جو دوسری اطلاع موصول ہوئی اسے بڑی خوبی کے ساتھ سمویا گیا ہے اور اس میں اس زمانے کی ٹھگی کی بدعت پر اڈیٹر کا تبصرہ بھی پیش کیا گیا ہے:

ایک عجیب خبر

"گوالیار کے ایک اخبار کے کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ کوئی سوداگر چار گھوڑے

سے کر گوالیار میں وارد ہو کر رتی گنوسے کے نزدیک اترا تھا۔ ایک مسلمان ٹھگ بھی وہاں آیا اور اس نے ایک لڈو اس سوداگر کو دیا اور یہ کہا کہ یہ لڈو حضرت غوث الاعظم کی نیاز کا ہے۔ سوداگر بھی مسلمان اور صاحبِ ایمان تھا۔ تبرک سمجھ کر اس لڈو کو کھا گیا۔ نہیں معلوم کہ اس کافر نے لڈو کے بیچ کیا قاتل زہر ملایا تھا کہ مزے میں کچھ فرق نہ سمجھا گیا۔ تھوڑی دیر نشے کی شدت سے اس کی عقل سلب ہو گئی۔ کچھ سدھ بدھ باقی نہ رہی۔ اچیت چارپائی پر پڑ رہا۔ اس کے نوکر چاکروں نے یہ جانا کہ میاں کو نیند آئی۔ اس کی خبر نہیں کہ میاں کے ہوش جاتے رہے۔ جب اس ٹھگ نے دیکھا کہ سوداگر کا کام تمام ہو چکا تب اس نے سائیسوں سے کہا کہ دو گھوڑے جلد طیار کر دو۔ ایک سردار نے منگوائے ہیں۔ میں دکھلانے لے جاؤں گا۔ سائیس بے چارے اس کے فریب سے واقف نہ تھے۔ فوراً دو گھوڑے اچھے طیار کر لائے اور سائیس بھی ساتھ ہوئے۔ جس وقت گھوڑے چھاؤنی سے باہر نکلے وہ اور ایک ساتھی اس کا گھوڑوں کی پیٹھ لگا اور نظر سے غائب ہو گیا۔ سائیس گھوڑے کی دوڑ میں کب ساتھ جا سکتے تھے۔ لاچار روتے پیٹتے خاک اڑاتے سوداگر کے پاس آئے کہ احوال ظاہر کریں۔ دیکھا کہ سوداگر بے ہوش پڑا ہے۔ آخر یہ خبر مہاراجا سیندھیا بہادر کو پہنچی۔ حکم ہوا کہ سوار تلاش کیے جاویں۔ جو کوئی ان بدذاتوں کو گرفتار کر کے لاوے گا سرکار سے انعام پاوے گا۔ اس سوداگر کا حال معلوم نہیں کہ جان سے بچا یا ہلاک ہوا۔ افسوس زمانے کا عجیب حال ہے۔ جو تمام خلق سے بے اعتماد ہو تو کام نہیں چلتا اور اعتماد میں ایسی خرابیاں ہوتی ہیں کہ مفسد حرام زادے بھلے آدمیوں کے ساتھ شیر شکر ہو کر حلوے کے دھوکے زہر کھلاتے ہیں۔ عاقل کو چاہیے کہ سب سے ہوشیار رہے۔ خصوص اس سے کہ جس کو جانتا پہچانتا نہ ہو۔

اس کاغذ کے چھپتے وقت جو (اور) کاغذ اخبار کا آیا اس سے معلوم ہوا کہ سوداگر کی جان بر خیریت گزری اور مال بھی ملا۔ رام سنگھ جاٹ کی ہمراہی سواروں نے جوان بدذاتوں کی تلاش میں گئے تھے نراین گانو کے نزدیک

دیکھا کہ دو آدمی گھوڑے کو ایک کنوئیں پر پانی پلاتے ہیں۔ اتنے میں ان کی بھی نظر سواروں پر پڑی۔ ایک جلدی سے نکل گیا۔ دوسرا دونوں گھوڑوں سمیت گرفتار ہوا۔ سینڈ صیا بہادر نے فرمایا کہ گھوڑے سوداگر کو پہنچا رسید دستخطی اس کے حضور میں لاؤ۔ بعد اس کے رام سنگھ جاٹ نے عرض کیا کہ اس ٹھگ کے پاس ایک تھیلی کے درمیان دو چھوریاں، چار کینچیاں بھی نکلیں ہیں۔ مہاراجا نے ملاحظہ کر ارشاد کیا کہ اس کو کوتوال کے سپرد کرو، سزا تجویز ہوگی۔"

شمارہ نمبر ۱۱۹ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۲۵ء

انسانی دلچسپی اور قارئین کی دل جمعی کی خاطر اخبار نے شعر و سخن کو بھی اپنے مندرجات کا حصہ بنایا اور یہاں بھی اس نے ایک جدّت سے کام لیا۔ اس نے اپنے دور کے اُردو اور فارسی کے ایک ممتاز انیگلو انڈین ادیب کا اُردو کلام شائع کیا۔ ان کا نام اور تخلص ڈی کاسٹا تھا اور وہ کلکتہ کی انیگلو انڈین سوسائٹی کے ایک فعال اور ممتاز فرد تھے۔ وہ ۱۸۷۶ء میں قائم ہونے والی یورشین اینڈ انیگلو انڈین ایسوسی ایشن کے ایک سرگرم محرک تھے[۵۶] وہ صوبہ جات بنگلہ، بہار اور اڑیسہ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس رہے تھے اور اردو علم و ادب کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے مشہور برطانوی مورخ الگزنڈر ٹٹلر کی مشہور کتاب ELEMENT OF GENERAL HISTORY کا اردو میں ترجمہ کیا جو "لب لتواریخ" کے عنوان سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوا تھا[۵۷]

جامِ جہاں نما میں چھپنے والے ان کے کلام کا ایک نمونہ مندرجہ ذیل ہے:

غزل مرسلہ ڈی کاسٹا

کل ہم تمہارے کوچہ میں آ رے چلے گئے
ہے ہے! ہزار اشک بہائے چلے گئے
کچھ رنج و غم کا حال نہ پوچھو کہ کیا ہوا
الفت کو یار وہم تو نباہے چلے گئے
کیوں دل سے شاد ہوویں نہ ہم دوستو سنو
دے جاتے جاتے ہم کو بلائے چلے گئے

ٹک طرف میرے دیکھ کے جھٹ چتونوں کو پھیر
وہ آپ ہنس کے ہم کو رلائے چلے گئے
ہم ہی فقط ہیں دل جو گنواتے ہیں ورنہ سب
آ کر جہاں میں کچھ تو کماتے چلے گئے
کل اس پری کی بزم میں سب مل کے برملا
تیری غزل ڈی کا ستا گائے چلے گئے

شمارہ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۸۲۷ء

اخبار میں سائنسی ترقی کی خبریں بھی بڑے دلچسپ انداز سے شائع ہوتی تھیں۔ مثلاً یہ خبر دیکھیے جس سے گمان ہوتا ہے کہ گویا اڈیٹر جہاز کی آمد کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

دھوئیں کا جہاز

بہت دنوں سے یہ خبر مشہور تھی کہ انگلستان میں ایک جہاز تیار ہوتا ہے کہ جس طرح ایک ناؤ پچھلے برس کلکتے میں آئی کہ صرف دھوئیں کے زور سے چڑھاؤ اتار پر بے تکلف دریا میں چلی جاتی تھی۔ وہ جہاز اسی طرح بے کھٹکے بحر محیط میں آمد و شد کرے گا اور اس جہاز کے بنانے والے نے انگلینڈ سے کلکتے پہنچنے کی تہتر دن مدت ٹھہرائی ہے کس واسطے کہ وہ جہاز پانی سے علاقہ نہیں رکھتا۔ جو ہوا کا محتاج ہو اس کو آندھی طوفان موسم غیر موسم سب برابر ہے۔ بارے پچھلے ہفتے میں وہ جہاز ولایت سے آیا جس دن وہ کلکتے پہنچا دریا کے کنارے ایک انبوہ جمع تھا۔ ہفت اقلیم کے سیاح اکٹھے ہوئے تھے۔ کس واسطے کہ اگلے زمانے میں کسو نے جہاز کا نام نہیں سنا ہے۔ چند ناؤ کے دیکھنے سے لوگوں نے سمجھا تھا کہ جہاز بھی بن سکتا ہے۔ ہر بڑے ریاضی داں جنھوں کو اس علم میں دعوا ہے۔ یہ کہتے تھے کہ ایسا جہاز ولایت سے کلکتے ہرگز نہ پہنچے گا۔ اس جہاز کی تیاری اور جلد رفتاری کو دیکھ کر سب خلق دنگ ہوگئی اور ریاضی کے اہل کمال حیران ہو کر کہنے لگے کہ سچ مچ میں جہاز ہے جو دھوئیں کے زور سے چلا آتا ہے یا کوئی طلسم ہے کہ دکھلائی دیتا ہے۔ اس جہاز کے بنانے

والے کو ہزار آفریں کہنا چاہیے۔ بشر کا یہ کام نہیں۔ ایسی نادر صنعت کا ایجاد کرنا بہت کرنا بہت مشکل ہے۔ اس سبب سے کہ بنانے والا موجود دیکھنے والوں نے بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، سب کو یقین ہوا۔ اگلے وقتوں میں کس نے بنایا ہوتا تو بہت لوگ بھی کہتے کہ اس کے بنانے والے کے فرشتے مددگار تھے۔ اس نے دعوئیں کا جہاز نہیں بنایا خلق کو اپنا معجزہ دکھلایا۔ غرض جس قدر ستائش لوگوں نے کی اگر لکھی جاوے ایک دفتر میں گنجائش نہ پاوے۔"

شمارہ نمبر ۱۳۱ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۸۲۵ء

اس ایجاد سے برعظیم کی صحافت کو بھی بہت فائدہ پہنچا۔ برطانیہ کے اخبار جو پہلے نو نو مہینے میں ہندستان پہنچتے تھے اب تین ہی ماہ کے اندر یہاں پہنچنے لگے اور اس طرح ہندستان کے اخبارات میں غیر ممالک کی نسبتاً تازہ خبریں چھپنے لگیں۔[۵]

سائنسی پیش رفت کی نشاندہی کے لیے جب ممکن ہوا اخبار نے اس کی وضاحت تصویر کی اشاعت سے بھی کی جو اس دور کی لسانی صحافت میں ایک غیر معمولی چیز تھی۔ چنانچہ ۲ جولائی ۱۸۲۸ء کے شمارے کے سرورق کی پہلی اور واحد خبر ایک دخانی گاڑی کے متعلق ہے جس کا آغاز اس کی تصویر سے کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۔۔ پر اسی کا عکس پیش کیا گیا ہے۔ یہ دو کالم لمبی خبر ہے۔ اسی شمارے میں ایک اور خبر بہ عنوان "خبر جہاز دخانی" بھی شامل ہے۔

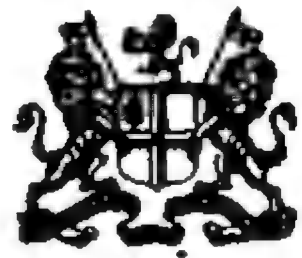
انسانی دلچسپی کی خبروں کے لیے اخبار کی تلاش ملک سے باہر بھی چلی جاتی تھی۔ مثلاً پولینڈ کی عورتوں کے بارے میں یہ خبر دیکھیے:

> وہاں کی (پولینڈ کی) عورتیں شجاعت اور دلاوری میں ممتاز ہیں۔ قیاس یہ جانتا ہے کہ شاید اور کسو ملک میں عورتوں نے ویسی دلاوری نہ کی ہوگی۔ کس واسطے کہ شجاعت کی صفت خاص واسطے مردوں کے ہے۔ مستورات کو کہ خانہ نشین رہتی ہیں اور خانگی امور کے انتظام کے سوا ان کو روزگار پیشگی سے کچھ علاقہ نہیں۔ پر وہاں کی عورتوں نے بیشتر بینڈے بینڈے وقت ایسی چالاکیاں کی ہیں کہ مردوں کے کان کاٹے ہیں۔ اطلاع کے لیے دو حال لکھے جاتے ہیں۔۔۔

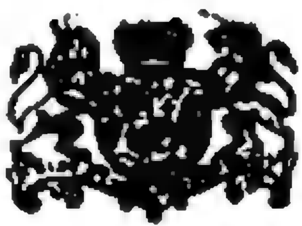
اس مثال سے نہ صرف اخبار کی انسانی دلچسپی کے رجحان بلکہ ذوقِ ندرت کا

بھی ثبوت ملتا ہے۔

اردو ضمیمے کے پورے زمانے میں اخبار کی پیشانی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا سرکاری نشان چھپتا رہا۔ اس سے اکثر مورخین نے یہ اندازہ قائم کیا ہے کہ اسے کمپنی کی باضابطہ سرپرستی حاصل تھی اور یہ اس کا وظیفہ خوار تھا۔ اس نظریے پر گزشتہ اوراق میں بحث کی جا چکی ہے۔ اب اس پہلو کے تعلق سے اخبار کی چند خبروں پر نظر ڈالنا بھی مناسب ہوگا:



جام جہان نما



نمبر ۲۰۱ تاریخ ۱۴ ماہ جون سنہ ۱۸۲۶ عیسوی روز چہار شنبہ

. *European Gentlemen, who may wish to be supplied with this Paper, either for their own perus-l, or from a benevolent desire to diffuse knowledge among the native members of their establishment, may be supplied with it, on application to* TARACHUND DUTT *of Colootollah.*

خبر تقرر عہدہ بصاحبان

مسٹر ای کمبول صاحب جج دوم کورٹ اپیل دوائر سائر مرشد آباد

مسٹر ایر مارمن صاحب سیوم ایضا

کپتن جان لو صاحب پلوٹکل اجنٹ جی پور

کپتن جان سن صاحب کمشنر ہمراہی باجی راو پیشوا

خبر کلکتہ

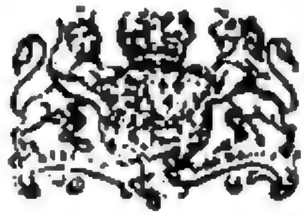
روز ہفتہ گذشتہ نواب مستطاب معلی القاب جناب لارڈ امہرسٹ بہادر گورنر جنرل با اہل و عیال جہت کسب ہوا بسواری نرد نامی سفینہ ریاست سرکار کمپنی انگریز بہادر جانب گنگا ساگر بادبان عزیمت برافراشتند از روی کاغذ اخبار بدریافت آمد کہ روز یکشنبہ مقام کیلا گیہیا و روز دوشنبہ وقت ہشت ساعت روز برآمدہ ساحل

کھیجری لنگر کاہ شدہ بود خبر است کہ نواب صاحب محتشم الیہ در صورت نبودن طوفان تا مقام سینڈ ہیڈس پیشتر از گنگا ساگر کہ جای است خوش آب و ہوا و مقامی است فرحت بخش و دلکشا تشریف خواہند برد و چندی در آنجا رونق افزا خواہند بود

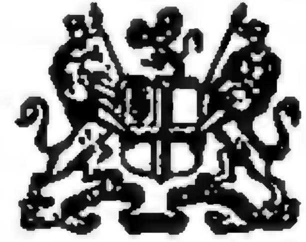
خبر سنگاپور

از روی کاغذ اخبار رائج گشت کہ در سنگاپور افیون خالص عظیم آباد بحساب مبلغ دو ہزار و ہشتصد روپیہ فی صندوق بفروش رسیدہ و مرب از مقام تنکن کہ نواحی انست و ابریشم از کوچین چین دیگر

اشیای تجارتی از اکثر مقامات بذریعہ جہاز درانجا آمدہ
فروش کردہ است و اجناس از کلکتہ و انگلستان ہم
بافراط درانجا میرود و از سنگاپور ہم مردم اسباب کنہ بہ بلاد



جام جہان نما



آردو زبان مین نمبر ۱۵۳ تاریخ ۱۷ مارچ سنہ ۸۲۶ عیسوی

عہد نامے کا ترجمہ

اودہ کے بادشاہ اور کمپنی انگریز بہادر کی سرکار سے جو قول قرار ہوا اور اُس عہد نامے پر اپریل مہینے کی گیارہوین تاریخ کونسل کے اجلاس مین نواب معلے القاب گورنر جنرل بہادر کے دستخط ہوے اپریل مہینے کی اُنیسوین تاریخ یہان اُسکا فارسی عبارت سے اِس کاغذ مین لکھا گیا ہی اذنون انگلستان دیار کے ایک والا گوہر خالے اقتدار نے کہ ہمیشہ اِس کاغذ کو ملاحظہ کرتے ہین اور انکی نظر فیض کستر کے پرتو سے اِس کاغذ نے اطلاع اور اعتبار مین فروغ پایا ہی یہہ ایما کیا کہ اگرچہ فارسی کاغذ سے احوال اُس عہد نامے کا وضیح اور شریف پر آشکارا ہو گیا لیکن اِس ملک کے عام لوگونکی اطلاع کے واسطے اگر ہندی زبان بھی ترجمہ کیا جاوے بہت مناسب ہی اِسواسطے عہد نامے کی شرطین تفصیلوار لکھی جاتی ہین ● پہلی دفعہ ● اودہ کے بادشاہ اور کمپنی انگریز بہادر کی سرکار سے ہمیشہ صلح اور دوستی رہے گی ● دوسری دفعہ جس جس طرح کا دعوی اشام اور اُسکے توابع ملک پر اودے کا بادشاہ رکھتا تھا وے سب دعوی اسی عہد نامے کے وسیلے سے اودے کے بادشاہ نے چھوڑ دئے اور آیندہ کبھی اودے کے بادشاہ کو اُس ملک سے کسو طرح کا علاقہ نہ رہیگا اور کچھار اور جینتی پور کی باب بھی مین کہ وہ ملک اشام سے ملا ہوا ہی یہی دفعہ بحال اور برقرار ● اور منی پور کے مقدمے مین ایسا قرار پایا کہ جو گنبھیر سنگہ کو منی پور کے راج کا انتظام منظور ہو اودہ کے بادشاہ کی طرف سے ہرگز مزاحمت نہو گی بلکہ اقتدار اُسکا اس راج کے بیچ پذیرا ہو گا ● تیسری دفعہ ● اِسواسطے کہ سرحد بیچ انکے فسادے دونو ریاست مین قضیہ بکھیڑا بر پا نہو خاص اراکان اور رامری اور چدوبا اور ساندوے اراکان کے ملک سے کمپنی انگریز بہادر کے اختیار مین آیا اودہ کے بادشاہ کا دعوی ان جگہون سے جاتا رہا

لکھنؤ کی خبر

اخبار کے کاغذ سے دریافت ہوا کہ ربیع الثانی مہینے کی پہلی تاریخ منگل کے دن اس روز موافق معمول صاحب رزیڈنٹ بہادر کے واسطے حاضری کی تیاری تھی۔ حضرت بادشاہ کرایل کی طرف سے سیر کرکے قصر بادشاہی میں رونق افروز ہوئے۔ پانچ گھڑی دن چڑھے تک منتظر بیٹھے تھے کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر آئے اور آٹھ انگریز عالی قدر ساتھ لائے۔ جہاں پناہ نے سب صاحبوں کے ساتھ حاضری تناول فرمائی اور اس کے بعد اختلاط کی باتیں ہوا کیں۔ آخر بڑے صاحب رخصت کے وقت عطر پان جو کچھ کہ رسم ہے لے کر کوٹھی کو سوار ہو گئے۔"

شمارہ نمبر ۱۰ مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۸۲۲ء

ایران کے ولی عہد عباس مرزا کی ہندستان کے ایک دورے کے دوران علالت اور کمپنی کے ایک ڈاکٹر کے ذریعے ان کے کامیاب علاج کی ایک خبر بعنوان "ایران کی خبر" کی عبارت میں اخبار نے لکھا۔

"کلکتہ سے جاتے وقت ان کا مزاج علیل ہو گیا تھا۔ اس لئے بمبئی کی (جہاں سے جہاز پر سوار ہو کر وہ واپس گئے) گورنمنٹ کے اہل کاروں نے ایک ڈاکٹر ساتھ کر دیا تھا۔ اس ڈاکٹر کے معالجے سے شہزادے کو بالکل صحت حاصل ہوئی بلکہ جتنے امراض کہ سابق سے عارض تھے سب زائل ہو گئے تھے۔ شہزادے نے ایران واپس پہنچ کر بادشاہ ایران مرزا فتح علی کو اس مہمان داری اور تواضع کے بارے میں بتایا جس سے "شاہ ایران اور وہاں کے سب اشخاص کو بہت مسرت ہوئی۔ چنانچہ عباس مرزا ولی عہد نے حکومت بمبئی کو تحسین تشکر کا ایک خط بھیجا۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار نے لکھا:

سچ ہے کہ نیک نامی غیر ممالک میں تب حاصل ہوتی ہے جب انسان مہمان نوازی اور مسافر پرستی کا شیوہ اختیار کرے۔ اس سرکار کے کار پرداز جو ہر ملک کے صادر دارد کی دل جوئی کرتے ہیں اور ہر بشر کے ساتھ اس

کے رتبے کے موافق بیش آتے ہیں! اسی روش برگزیدہ کا یہ نتیجہ ہے کہ غیر ممالک کے بادشاہوں سے آفرین اور تحسین کے کلمات سنتے ہیں اور ہر اقلیم کے لوگ انگلستان کے صاحبوں کی ریاست کی سرسبزی (کی) تمنا کرتے ہیں"

کٹور کی خبر

"دکن کے ملک میں کٹور ایک قلعہ ہے۔ کمپنی کی سرکار کے کارپردازوں نے وہاں کے قلعہ دار کو حکم بھیجا کہ قلعہ سرکار کے اہل کاروں کو سپرد کرے اور مسٹر اسٹیون صاحب اور ایلسٹ صاحب اس قلعہ کے بندوبست کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ قلعے دار نے سرتابی کی اور ان دونوں صاحبوں کو قید کیا۔ اس واسطے کہ تنبیہہ اور مفسدوں کی تادیب ملک کے حاکموں کو واجب ہے۔ نومبر مہینے کی تیسویں تاریخ سرکار کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ دو دن تک تھوڑی سی توپ اور بندوق کی لڑائی ہوئی۔ دسمبر کی دوسری تاریخ قلعے دار نے ان دونوں صاحبوں کو جو قید تھے اپنے وکیل کے ساتھ انگریزی چھاؤنی میں بھیج دیا۔ فوج کے افسر نے کہلا بھیجا کہ چوبیس گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر اتنے عرصے میں قلعہ خالی ہوگا تو اچھا نہیں تو بہت خرابی ہوگی۔ یہ بات مشہور ہے کہ جس کے برے دن آتے ہیں پہلے اس کی مت بھرشٹ ہوتی ہے۔ قلعے دار نے کچھ اس بات پر خیال نہ کیا بلکہ پیغام کا جواب بھی نہ دیا۔ میعاد کے گزرنے کے بعد سرکار کی فوج نے قلعہ چھوڑانے کی تیاری کی۔ پر ادھر سے گولہ نہ چلا کہ قلعے سے گولے برسنے لگے۔ آخر شام کے وقت سرکار کی فوج نے دلاوری کرکے ایک پہاڑی جو قلعے کے نزدیک تھی چھین لی اور اس پر توپ چڑھائی۔ اتنے میں قلعہ دار کے سپاہیوں نے گرد کے دیہات میں آگ لگائی۔ اس سبب سے چاروں طرف سے راہ بند ہوگئی۔ دفعتاً قلعے پر حملہ کرنا دشوار ہوا۔ پانچویں تاریخ طرفین سے لڑائی ہوا کی۔ ہزار آدمی کے قریب ادھر مارے گئے اور زخمی ہوئے اور سرکار کی فوج سے سیوائے منرو صاحب کہ زخمی ہوکر مرگئے اور کوئی ہلاک نہیں ہوا۔ مگر چھٹویں تاریخ کی لکھی ہوئی چٹھی جو بیل گانو سے انگریزی چھاؤنی میں آئی اس میں یہ لکھا ہوا کہ قلعہ

فتح ہوگیا۔ مخالف بھاگا اور پچھے گورے سپاہی مارے گئے اور زخمی ہوئے اور
قلعے کے بھیتر سولا لاکھ روپے کوٹھے میں بھرے ہوئے اور چار لاکھ زمین میں
گڑے ہوئے ملے اور چار لاکھ کا قیمتی زیور ہاتھ لگا اور بہت سے گھوڑے
ہاتھی اور ایک ہزار اونٹ لوٹ میں آئے۔"

شمارہ نمبر ۸۳ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۸۲۵ء

"برہم پوتر کی خبر" کے عنوان کے تحت انگریزوں کے ہندستان کی سرزمین کو بذریعہ تحقیق جاننے کی روش کی تعریف کی گئی۔ اس میں کہا گیا:

ان دنوں میں کہ صاحبانِ انگلینڈ آسام کے ملک میں متسلط ہوئے ازبسکہ
ان صاحبان کے (کی) ہمت تحقیقاتِ ارضی و سماوی پر ہمیشہ متوجہ رہتی ہے ایسا
دریافت ہوا کہ لفٹنٹ برٹن صاحب برہم پوتر کے موہانے تحقیق کے لیے رنگ پور
سے جو اس ملک کی ریاست گاہ ہے کشتی میں سوار ہو دریا کے چڑھاؤ پر
گئے تھے ....."

شمارہ نمبر ۱۰۲ مورخہ ۲۵ رمئی ۱۸۲۵ء

ریزیڈنٹ بہادر کے واسطے شاہ کی حاضری۔ برطانیہ کی عمومی اور فوجی دانش کی ستائش۔ سرکار کے کارپردازوں کی تواضع اور دل جوئی، انگریزوں کی سرزمین ہندستان کے علم کے لیے تحقیق اور تلاش کے جذبے، ان کی عدل گستری اور انگلستان سے صاحبوں کی ریاست کی سرسبزی کی تمنا کی خبروں کی مثالیں اوپر دی گئی ہیں۔

یہ ثناخوانی کسی زیرِ داری کی غماز معلوم نہیں ہوتی بلکہ سرکاری خبریں حاصل کرنے کی ایک تدبیر تھی۔ خبروں کی فراہمی کی دشواری کے اس زمانے میں اخبار نے اپنی دانست میں اس تدبیر کو ضروری سمجھا لیکن مجموعی پیمانے سے دیکھا جائے تو ان میں استغراق سے زیادہ استقام ہے۔

اخبار کمپنی کے معاملات کی اونچ نیچ پر بھی نظر رکھتا تھا۔ بلکہ اس باب میں اس کا قلم خاصہ بے باک تھا۔ یہ بے باکی انگلستان کی تاریخ کے سلسلے میں بار بار عیاں ہوتی۔ دیکھیے:

انگلینڈ کی خبر

"اس برس (۶۶، ۶۱) انگلینڈ کا نقشا جیسا تھا ویسا ہی رہا پر ہندستان میں کمپنی کی سرکار کے معاملات بہت برہم ہو گئے۔ سبب اس کا یہی کہ کمپنی کے کارپردازوں نے طمع کا شیوہ اختیار کیا بے کھٹکے دست درازی کرنے لگے۔ ہر چند کمپنی کے کارپرداز ابتدائے حکومت سے اسی وضع پر عمل رکھتے تھے مگر یہ بے پردگی اور بے احتیاطی نہ تھی۔ اوس برس کھلی کھولا (کھلم کھلا) سوغات اور تحائف کے حیلے سے ہندستان کے رئیسوں کے گھر میں ہاتھ مارنے لگے۔ خدا کا خوف اور خلق کی بدنامی کا وسوسہ بالکل جاتا رہا۔ اس وتیرے کو دیکھ ہندستان کے لوگ آپس میں متفق ہو کر کمپنی کے کارپردازوں کو اس ملک سے نکال دیں تو بڑی قباحت ہوگی۔ اس واسطے مناسب ہے کہ ایک شخص بہت لایق ہندستان کی حکومت پر بھیجا جاوے کہ اس کے جانے سے سب طرح کی بدعت موقوف ہو اور کمپنی کی حکومت دن بدن فروغ پاوے۔ کسو طرح کا ہرج مرج درپیش نہ آوے۔ چنانچہ لارڈ کلائیو ہندستان کی گورنری پر مقرر ہو ہندستان میں پہنچے۔ انھوں نے دانائی اور ہوشیاری سے ایسی ایسی تدبیریں کیں کہ طمع کا بازار ٹھنڈا ہو گیا اور دلی کے بادشاہ سے ایک ایسا عہد نامہ لکھوایا کہ اس سبب سے ایک کروڑ چھپن لاکھ روپے کا سالیانہ بلاخرچ کمپنی کی سرکار کو نفع ہوا۔

شمارہ نمبر ۱۴۵ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۲۶ء

یہ خبر اس قیاس کی اجازت نہیں دیتی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اس اخبار کی آقا یا حاسب یا اس کے مندرجات کی مشیر تھی۔ مزید اخبار نے تاریخ انگلستان کی منتخبہ کتاب کے ترجمے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ کمپنی کے حکام کی "بدعتوں" پر خود بھی تبصرہ کیا یہ خبر دیکھیے۔

انگلینڈ کی خبر

"اسی سال (۱۷۷۳ء) ازبسکہ کمپنی کے کارپردازوں کی بے رحمی اور رشوت ستانی ہندستان کے ملک (میں) شائع ہوئی۔ انگلینڈ کے کارپردازوں نے اس ظلم کی موقوفات کے واسطے سوپریم کورٹ کی کچہری بنگالے میں مقرر کی۔ چار جسٹس تجویز ہوئے۔ اوّل جج کا چونسٹھ ہزار سالانہ اور تین جج کا اڑتالیس ہزار مقرر ہوا۔ انگریزی تاریخ لکھنے والا لکھتا ہے کہ اس تجویز سے دیکھا چاہیے آیندہ کیا فائدہ ہوگا۔ وہ برس ختم ہوگیا۔ یہاں سے خاکسار گزارش کرتا ہے کہ سوپریم کورٹ کے مقرر کرنے میں انگلینڈ کے دانش مندوں پر لاکھ لاکھ آفریں کیا چاہیے۔ سوپریم کورٹ کے مقرر ہونے سے پیشتر کا حال اگر لکھا جاوے (تو) ایک علاحدہ کتاب میں بھی مفصل گنجایش نہ پاوے۔ ایسی ایسی بدعتیں حکام کے ہاتھوں سے اس ملک پر گزر گئیں کہ سننے والوں کے کان کھڑے ہوتے ہیں۔ جب سے یہ عدالت مقرر ہوئی گویا دھرم راج ہوگیا۔ سوپریم کورٹ کے جسٹسوں کی دیانت میں کیا ممکن کہ کوئی حاکم کسو جگہ میں ایک بال برابر ظلم کا روادار ہوسکے۔ غفلت میں اگر کسو پر بے اعتدالی ہوجاوے تو اس عدالت پر الزام نہیں۔ سوپریم کورٹ کی نصفت اور معدلت ایسی ہے کہ جس کے فیض سے بکری باگھ کے ساتھ ایک گھاٹ میں پانی پیتی ہے اور ہاتھی کے پاؤں تلے چیونٹی نہیں مرتی۔"

شمارہ ۱۴۸ مورخہ ۱۲ اپریل ۱۸۲۶ء

کمپنی کے حکام کی بدعتوں کے ذکر کے علاوہ تاریخ کے اس سلسلے میں ٹیپو سلطان کی شجاعت اور شہادت کے احوال بھی ملتے ہیں۔ "بوناپارٹ کے محاربات کی خبر" کی ایک قسط میں انگریزی سپاہ کے مقابلے میں ولندیزیوں کی شکست کا حال بیان کرنے کے بعد ٹیپو سلطان اور انگریزوں کی جنگ کا حال اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

فرانس کے کارپردازوں نے (اب) یہ خیال کیا کہ جو ہماری آرزو تھی کہ انگریزوں کو خاطر خواہ تباہ اور پریشان کریں سو نہ ہوئی اور صرف یورپ کے ملک

کی لڑائی سے انگریز تباہ نہ ہوں گے۔ اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ جب تک انگریز یورپ کی لڑائی میں الجھے رہیں ہماری فوج ہندستان کے ملک میں جاوے اور وہاں فساد اٹھاوے۔ دو طرف کی لڑائی سنبھالنا کام رکھتا ہے اور وہ ملکِ بیگانہ وہاں کے رئیس جنھوں نے انگریزوں کے ہاتھوں سے سختی اٹھائی ہے بے شک ہم سے ملیں گے۔ انگریزوں پر تباہی آوے گی۔ آخر یہ مشورت ٹھہرا نولین سے فوج جہازوں پر چڑھا ہندستان کو روانہ کی اور اپنے سرداروں سے جو ہندستان کی مہم پر مقرر ہوئے تھے سمجھا دیا کہ جب تک ہندستانی رئیسوں سے ہیل میل نہ کرو گے کچھ کام نہ بنے گا۔ سب سے موافقت اور دوستی کی جیو اور پہلے ٹیپو سلطان سے سازش اور دوستی کرنا ضروری ہے۔

اب ٹیپو سلطان کا حال لکھنا لازم پڑا کہ ہرچند سلطان ٹیپو نے کئی برس بیشتر کارنوالس بہادر کے ہاتھ سے شکست پائی تھی اور باوجود اس کے کہ انگریزوں نے بڑے غلبے سے صلح کیا اور ٹیپو کی ریاست اور سلطنت کو بحال رکھا لیکن ٹیپو سلطان کے دل سے خصومت نہ گئی تھی۔ ظاہر میں اگلے مقابلے کی طاقت۔ دیکھتا تھا پر ہمیشہ اس منصوبے میں رہتا تھا کہ جو انگریزوں کے کسو دشمن کی آمیزش سے انگریزوں پر غالب ہو سکے تو قصور نہ کرے۔ مخفی ٹیپو سلطان اور بوناپارٹ سے تحریر ہونے لگی۔ ہندستان کے گورنر کو کھل گیا۔ گورنر جنرل نے نیک طینتی کی راہ سے ٹیپو سلطان کو لکھا کہ مجھ پر خوب ثابت ہوا کہ تم نے انگریزوں کی ریاست برہم کرنے کے واسطے بوناپارٹ سے موافقت کی ہے۔ طرفین سے خطوط کا سررشتہ جاری ہے۔ میں صرف تمھاری بہتری کے لیے لکھتا ہوں کہ فرانس سے آمیزش چھوڑ دو۔ اس قوم کی موافقت تمھارے واسطے اچھی نہیں اور تم جو یہ بات سمجھے ہو کہ فرانسی ہماری ریاست کو برہم کریں گے یہ غلط فہمی ہے۔ فرانسی کیا طاقت رکھتے ہیں کہ اس ریاست کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ یہ وہ مثل ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن نہ پس جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری سلطنت میں زوال آوے۔ میری نصیحت کان رکھ کر سنو عداوت

کی راہ پر پاؤں نہ دھرو۔ ان دنوں کا حال تمھیں معلوم نہیں کہ مصر کے اندر بوناپارٹ نے کیسی شکست انگریزوں کے ہاتھ سے پائی۔ سلطان ٹیپو نے جواب میں لکھا کہ میں انگریزوں کا بدخواہ نہیں۔ مگر یہ بات صرف لکھنے کے لیے تھی۔ پہلے ٹیپو سلطان دربردہ اپنے مطلب کی فکر کرتا تھا۔ اب علانیہ لڑائی کا سامان طیار کرنے لگا۔ قصہ مختصر گورنر جنرل سے لڑائی ہوئی۔ ٹیپو سلطان مارا گیا۔ سلطنت کا نشان باقی نہ رہا۔ اب ٹیپو سلطان کی لڑائی کا حال بر سبیل اختصار سنیے کہ لارڈ مارنگٹن گورنر جنرل کو ہرگز منظور نہ تھا کہ ٹیپو سلطان کی سلطنت تباہ ہو۔ گورنر جنرل نے جہاں تک ہوسکا سمجھایا کہ خصومت اور عناد جی میں نہ رکھو۔ راستی کا شیوہ اختیار کرو۔ لڑائی بھڑائی سے سوا اس کے کہ تمھاری ریاست خراب ہو جاوے اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس نے نہ مانا۔ جب گورنر جنرل نے دیکھا کہ نصیحت اثر نہیں کرتی سلطان لڑائی کا سامان اکٹھا کیے جاتا ہے لاچار لڑنا مناسب جانا اور حکم دیا کہ ملیوار اور کارومنڈل سے فوج اکٹھا ہو کر میسور کو چلے اور حیدرآباد کے ناظم کی فوج بھی وہیں انگریزی لشکر میں جا ملے۔ چنانچہ چوبیس ہزار سپاہ مدراس کی اور چھے ہزار فوج نظم حیدرآباد کی میسور میں اکٹھا ہوئی اور وہاں سے حکم (کے) مطابق سرنگاپٹم کو چلی۔ سرنگاپٹم کے نزدیک ٹیپو سلطان کے لشکر کی چھاؤنی نظر آئی پر درمیان میں جنگل بایل (حائل) تھا اور چاروں طرف سے بادل کی گھٹا چھائی ہوئی۔ یہ نہ سمجھا گیا کہ ٹیپو کی فوج وہاں ٹھہری ہوئی ہے یا چلی آتی ہے۔ ٹیپو کی فوج جنگل کی آڑ میں آتے آتے انگریزی لشکر کے گرد ہوگئی۔ لشکر گھر گیا۔ انگریزی فوج تھوڑی وہ لشکر ٹڈی دل سے زیادہ۔ انگریزی سپاہ کے افسر نے لڑنے میں تامل کیا۔ بارے اسی وقت جرنیل اسٹورٹ صاحب اپنے لشکر کی مدد کو پہنچے۔ لڑائی ہونے لگی۔ دونوں طرف کی فوج خوب لڑی۔ آخر انگریزی سپاہ نے فتح پائی۔ ٹیپو پسپا ہوا کہ اتنے میں کچھ اور فوج انگریزی جا پہنچی۔ انگریزی فوج کی جمعیت بھی بڑھ گئی یہاں تک کہ ٹیپو نے شہر میں پناہ لی اور انگریزی سپاہ نے دمدمے باندھ توپیں چڑھائیں۔ دونو(ں) طرف سے گولہ چلنے لگا۔ انگریزی گولہ اندازوں نے دیوار کو چھلنی کر دیا۔ جگہ جگہ سے

دیوار ٹوٹ گئی۔ فوج کے سرداروں نے سمجھا کہ اب ہلا کرنے میں کچھ وسواس نہیں۔ بہتر ہے کہ گلہ قلعے پر ہلا کریں مگر اس بھید کو مخفی رکھا اور جو سپاہ ہلّے کے واسطے تجویز ہوئی اوس سپاہ کے افسروں سے کہا کہ کل صبح دم فوج کو کابیری ندی کے ادھر پہنچا آڑ میں ٹھہر رہو۔ دوپہر تک ہلا نہ کرو۔ یہ بات عالم میں مشہور ہے کہ دوپہر کے وقت قلعوں پر ہلا لڑائی نہیں کرتے۔ ٹیپو سلطان کی فوج اس وقت غافل ہوگی تب ہلا کیا جاوے گا۔ دوسرے دن انگریزی سپاہ نے اس حکم (کے) مطابق قریب پہنچ کر کچھ ہاتھ پیر نہ ہلایا۔ جب دوپہر پر ایک گھنٹا بجا اور ادھر کی سپاہ غافل ہوئی انگریزی فوج مورچے سے نکل کر کابیری ندی سے اوتر دیوار کے تلے پہنچی اور سیڑھیاں لگا دیوار پر چڑھی۔ وہاں ٹیپو سلطان کی بہت فوج جمع تھی اور ایک ایک سپاہی اس میں چنا ہوا تھا۔ قلعے کے گولہ اندازوں نے گولوں کا مینہ برسادیا۔ پر انگریزی فوج کا منھ نہ پھرا۔ آخر قلعے میں کود پڑی۔ لڑائی ہونے لگی۔ ٹیپو سلطان آپ شمشیر زنی کرتا تھا۔ اس کی شجاعت اور دلاوری مشہور ہے۔ لکھنے کی حاجت نہیں۔ کئی جگہ قلعے کے صحن میں بڑی مردانگی سے لڑا۔ لاچار ہو ایک مکان میں گھسا۔ انگریزی سپاہ بھی لپٹتی چلی گئی۔ وہاں بھی اس نے خوب تلوار کی۔ لڑتے لڑتے زخمی ہو (کر) زمین پر گر پڑا۔ مثل مشہور ہے کہ بے سردار کی فوج جیسے بن دولہا کی برات۔ باہر بھیتر کی سپاہ سے کچھ نہ ہو سکا۔ قلعہ فتح ہوگیا۔ فوج کے صاحبوں نے دستور موافق اپنا بندوبست کیا اور سلطان کی لاش کو اوسی جلوس اور توزک سے کہ لائق تھا دفن کرایا۔ وہ حشمت اور شوکت جس کے گھمنڈ پر ٹیپو سلطان انگریزی کی ریاست (کو) برہم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا ایک دم کے بیچ مٹی میں مل گئی۔ تس پیچھے لارڈ مارنگٹن گورنر جنرل نے اس خیال سے کہ جس میں کمپنی کی سرکار کا انتظام ہمیشہ اس ملک میں قائم رہے یہ تدبیر مناسب سمجھی کہ وہ ملک سب کمپنی کی سرکار میں نہ آوے۔ حیدر آباد کے ناظم اور میسور کے قدیم راجا کو بھی دیا جاوے۔ چنانچہ ناظم کی طرف سے اور کمپنی سرکار سے آمین مقرر ہوئے۔ ملک اس طرح

تقسیم ہوا کہ دارالسلطنت اور قلعہ اور سرنگاپٹم کا جزیرہ اور منگلور اس کے سیوا اور مقامات جو شور دریا سے ملحق تھے کمپنی انگریز بہادر کے دخل میں آئے اور اسی طرح بہت ملک حیدرآباد کے عمل میں شامل ہوا۔ باقی سب ملک مہاراجا کشنا اودیر میسور کے راجا کو ملا کہ قدیم سے اس ملک کے مالک وے تھے۔ سلطان ٹیپو کے باپ نے زبردستی سے چھین لیا تھا۔ بارے جب ٹیپو سلطان کی سلطنت کا نام نشان نہ رہا۔ جرنیل بوناپارٹ کا ارادہ ہندستان کی تسخیر سے سست ہوا۔ جو نقشا بڑی تدبیروں سے درست ہوا تھا برہم ہوگیا۔ [۱]

شمارہ نمبر ۱۷۳ مورخہ ۴ اکتوبر ۱۸۲۶ء

یہ تاریخ برطانوی نقطۂ نظر سے لکھی گئی تھی۔ اس میں ایک ایسا دور پیش کیا گیا جب برطانیہ ہندستان میں اپنا تسلط بڑھا رہا تھا۔ اس زمانے میں یہ یورپ اور ایشیا کے وسیع علاقوں میں فرانس سے برسرِ جنگ تھا۔ فرانسی جرنیل نپولین بوناپارٹ ایک کے بعد دوسرے ملک پر یلغار کر رہا تھا۔ ادھر ہندستان میں دیسی سپاہ کمپنی کے حکام کے سلوک سے نالاں تھیں۔ کیونکہ منجملہ دیگر امور کے وہ بار بار ان کے مذہبی جذبات اور عقیدوں سے لاپروائی برتتے تھے۔

چنانچہ ۱۷۹۴ء میں وزیانگرم میں ہندستانی سپاہ نے سرکاری احکام ماننے سے انکار کر دیا اور کمپنی کے فوجی حکام نے اس غدر کو دبانے کے لیے انتہائی اقدام سے کام لیا۔ [۵]

پھر جنوری ۱۷۹۹ء میں بنارس میں ایک کھلی بغاوت ہوئی جس میں کئی برطانوی افسروں کو قتل کر دیا گیا۔ [۶]

ایسے واقعات کے بعد برطانیہ نے ہندستان پر اپنی گرفت کو مضبوط تر بنانے کا عزم کیا اور اس نے ٹیپو سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت پر گہری توجہ دی۔

۲۶ اپریل ۱۷۹۸ء کو جب ہندستان کا نیا گورنر جنرل ارل آف مارنگٹن لارڈ ویلزلی ہندستان (مدراس) پہنچا تو فرانسی افواج جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر منگلور میں اتر رہی تھیں۔ حالات نے ایک نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔

میسور کے حکمران نے دشمنوں کے خلاف اور ٹیپو سلطان ان میں برطانیہ کو سرِفہرست

تصوّر کرتا تھا، مدد حاصل کرنے کے لیے اپنے قاصد پہلے ہی درسیلز، عربیہ، کابل اور قسطنطنیہ بھیج دیئے تھے۔

اس زمانے میں برطانیہ میں سامراج پسند ٹوریوں کی حکومت تھی۔ ولیم پٹ وزیر اعظم تھے اور ہینری ڈنڈاس کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے صدر تھے۔ لارڈ ویلزلی نے جنھیں ان دونوں کی حمایت حاصل تھی، محسوس کیا کہ برطانیہ کو اب ہند میں ایک غالب طاقت کا کردار ادا کرنا چاہیے۔[۱۰]

مذکورہ حالات سے مضطرب ہوتے ہوتے ۱۸ جون ۱۷۹۸ء کو ہینری ڈنڈاس نے لارڈ ویلزلی کو ایک مراسلے میں لکھا کہ "اگر ٹیپو نے جنگی نوعیت کی تیاریاں کی ہیں یا اگر اس نے خود فرانس کو بلانے کا اعلان کیا ہے تو آپ اس کی طرف سے جنگ کے حقیقی آغاز کا انتظار نہ کریں .... (بلکہ) اس پر یزن بول دیں۔" ٹیپو سلطان اور نپولین بونا پارٹ کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی تھی۔ ۱۷۹۸ء میں بحرِ احمر سے نپولین نے ٹیپو کو لکھا "اس امر کی اطلاع آپ کو پہلے ہی دی جا چکی ہے کہ میں اپنی بے شمار اور ناقابلِ تسخیر افواج کے ساتھ بحرِ احمر کے ساحلوں پر اتر چکا ہوں۔ میرے اندر یہ خواہش موجزن ہے کہ میں آپ کو انگلینڈ کے آہنی پنجے سے آزاد کرا دوں۔"[۱۱]

۱۸ اکتوبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ویلزلی کو نپولین اور اس کی افواج کی مصر میں پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو ۲۰ اکتوبر کو اس نے حکومتِ مدراس کو حکم دیا کہ وہ جنگ کے لیے پوری تیاریاں کرے۔

لارڈ ویلزلی کو جنھوں نے ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹم کے قلعے پر قبضہ کیا، ہندستان میں برطانیہ کی جارحانہ پالیسی کا صاحبِ افتتاح تصوّر کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ۲۵ جنوری ۱۸۰۰ء کو ہینری ڈنڈاس کو اپنے ایک خط میں لکھا "اگر آپ تھوڑا صبر سے کام لیں تو نظام کی موت کے بعد میں آپ کی علاقوں اور قلعوں کی زبردست بھوک کی تشفی کر سکوں گا۔ میرے خیال میں ابھی کچھ دیر سرنگا پٹم کو آپ کے معدے میں قیام کرنا چاہیے حالانکہ یہ تنجور اور پولیگا TANJORE & POLIGAR کے ممالک (ریاستوں) کے علاوہ ہے۔ لیکن اگر آپ کو اب بھی بھوک ستا رہی ہے تو میں غالباً آپ کے عشائیہ کے لیے اودھ اور کرناٹک کے تھے پیش کر سکوں گا۔"[۱۲]

حواشی

۱؎ امداد صابری۔ متذکرہ۔ ص ۹۶، ۹۸

۲؎ نادر علی خاں۔ متذکرہ۔ ص ۴۹

۳؎ مارگریٹا بارنز۔ متذکرہ۔ ص ۱۸۲، ۱۸۴

۴؎ جے۔ نٹ راجن۔ متذکرہ۔ ص ۹

۵؎ A.F.M.ABDUL ALI:"PERSIAN NEWSPAPERS IN HON'BLE JOHN COMPANY'S DAYS," BENGAL, PAST & PRESENT, CALCUTTA, JAN.-JUNE 1927

۶؎ پروفیسر جاوید نہال: "انیسویں صدی میں بنگال کا اردو ادب" اردو رائٹرس گلڈ، کلکتہ ص ۶۷، ۶۶۵

۷؎ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید۔ متذکرہ۔ ص ۴۴

۸؎ TARA CHAND:"HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT," VOL.II, NEW DELHI, 1967 P P. 31-32 QUOTED BY DR.B.M.SHANKHDHAR, IBID P.49

۹؎ K.K.DUTTA:" ANTI BRITISH PLOTS AND MOVEMENTS BEFORE 1857," MEERUT, 1970 PP.14-20, QUOTED BY DR.B.M.SHANKHDHAR, P.49

۱۰؎ ROBERT MONTOGOMERY MARTIN:"DESPATCHES, MINUTES & CORRESPONDENCE OF MARQUIS OF WELLESELEY," VOL.1 P.213 QUOTED BY DR.B.M.SHANKHDHAR, IBID

۱۱؎ CASSELL:"ILLUSTRATED HISTORY OF INDIA," LONDON, 1898 VOL 1 P.328 QUOTED BY DR.SHANKHDHAR, IBID P.48, 47

۱۲؎ C.H.PHILLIPS:" EAST INDIA COMPANY 1784-1834," LONDON 1961 P. 104, 138, QUOTED BY DR.B.M.SHANKHDHAR, IBID P.64

چھٹا باب

حکومت سے تعلقات

لارڈ ویلزلی کا برطانیہ کو ہندستان میں غالب طاقت بنانے کا منصوبہ صرف ٹیپو سلطان سے فیصلہ کن جنگ کرنے ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ وہ سامراج پر نکتہ چینی کی صلاحیت رکھنے والی صحافت کی طرف بھی متوجہ ہوا جس نے اس وقت یہاں بڑی دشواریوں کے بعد آنکھ کھولی تھی۔

اسی زمانے میں ہندستان کے نوزائیدہ پریس پر برطانیہ کے سخت گیر قوانین وضوابط کا آغاز ہوا۔ لارڈ ویلزلی ہی کے دم قدم سے جو پریس کو "ایک بدترین عذاب" تصور کرتے تھے[1] انیسویں صدی کا آغاز پریس پر نئی نئی پابندیوں اور ممنوعات سے ہوا۔ ان پابندیوں نے "جام جہاں نما" کے زمانے میں ایڈم کے آرڈی نینس کی شکل میں نئی شدت اختیار کی جس کی مرآۃ الاخبار کے بانی رام موہن رائے نے پوری جرأت سے مخالفت کی اور بالآخر اپنی مخالفت کو انتہا تک لے جاتے ہوئے احتجاجاً اخبار ہی بند کر دیا۔

جام جہاں نما، جس کی تحریروں نے اس آرڈی نینس کے تصور اور نفاذ میں خاصا حصہ لیا تھا، ایک سرکاری ملازم کا اخبار تھا۔ اس کا ناشر مجاہد سے زیادہ مشاہد کا کردار ہی ادا کر سکتا تھا اور وہ کردار اس نے نہ صرف اہلیت بلکہ جسارت سے ادا بھی کیا۔

اس مشاہدے کا ایک حصہ تو ان "بدعتوں" کی نشاندہی تھی جو "کمپنی کے

حکام کے ہاتھوں اس ملک میں رائج ہوگئیں " اور دوسرا اس تبصرے میں ملتا ہے جو اس نے اپنے تاریخی سلسلۂ مضامین کے اختتامی مرحلے میں تاریخِ عالمگیری کی آخری قسط اور اردو ضمیمے کے آخری شمارے میں کیا۔ یہ حسبِ ذیل تھا:

"اب راقم گزارش کرتا ہے کہ اورنگ زیب تیموریہ خاندان میں بہت لائق وفائق ہوا۔ سب علوم وفنون میں اس کو بخوبی مہارت حاصل تھی۔ رعیت پروری اور نصفت پروری جیسی اس نے کی، اس کے خاندان میں دوسرے سے نہیں ہوئی۔ اگرچہ تیموریہ خاندان میں کسُو کی نیت میں فساد نہ تھا خلق اللہ کو سب دوست رکھتے تھے۔ شاہجہاں نے بہت اچھی فرمانروائی کی۔ جہانگیر ایسے ہی عادل تھے.... اکبر کی صفات کہاں تک لکھی جائیں۔ پر انصاف شرط ہے۔ سب کے عہد میں امیروں و دانشمندوں کو سلطنت کے امور میں دخل تھا۔ اورنگ زیب کی محفل میں بھی سب طرح کے علما، فضلا، عقلا حاضر تھے۔ پر اس نے کبھو کسی سے انتظام کے باب میں مدد نہیں چاہی۔ اور اس مآل اندیشی سے ہر ایک کام کیا کہ اتفاقیہ کبھو اس کی رائے نے خطا کی ہو۔ اوائل میں جو حرکات کہ فی الحقیقت شرعاً و عرفاً ممنوع ہیں، اورنگ زیب سے ظہور میں آئے۔ سلطنت کی ہوس ابتدا ہی سے سب کو ہوتی رہی ہے۔ شہزادے سپولے کہلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے کیا کیا نہیں کیا: پر جب وہ مستقل ہوگیا، پھر اس نے کسُو کے ساتھ اپنی دانست میں بدی نہیں کی۔ اور یہ بات کہ لوگ اس کو خسیس کہتے ہیں، کہا کریں۔ سلطنت کا خزانہ لہو لعب میں اُڑا دینا کب دانشمندوں نے جائز رکھا ہے: اورنگ زیب نے تن آسانی اور عیاشی نہیں کی۔ غریب غربا کو ہزاروں لاکھوں بخشے۔ سپاہ کو ہمیشہ انعام واکرام سے راضی رکھا۔ اسراف اس کو پسند نہ تھا۔ صرف یہ بات کہ اورنگ زیب کو مذہب کا تعصب بہت تھا درست مگر مذہب کی پاسداری سے (کو) سب علما نے جائز رکھا ہے۔ بلکہ اپنے (کی) مذہب کے استحکام کا سبب جانتے رہے ہیں۔ پر ریاست کی شان کے برخلاف بادشاہ ہفتاد و ملت کا آشنا چاہیے کہ اس کی سلطنت میں کسُو کو روحانی رنج نہ پہنچے۔ بہر حال حسنات بہت اور ذمائم اس کے گنتی کے ہوں گے۔ مثل مشہور ہے

کہ بے عیب ذات اسی کی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔"

اس تبصرے میں نہ صرف تیموریہ خاندان کے حکمرانوں کا ایک متوازن جائزہ پیش کیا گیا بلکہ پرانی قدروں اور ثقافت کو برطرف کرنے والے کمپنی کے کارپردازوں کے سامنے مغل حکمرانوں کے "حسنات" اور "نصفت پروری" کا نقشا اور نصب العین بھی رکھا گیا

یہ نصب العین اس فرنگی حکومت کے سامنے رکھا گیا جس کے ایک گورنر جنرل لارڈ ہیٹنگز نے ۱۸۱۷ء میں فورٹ ولیم کالج کے سالانہ جلسے میں اپنے صدارتی خطبے میں برٹش راج کو بزعم خود ہند کی "رضامند رعایا" کے لیے "قابلِ تقویت برکت" بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

"ہم نے ہندستان میں لاقانونیت سے لبریز تشدد کی راکھ پر بے لاگ انصاف کا قابلِ فخر مندر تعمیر کیا ہے۔ ہم نے ایک ایسی جگہ پر جہاں ظلم، ذلت اور پامالی اپنے راستوں کو خون کے رنگ سے لال کرتے تھے، رحم و کرم کے مقدس مرکز قائم کیے ..... سنگ مرمر بوسیدگی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے ہیرو کی شان و شوکت اسی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ کتبوں کو وقت مٹا دیتا ہے اور اصنام کی کنگنیاں مٹی میں مل جاتی ہیں ..... لیکن ان محسنوں کی یادیں نابود نہیں ہوتیں جو بنی نوع انسان کا خیال رکھتے ہیں۔"[۲۶]

اس خطبے میں (ہندستان کے) آثار الصنادید کی پستی اور فرنگی حکومت کے "احسانات" کی بلندی کے تصورات بڑے واضح تھے۔ لہٰذا صاحبانِ کمپنی جو اپنے پیشرو حکمرانوں کی تہذیب یا نیک نامی کو قبول نہیں کر سکتے تھے، یقیناً "جام جہاں نما" کے اس تبصرے کی داد نہیں دے سکے ہوں گے۔

یہ اخبار ہندستان کے قدیم تمدن اور وقار کے بلند بانگ دعوے کرتا تو نظر نہیں آتا، لیکن اس کے دھیمے لب و لہجے میں چیف سکریٹری مسٹر بیلی کے قیاسات کی صداقت نمایاں ہوتی ہے۔ مسٹر بیلی نے کہا تھا کہ دیسی اخبار نشر انگیزی کے انجن یا آفت کے پرکالے بن سکتے ہیں۔ یہ پیشین گوئی "جام جہاں نما" کے صاحبِ مطبع ہو جانے کے بعد واقعتاً شرمندۂ تعبیر ہو گئی اور کلکتہ کے اس اخبار کے کالموں میں دہلی کی ایک ایسی خبر

شائع ہوئی جو اس کے ناشر کی فکر اور واقعات شناسی کی مظہر تھی۔ اس میں سیاسی نوعیت کے ایک فرنگی حاکم کی رعونت پر امکانی عوامی جذبات کی عکاسی کی گئی تھی۔

ان دنوں کمپنی کی حکومت کی طرف سے دہلی میں ایک ایسے ریذیڈنٹ کا تقرر ہوا جسے دہلی کی زندگی اور اس کے دربار کے آداب سے کوئی واقفیت یا پرکھ نہیں تھی۔ اس کا نام فرانسیس ہاکنز تھا۔ یہ شخص حد درجہ استعمار پسند اور مغرور تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ کسی انگریز کو کسی ہندستانی کے آگے جھکنا نہیں چاہیے خواہ یہ ادا ایک اخلاقی ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سمجھتا تھا کہ برطانوی ریذیڈنٹ سے اپنے تعلقات میں دہلی کے بادشاہ کو اپنے شاہی مرتبے کو مقدم نہیں رکھنا چاہیے۔ اس نے عہدہ سنبھالتے ہی جب بادشاہ کے دربار میں حاضری دی تو اپنی رسمی نذر بڑی بے رخی سے صرف ایک ہی ہاتھ سے پیش کی۔ پھر جب وہ ملکہ کے سامنے گیا تو وہاں کھڑے رہنے کی بجائے کرسی پر بیٹھنے پر اصرار کیا۔ بعد میں اس نے ولی عہد کے تحفے لینے سے انکار کر دیا اور شاہی شقے یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ ان کی زبان مہذب نہیں ہے۔ اور اس طرح محل کے معاملات میں بار بار بے ادبی کی۔

شہنشاہ نے اس کے وطیرے کے خلاف احتجاج کیا اور اپنی تحریری شکایتیں کلکتہ بھیجیں۔ کمپنی کے حکام نے بھی مسٹر ہاکنز کے طرزِ عمل کو ناپسند کیا اور اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔[۴۴]

چنانچہ "جام جہاں نما" کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو اس نے اسے ایسے عنوان اور متن سے شائع کیا جو کسی طرح بھی برطانیہ پسندی کے رویے کا حامل نہیں تھا۔ اس کا مفہوم اس قدر تیز و تند تھا کہ مسٹر ہاکنز اسے دیکھتے ہی سیخ پا ہو گئے اور فوراً دہلی کے مجسٹریٹ مسٹر ٹامس مٹکاف سے شکایت کی۔

اس مقدمے کے بارے میں ہماری صحافت کی تاریخوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا حالانکہ اس کی مدد سے "جام جہاں نما" کے حقیقی کردار کا بڑے مثبت انداز سے ادراک کیا جا سکتا ہے۔ راقم الحروف نے اس کی تفصیل انڈیا آفس لائبریری، لندن، سے حاصل کی جس سے معلوم ہوا کہ ۱۷ مارچ ۱۸۳۰ء کے شمارے میں "جام جہاں نما" نے اپنے وقائع نگار سے حاصل شدہ مندرجہ ذیل خبر شائع کی:

چیرہ دستی ہی چیرہ دستی

دہلی اور اس کے گرد و نواح کے لوگ جنھیں برسہا برس تک مختلف
اصحاب کے بامروّت اور انسان دوست سلوک سے سابقہ رہا ہے مسٹر ہاکنز
(کے رویّے) میں ایسا کوئی میلان نہیں دیکھتے جس سے ان کا دوستانہ ذہن ظاہر
ہو اور وہ ان کا شکریہ ادا کرسکیں۔ امر واقع یہ ہے کہ (مرکزی) حکومت نے حال
ہی میں (دہلی کے جج اور مجسٹریٹ) مسٹر ٹامس مٹیکاف کو یہ احکام جاری کیے
ہیں کہ اگر مسٹر ہاکنز کوئی نامناسب کارروائی کریں تو وہ اس کی اطلاع حکومت
کو دیں۔ ان احکام کی پیروی میں (شہر کے) کوتوال کو مجسٹریٹ مذکور سے یہ
ہدایات موصول ہو چکی ہیں کہ وہ مسٹر ہاکنز کے اعمال پر نظر رکھیں ؎

اس زمانے میں ایک ریذیڈنٹ کے خلاف، جو فرنگی سرکار کے وقار کی علامت
تھا، ایسی خبر کی اشاعت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بلکہ دیکھا جائے تو اس میں کسی
غلط انداز سرکاری افسر کو بے نقاب کرنے کا جدید صحافت کا دیرانہ اقدام نمایاں تھا
اور "جام جہاں نما" ایسے اخبار میں، جس کے ماتھے پر سرکاری نشان چھپتا رہا تھا،
اس کی اشاعت یقیناً مسٹر بیلی کی پیشین گوئی کو درست ثابت کر رہی تھی۔ چنانچہ مسٹر
ہاکنز نے بلا تاخیر اس کا نوٹس لیا اور ۲۹ مارچ ۱۸۳۰ء کو مجسٹریٹ مسٹر ٹامس مٹکاف
کی عدالت میں مندرجہ ذیل عرضی داخل کی:

بخدمت ٹی ٹی مٹیکاف اسکوائر
جج و مجسٹریٹ، انچارج امورِ محل
دہلی۔

جناب والا

اس ماہ کے ۱۷ مارچ کے جام جہاں نما کے صفحہ ۱۷۶ پر کہا گیا ہے کہ آپ کو
حکومت نے میرے اعمال پر رپورٹ بھیجنے کے احکام دیے ہیں اور آپ نے شہر
کے کوتوال کو ہدایت کی ہے کہ وہ میرے اعمال پر نظر رکھے۔ میں یہ باور کرنے
سے قاصر ہوں کہ حکومت کی طرف سے ایسے کوئی احکام حقیقتاً جاری کیے گئے ہوں۔
لیکن چونکہ میں اس موضوع کے بارے میں فوراً حکومت کو لکھنا چاہتا ہوں اس لیے

میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سے قبل آپ سے معلوم کرلوں کہ کیا اخبار کی مذکورہ خبر میں کوئی صداقت ہے؟ اور اگر آپ کو حکومت سے ایسے کوئی احکام موصول ہوئے ہیں تو میری گزارش ہے کہ آپ اس کی ایک نقل مجھے مہیا کریں تاکہ مجھے معلوم ہو کہ یہ احکام کس بنیاد پر جاری کیے گئے۔

دہلی ریذیڈنسی　　　　آپ کا

۲۱ مارچ ۱۸۳۰ء　　　　ایف ہاکنز[۵۸]

مجسٹریٹ نے اس عرضی کا جواب اسی دن بھیج دیا جو حسبِ ذیل تھا:

جناب والا

"مجھے آپ کا آج کی تاریخ کا مراسلہ ملا۔ اس کے جواب میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ مجھے حکومت سے کوئی ایسے احکام نہیں ملے ہیں جن کا ذکر آپ کے مراسلے میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا میں نے بھی شہر کے کوتوال کو کوئی مبینہ ہدایات جاری نہیں کی ہیں۔

دہلی　　　　آپ کا

۲۱ مارچ ۱۸۳۰ء　　　　ٹی میٹکاف[۵۹]

یہ جواب پلتے ہی اسی دن مسٹر ہاکنز نے اس خط و کتابت کی نقل حکومت کے سکریٹری مسٹر اے۔ اسٹرلنگ کو کلکتہ بھیج دی اور اس کے ساتھ اپنے مراسلے میں لکھا:

"مجسٹریٹ کے منسلکہ جواب سے بخوبی ظاہر ہے کہ جام جہاں نما کے ۱۰ مارچ ۱۸۳۰ء کے شمارے میں "چیرہ دستی ہی چیرہ دستی" کے عنوان کے تحت شائع شدہ مضمون میں حکومت، مسٹر میٹکاف اور میرے متعلق عوام میں نفرت انگیز اور باطل اطلاعات مشتہر کی گئی ہیں اور چونکہ یہ اخبار اب تک حکومت کی سرپرستی سے فیض یاب ہو رہا ہے لہٰذا مجھے امید ہے کہ اس کی مذکورہ غلط بیانیوں کا ایسا نوٹس لیا جائے گا جو اڈیٹر یا اڈیٹروں کو ایسی تحریروں سے ہمیشہ باز رکھے اور وہ حکومت یا اس کے اہل کاروں پر ایسے نفرت انگیز چھینٹے نہ ڈال سکیں۔ اس ممانعت کا ایک اچھا اور کارگر طریقہ یہ ہوگا کہ حکومت اس کے وہ تمام پرچے خرید نا بند کر دے جس کا انتیار اس نے اخبار کو اس صورت میں دیا

ہوا ہے کہ وہ رعایتی شرح پر انھیں ڈاک سے بھیجے ۔"

اس کے جواب میں سکریٹری مسٹر اے اسٹرلنگ نے ۱۶ اپریل ۱۸۳۰ء کو مسٹر فرانسیس ہاکنز کو مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا:

مجھے آپ کے ۲۹ مارچ کے خط کی رسید بھیجنے کی ہدایت دی گئی ہے جس میں آپ نے جام جہاں نما کے آپ کے چلن کے بارے میں ناروا مضمون کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کرائی تھی ۔ اس کے جواب میں میں آپ کو مطلع کر رہا ہوں کہ ہماری طرف سے کسی یورپی افسر کو ایسی ہدایت کہ وہ آپ کے اعمال کی نگرانی کرے سراسر لغو اور بے بنیاد بات ہے ۔ متنازعہ مضمون میں اڈیٹر نے صریحًا بے لگامی برتی ہے اور یہ پریس کے قواعد کی خلاف ورزی ہے ۔ حکومت اسے پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتی ۔ آپ نے اس کی سرزنش کا جو مخصوص طریقہ تجویز کیا ہے اس کے تعلق سے مجھے آپ کو یہ بتانے کے لیے کہا گیا ہے کہ حکومت کی طرف سے اس اخبار کی خریداری عرصہ ہوا ۱۸۲۸ء ہی میں بند کر دی گئی تھی اور آج کل اس کا کوئی شمارہ سرکاری حساب میں ڈاک (کی رعایت) سے نہیں بھیجا جاتا ۔

فورٹ ولیم	آپ کا
۱۶ اپریل ۱۸۳۰	اے ۔ اسٹرلنگ ۔ سکریٹری ؎

اس خط و کتابت سے صاف ظاہر ہے کہ "جام جہاں نما" اور حکومت کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے ۔ نہ صرف کلکتہ میں مقیم گورنمنٹ سے بلکہ دہلی کے ریذیڈنٹ سے یہ تعلقات کشیدہ ہی تھے ۔ مزید یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ حکومت نے جام جہاں نما کی درخواست پر ۱۸۲۶ء میں اسے ڈاک کی جو نام نہاد رعایت دی تھی وہ ۱۸۲۸ء سے کلیتًا بند کی جا چکی تھی ۔ ان وجوہ سے اخبار پر اس کے اخراجات کا بار بڑھ گیا تھا جس کی حکومت کو کوئی تشویش نہیں تھی گو اخبار اس کی مختلف سرگرمیوں کی پبلسٹی کر رہا تھا اور اپنی پیشانی پر اس کا نشان بھی چھاپتا رہا تھا ۔ انھیں پریشانیوں میں اخبار نے ۱۸۲۸ء میں اپنے اردو ضمیمے کی اشاعت بھی بند کر دی تھی ۔

ایک اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ گو حکومت کی نظر میں "جام جہاں نما عوام کے مخالف

جذبات کی تخیل آمیز اشاعت سے پریس کے قواعد کی خلاف ورزی کر رہا تھا لیکن حکومت چونکہ پہلے ہی اس کی (جزوی) سرپرستی بند کر چکی تھی لہٰذا اب وہ اس کی ہڈیاں اکھیڑنا غالباً لاحاصل تصور کرتی تھی۔

اس واقعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کلکتہ میں مقیم جام جہاں نما اپنی ناتوانی کے باوجود دہلی کے لوگوں کی فرنگی حکام سے بیزاری کو دلیری سے شائع کرتا تھا اور ایسی اشاعت میں اسکوپ کا انداز اختیار کر سکتا تھا۔ مثلاً جب اسے اپنے نامہ نگار سے معلوم ہوا کہ اہلِ دہلی مسٹر ہاکنز کے وطیرے کو ناقابلِ تشکر تصور کرتے ہیں تو اس نے اپنی رپورٹ کے ساتھ یہ کاری گرہ بھی لگا دی کہ دہلی کے مجسٹریٹ نے شہر کے کوتوال کو مسٹر ہاکنز کے اعمال پر نظر رکھنے کی ہدایت دی ہے۔

اس سے قبل اخبار نے دیسی صحافت کی طرف کمپنی کے حکام کے امتیازی رویے کی نشاندہی کی تھی۔ یہ حکام صحافت کے اپنے ہم قوم ناشرین کو تو ڈاک کے محصولات میں متعدد رعایتیں عطا کرتے تھے لیکن دیسی اخباروں کے ناشرین کو ان سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ان کے باضابطہ گزارش کرنے پر بھی صاحبانِ کمپنی اس کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔

ہندی (دیوناگری) کے اوّلین اخبار "اودنت مارتنڈ" کا معاملہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ اپنے اردگرد کے حالات سے واقفیت کی بنا پر اس کے ناشر جگل کشور شکل نے اپنے اخبار کے اجرا کی درخواست ہی میں پہلے آٹھ شماروں کے لیے محصول ڈاک سے معافی کے لیے کہا۔

۱۸۱۳ء میں جب برٹش پارلیمنٹ نے ایک ایکٹ کے ذریعے کمپنی کے موقف کے چارٹر کی تجدید کی تھی تو اس میں ایک دفعہ اس غرض اور گنجایش کی بھی رکھی گئی کہ "گورنر جنرل ہر سال کم از کم ایک لاکھ روپے ادب کی تجدید و اصلاح، ہندستان میں تعلیم یافتہ لوگوں کی ہمت افزائی اور ہندستان کے برطانوی علاقوں میں سائنس کے علم کے رواج اور ترقی پر صرف کرے۔"[۵]

چنانچہ اودنت مارتنڈ نے اپنی درخواست میں برطانوی حکومت کے علم و ادب کو فروغ دینے کے مسلک کا حوالہ بھی دیا اور محصول ڈاک کی معافی کے بدلے اپنے

قارئین میں حکومت کی اطاعت کرنے کے جذبے کو فروغ دینے کی یقین دہانی بھی کرائی۔ لیکن حکومت نے اس کی درخواست منظور نہ کی۔

یہ درخواست ۲۷ جون ۱۸۲۶ء کو دی گئی تھی۔ ۲۷ رفروری ۱۸۲۷ء کو یعنی تقریباً آٹھ ماہ بعد ناشر نے اپنی مسلسل مالی مشکلات کے پیشِ نظر پھر محصول ڈاک کی معافی کی درخواست دی اور یہ بھی بتایا کہ حکومت ایسی معافی سیرام پور مشن کے بنگلہ اخبار "سماچار درپن" کو دے رہی ہے۔ لیکن کمپنی کے اصحابِ اختیار اس سے متاثر نہ ہوئے اور درخواست ملنے کے دس دن کے اندر یہ کورا جواب دیا کہ "آپ کی درخواست منظور نہیں کی جا سکتی"۔[۱۵]

ہری ہردت نے اپنی درخواست جنگل کشور شکل کی پہلی درخواست سے تقریباً چار ماہ بعد ۱۳ راکتوبر ۱۸۲۶ء کو دی۔ اس درخواست کا متن اوپر (تیسرے باب میں) پیش کیا جا چکا ہے۔ اس دستاویز سے اخبار کے حکومت سے تعلقات پر بڑی واضح روشنی پڑتی ہے۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ پیشہ ورانہ اور اقتصادی طور پر یہ اخبار حکومت کے سلوک کا شاکی تھا اور اس قدر شاکی تھا کہ اس نے اپنی برہمی کا تحریری اظہار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگر وہ کمپنی کا پروردہ یا وظیفہ خوار ہوتا، جیسا کہ اکثر مورخین نے لکھا ہے، تو وہ تحریری اظہار کرنے کی بجائے ایک سائل کی گدائی یا فدوی کی فریاد کا انداز اختیار کرتا لیکن اس نے اپنے مراسلے میں ایک خود دار اور غیرت مند صحافی کا وطیرہ اختیار کیا۔ اس نے کہا کہ ایک صاحب اخبار ہونے کی وجہ سے حکومت کی نظر میں اس کا مرتبہ وہی ہونا چاہیے جو وہ اپنے ہمقوم اخبار نویسوں کو دے رہی ہے۔ اس نے سیرام پور مشن کے بنگلہ اور فارسی کے دو اخباروں کا، جنھیں حکومت متعدد مراعات دے رہی تھی، نام لے کر کہا کہ "زبان، مواد اور کارکردگی" کے اعتبار سے اس کا جام جہاں نما اپنے ان ہمعصروں سے "بدرجہا بہتر" ہے اور اس بات کا اطمینان حکومت خود فریقین کے اخباروں کے مقابلے سے کر سکتی ہے۔ جام جہاں نما کی اس نمایندگی سے اس کے ناشر کی مالی دشواریوں اور اس کی ان پر قابو پانے کی مسلسل جدوجہد کا بھی پتا چلتا ہے۔

اس زمانے میں ڈاک کے محصول کی شرحوں سے اکثر اخبار پریشان اور

شائع تھے۔ یہ محصول فاصلے کے لحاظ سے خطوط کے وزن کی بنا پر وصول کیا جاتا تھا۔ اور فی خط یا بنڈل ایک آنے سے ۱۵ آنے تک بڑھ جاتا تھا۔[۱۰]

ان محصولوں کے خلاف تین انگریزی اخباروں "جان بُل"، "انڈیا گزٹ" اور "بنگال کرانیکل" کے یورپی مالکوں نے بھی شکایت کی تھی۔ اپنی عرضی میں انھوں نے بتایا کہ یہ محصول کلکتہ کے مضافات کے جن کی کل تعداد ۱۰۶ تھی، اکثر مقامات کے لیے ان کے اخبار کے چندے کی رقم سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ کہیں کہیں تو یہ چندے کی رقم سے دوگنا ہو جاتا اور بعض مقامات کا محصول مضافات کے دوسرے مقامات سے آٹھ آٹھ اور نو نو گنا زیادہ تھا۔ انھوں نے محصول کے اس طریق کار کو "غیر منصفانہ" اور "غیر مساوی" قرار دیا تھا۔[۱۱]

دیسی اخباروں کے سرکولیشن کی کساد بازاری کے اس زمانے میں دیسی ناشروں کے لیے یہ اضافہ تو اور بھی گراں اور جان لیوا رہا ہوگا۔

بہر حال ہری ہر دت کی نمایندگی سے اس کے اخبار کے صحافتی اور علمی مرتبے کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس نے بڑے اعتماد سے اسے اپنے ہمعصروں سے مقابلے کے لیے پیش کیا ہے۔

ہری ہر دت کی یہ درخواست منظور ہوئی اور حکومت نے ایک ہی ہفتہ بعد ڈاک شرح کے معاملے میں جام جہاں نما کو مشنریوں کے دیسی اخباروں کے مساوی کر دیا۔[۱۲]

جام جہاں نما کے اوصاف کے بارے میں ہری ہر دت نے جو متذکرہ صدر تبصرہ کیا ہے، وہ کوئی لاف زنی نہیں تھی بلکہ اپنے تعارف کو نمایاں کرنے کی ایک مہذب کوشش تھی۔ اس کی تصدیق ہمیں سرکاری اخبار "کلکتہ گزٹ" کے ایک تبصرے سے ملتی ہے۔ جو اس نے ڈاک کی رعایت کی منظوری کے بارے میں جام جہاں نما کے اعلان کے حوالے سے اپنے ۲۶ نومبر ۱۸۲۶ء کے شمارے میں کیا۔ اس نے لکھا:

> سیرام پور کے اخبار اور جام جہاں نما دونوں وسیع تعداد میں حقیقت آفریں اطلاعات کے درست ترجمے شائع کرتے ہیں۔ ان کے ماٰخذ کلکتہ کے اخبار اور

انگریزی جریدوں کے مختلف مضامین ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں دیسی قارئین کے لیے بہت سا نیا اور مفید مواد پیش کرتے ہیں۔

جام جہاں نما کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ شمالی ہند کے قارئین کے لیے ہندستانی زبان میں ایک ضمیمہ بھی شائع کرتا ہے جس میں پچھلے کافی عرصے سے نپولین کی تاریخ کا ایک سلسلہ شائع ہو رہا ہے۔[۴۳]

اس تبصرے میں "کلکتہ گزٹ" نے جام جہاں نما اور سیرام پور کے اخباروں کو ایک ہی سطح پر رکھ دیا ہے۔ لیکن اسی زمانے کی محکمہ فارسی کے سکریٹری مسٹر اینڈریو اسٹرلنگ کی ایک رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ صفات کی ترازو میں جام جہاں نما کا پلّہ سیرام پور کے اخبار پر بھاری تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سیرام پور کے مشنریوں نے حکومت کے ایما پر اپنے بنگلا اخبار سماچار درپن (اجرا ۱۸۱۸ء) کا فارسی اڈیشن "اخبار سیرام پور" (اجرا ۱۸۲۶ء) کے نام سے جاری کیا اور حکومت نے اس کی اشاعت بڑھانے کے لیے اسے ایک سو ساٹھ روپے ماہانہ کی امداد بھی منظور کی۔ لیکن یہ اخبار کامیاب نہ ہوا۔ دو ہی سال بعد محکمۂ فارسی کے سکریٹری مسٹر اینڈریو اسٹرلنگ نے ۲۵ اپریل ۱۸۲۸ء کو اپنے ایک نوٹ میں لکھا "ان کا (سیرام پور کے مشنریوں کا) فارسی اخبار بڑے گھٹیا انداز سے چلایا جا رہا ہے اور کسی بھی طبقے کے دیسی قارئین اسے خاطر میں نہیں لا سکتے۔"[۴۴] چنانچہ ۲۳ مئی ۱۸۲۸ء کے ایک حکم سے حکومت نے سیرام پور کے مشنریوں کے اخباروں کی مالی امداد بند کر دی۔[۴۵]

اسی مرحلے پر حکومت نے جام جہاں نما کی امداد بھی بند کرنے کا فیصلہ کیا اگرچہ یہ امداد ان دونوں زمروں کے اخباروں کو ایک نظر سے نہیں دی گئی تھی۔ حکومت کی طرف سے وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ مالی مشکلات سے دوچار ہے اور اس لیے اسے اپنے اخراجات میں کفایت کرنا ضروری ہو گیا ہے، لہٰذا وہ یہ امداد بند کر رہی ہے۔[۴۶]

اس اقدام سے ایک بار پھر یہ امر سامنے آتا ہے کہ جام جہاں نما حکومت کی مخالفانہ امتیازی حکمتِ عملی کا شکار ہوتا رہا۔

اس کے تھوڑے دن بعد گورنر جنرل لارڈ بنٹینک نے اپنے محکمۂ فارسی سے کلکتہ

کے دیسی پریس کے حالیہ حالات کے بارے میں رپورٹ طلب کی چنانچہ مسٹر اسٹرلنگ نے جو مشرقی علوم کے بڑے شناور تھے اس پریس کے دو سال کے کوائف پر ایک رپورٹ تیار کر کے حکومت کو پیش کی۔ اس میں انھوں نے بتایا کہ ۱۸۲۴ء تا ۱۸۲۶ء کلکتہ سے دیسی زبانوں میں کُل چھ اخبار چھپتے رہے ہیں۔ جن میں تین بنگالی کے دو فارسی کے اور ایک ہندی کا تھا۔ ان میں سے ہندی کا اخبار اور ایک فارسی کا اخبار امداد نہ ملنے کی وجہ سے بند ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ سیرام پور مشنریوں کے دو اخبار تھے، ایک فارسی کا اور ایک بنگلہ کا۔ یہ دونوں بھی گذشتہ جون سے بند ہیں کیونکہ حکومت نے اپنے اخراجات میں کفایت کے لیے ان کی امداد ترک کر دی تھی۔

ان کے بعد فارسی کا صرف ایک اخبار (جام جہاں نما) رہ گیا ہے۔ اس کی سرکاری امداد بھی مشنریوں کے اخباروں کے ساتھ ہی بند کر دی گئی تھی اور اب یہ کمزور بنیاد پر صرف چند انگریزوں کی سرپرستی سے، اور میں بھی ان میں شامل ہوں، چل رہا ہے۔ پبلک نے اس کو چندہ دینا بند کر دیا ہے۔ میں اور چند انگریز ایسے اخباروں کو جاری رکھنے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے ہندستانیوں میں معلومات اور آگہی کو فروغ ملے اور ان میں تحقیق اور فکر کا مادہ پیدا ہو۔ بحالات موجودہ ہندستانی ایک دیسی اخبار کی خریداری کو فضول خرچی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے کلکتہ کی حدود سے باہر اس کی کوئی مانگ نہیں ہے۔ اگر حکومت یا اس کے افسروں کی طرف سے کوئی مدد نہ ملے تو اندرونِ شہر اس کی شاید ہی کوئی کاپی بکے۔

بنگلہ زبان کے اخباروں نے اچھی ترقی کی ہے کیونکہ کلکتہ کی ہندو آبادی کا ایک بڑا حصہ ان کا قاری ہے۔ یہ لوگ کچھ تو انگریزی طریقۂ معاشرت اور خیالات کی طرف راغب ہیں اور کچھ خبریں پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ یہ انھیں (بنگلہ) اخباروں کے ذریعے سے تھوڑے خرچ سے بآسانی مل جاتی ہیں۔ ان کے اخبار ملکی یا غیر ملکی سیاسیات میں شاذو نادر ہی دلچسپی لیتے ہیں اور کسی اورجنل خیال یا قیاس کا اظہار نہیں کرتے۔ البتہ جب کوئی یورپین اڈیٹر ستی کی رسم پر نکتہ چینی کرتا ہے تو یہ اس کی مخالفت کرتے ہیں....

میری نظر میں جام جہاں نما موجودہ دیسی اخباروں میں بہترین اخبار ہے۔ اس میں بھی کوئی اوریجنل مواد نہیں ہوتا۔ ہر شمارے میں چند مضامین کلکتہ کے انگریزی اخباروں سے بامحاورہ ترجمہ ہوتے ہیں۔ مزید کئی ہندستانی عدالتوں کے فیصلے اور عدالتوں کی خبریں ہوتی ہیں۔ ان کے مآخذ دیسی قلمی اخبار ہوتے ہیں جن کی صحت اور عبارت محل نظر ہوتی ہے۔ بہر حال اس اخبار کی تمامتر خوبی اس امر میں ہے کہ ادیٹر انگریزی اخباروں سے بڑی سوجھ بوجھ سے مضامین کا انتخاب کرتا ہے اور ترجمے کا اسلوب بھی اچھا ہوتا ہے۔ انگریزی مضامین چونکہ زیادہ تر (بنگال) ہرکارہ (اجرا ۱۷۹۸ء) سے لیے جاتے ہیں، اس لیے بارہا اس کے صفحات میں سرکاری اقدامات پر نکتہ چینی اور مذمت کا تاثر بھی ملتا ہے۔ لیکن مجموعی طور پر دیکھا گیا ہے کہ اڈیٹر بڑی احتیاط اور ضبط سے کام لیتا ہے اور پریس کے قواعد کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اس تمام امداد کے باوجود جو اسے (کمپنی کے علاوہ) دوسرے ذرائع سے ملتی ہے، آج بھی یہ اخبار جاں بلب ہے' اور مجھے یقین نہیں کہ یہ زیادہ دیر چل سکے گا کیونکہ مفصلات میں ایسی چیز کی مانگ نہیں ہے اور خود کلکتہ میں ان طبقوں میں جو حالات حاضرہ میں دلچسپی لینے لگے ہیں، اور انگریزوں سے میل جول کے بعد جن کے ذوق اور مزاج میں اصلاح اور بلندی واقع ہوئی ہے، انھیں عام طور پر نہ فارسی کی شُدبُد ہے اور نہ ان میں اس کی تحصیل کی رغبت ہے۔ کلکتہ کی حدود سے باہر ہماری دیسی رعایا کی غربت بھی ان کی عدم دلچسپی ہی کی طرح اُنھیں اخباروں سے دور رہنے پر مجبور کرتی ہے[۱۱]

مسٹر بیلی کے نوٹ طرح یہ بھی بہت اہم رپورٹ ہے۔ اس سے جام جہاں نما کے صحافتی کوائف، اوصاف اور اشاعت کے مسائل کے علاوہ حتمی طور پر یہ پتا چلتا ہے کہ اسے جو امداد مل رہی تھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے باہر کے ذرائع سے تھی۔ اس دور میں اکثر باثروت حلقے جن میں روایت پسند، اصلاح کے حامی اور مشرق پسند ہر طرح کے اصحاب شامل تھے نیز تعلیمی اور تجارتی ادارے بھی رائے عامہ سے رابطہ قائم رکھنے کی خاطر پریس کے وسیلے سے کام لے رہے تھے۔ جہاں حکومت نے

رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لیے کلکتہ، مدراس اور بمبئی سے اپنے گزٹ جاری کیے وہیں تجارتی کوٹھیوں نے بھی اخباروں کو مالی امداد دی تاکہ ان پر ان کا اثر و رسوخ بنا رہے [۱۸] بعض انگریز تاجر اعلا اور ترقی پسند خیالات کے حامل تھے۔ ایسا ہی ایک تاجر جان پامر تھا جسے "برطانوی تاجروں کا راجا" کہا جاتا تھا۔ وہ ہندستان میں آزادیٔ صحافت کا بڑا حامی تھا۔ اس نے جیمز بکنگھم کے اخبار کلکتہ جرنل کو مالی امداد دی تھی۔[۱۹]

مسٹر اسٹرلنگ نے اعتراف کیا ہے کہ معلومات اور آگہی کے فروغ کی خاطر وہ اور چند انگریز دیسی اخباروں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں خود ان کی سرپرستی کی نوعیت شخصی تھی کیونکہ اگر یہ کمپنی کی طرف سے سرکاری امداد ہوتی تو وہ اس کا ذکر اس طرح ذاتی انداز میں نہ کرتے نہ اپنے آپ کو "چند انگریزوں" سے وابستہ کرتے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے عین اغلب ہے کہ ان چند انگریزوں میں جام جہاں نما کی پرنٹر ولیم ہاپکنس پیئرس اینڈ کمپنی بھی شامل ہوگی۔ یہ کمپنی اخباروں کی طباعت میں دسیع دلچسپی لیتی تھی اور جام جہاں نما کے علاوہ ایک انگریزی اخبار کی بھی لائسنس یافتہ پرنٹر تھی۔ اس اخبار کا نام THE QUARTERLY ORIENTAL MAGAZINE REVIEW & REGISTER تھا اور اڈیٹر ڈاکٹر جیمز براکس تھے۔[۲۰]

جام جہاں نما کے مقام اور وقار کا اندازہ ایک اور امر سے بھی ہوتا ہے۔ اس وقت کے سماج کے اعلا طبقے کے ایک باصلاحیت اینگلو انڈین شاعر ڈی کاسٹا، جن کے مرتبے اور امتیاز کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اپنا کلام متواتر اس اخبار میں چھپواتے رہے۔ یہ اردو کلام اخبار کے فارسی اڈیشن میں بھی چھپتا رہا۔ ۱۳ فروری ۱۸۲۸ء کے شمارے کی ایک غزل کا عکس یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

باغ کسترانند وحبشی زنان ویند سیرت از
دریکه سر بر اورده ودر میانه انها خاتون
شاه عالم پناه چون سرو روان بجنب وراست
میشد [illegible] کنان و خنده زنان ودر زیر انگلان
زینت افزا گشته دو زن بر سفور پیشین
تاو را بشکل مروان رعنا راسته بگیگ زین

دو ساله ما لیفه او دامای هنبر و گیسوی
باده کرد له صحبت زنان بیوند و خود را حسن معارت
وتا بهان [illegible]
برا [illegible] خود را وا [illegible] کشیده ودیش
بوسید وگفت کر الحال ترک [illegible]
است [illegible] عالم اثری از [illegible] باقی [illegible]

را اکر مخصوص ہمت عیش و نشاط بود بہ مکانات
مجینہ بردہ کام دل از انسا خواستند و [illegible] و
تا [illegible] و بر طبق ادای سلطنت بشد [illegible]
بادو از [illegible] خاتون شد [illegible] بار
بمشاہدہ این ماجرای [illegible] از کار اول [illegible] است
کہ این چیرنگ از [illegible] روزگار است
[illegible] منحصرست کشته خاتون جهان را بابن
[illegible] بکار از [illegible] بسیار [illegible] کر
بیکان خاتون جہان زبرمان [illegible] عاقبی است
حسن [illegible] کہ از [illegible] و اشت یکبار [illegible]
خاطر [illegible] است و [illegible] گفت یا [illegible]
این چہ حال [illegible] است کہ خاتون زمان
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

و این معنی اظہر من الشمس کہ ہر کمالی را
زوالے بدنبال است: ہر دولت بای ذی اقبالی را
نکبت و ملالی در آل

باقی بر بقنہ ابد

غزل لطف افزا مرسلہ مستر، یکاشا

• [illegible] کبھی گر تا [illegible] دامن •
• [illegible] دل پہ کرون [illegible] دامن •
• جس طرح صید ہو [illegible] میں صیاد کی بند •
• [illegible] اسطرح [illegible] دامن •
• [illegible] کرون [illegible] •
• [illegible] دامن •
• [illegible] کی طرح •
• [illegible] دامن •
• [illegible] •
• [illegible] دامن •

مقام کلکتہ در چھاپاخانہ [illegible] مشن پریس مطبوع شد

"بہ شکریہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا"

جام جہاں نما (۱۸۲۳ء) میں اردو غزل

مسٹر اسٹرلنگ کی رپورٹ سے جام جہاں نما کی مالی بیچارگی ضرور عیاں ہوتی ہے لیکن اس وقت کے ہندستانی اخباروں میں اس کی معیاری فوقیت اور طرح طرح کی مشکلات کے باوجود اسے جاری رکھنے کے لیے ناشر کی سعی مسلسل بھی مترشح ہوتی ہے۔ بلاشبہہ مجموعی طور پر یہ رپورٹ جام جہاں نما کی کرداری حوصلہ مندی پر دلالت کرتی ہے۔ دراصل اس کا موقف اور کردار مسٹر بیلی اور مسٹر اسٹرلنگ، جو دونوں اس موضوع کے مجاز حکام تھے، کے جائزوں میں اور دہلی کے مجسٹریٹ مسٹر ٹامس مٹکاف کی عدالت میں دہلی کے ریذیڈنٹ فرانسیس ہاکنز کی اس کے خلاف شکایت میں ڈھونڈا جانا چاہیے۔ بدقسمتی سے ہمارے اکثر مورخین نے انھیں نظرانداز کر دیا ہے۔

ان تمام دستاویزوں میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ جام جہاں نما یورپی حلقوں کے لیے وقف یا مخصوص تھا یا یہ سرکاری پبلسٹی کا با اعتماد معاون تھا۔ مسٹر بیلی نے اس نظریے کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس کے برعکس مسٹر اسٹرلنگ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس کے صفحات میں سرکاری اقدامات پر نکتہ چینی اور مذمت کا تاثر ملتا ہے، اگرچہ "اڈیٹر بڑی احتیاط اور ضبط سے کام لیتا ہے اور پریس کے قواعد کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔"

ان دستاویزوں سے اخبار کے ابتدائی تقریباً چھ سال کے عرصے کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے مسٹر اسٹرلنگ کی رپورٹ ۱۸۲۸ء کے لگ بھگ مرتب ہوئی اور اسی سال یہ اخبار اپنی غیر ملکی پرنٹر کمپنی کی وابستگی سے بھی آزاد ہو گیا۔

مسٹر اسٹرلنگ کی رپورٹ سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے یعنی بنگال کی ہندو آبادی میں ایک ایسے نئے طبقے کا ظہور جو نئے حالات اور خیالات میں گہری دلچسپی لینے لگا تھا جس کی بدولت نوزائیدہ بنگلہ صحافت دوسری زبانوں کی صحافت سے آگے نکل گئی اور انیسویں صدی کے اس تشکیلی دور میں اس نے ایک رہبرانہ حیثیت حاصل کر لی۔ اس رپورٹ کے زمانے میں ابھی انگریزی کی تعلیم سرکاری طور پر اسکولوں میں رائج نہیں ہوئی تھی۔ یہ ابتدا میکالے کی سفارش سے ۱۸۳۵ء سے ہوئی لیکن اس طبقے نے نجی کوششوں سے حاصل ہونے والے اپنے نئے شعور کی مدد سے نئے نظام کے استحکام اور امکانات کا ادراک کر لیا۔ اس ادراک کے پہلے دور میں انھوں نے سیاسیات سے زیادہ اپنے سماجی حالات اور رسم و رواج کو نئے نظریات کے سیاق میں دیکھا۔ اس وقت ستی کی رسم کی مخالفت اور حمایت دونوں زور دار دلائل سے ہوئیں۔ اس کشمکش نے اظہار کے نئے میڈیم صحافت میں گرمی اور کشش پیدا کر دی اور یہ سب عوام کی قوت ردِ عمل کے سبب ہوا جسے مغرب سے آنے والی نئی تہذیب نے ایک نئی جنبش دے دی۔

اس نئی تہذیب نے ملک کو مغرب کے وہ اوّلین صحافی بھی دیئے جنھوں نے اپنی ہی ہم قوم کمپنی کے اربابِ اختیار کی اجارہ داریوں، بدعنوانیوں اور بداعمالیوں پر بے باک نکتہ چینی کی اور اس عمل سے حکومت کے نظم و نسق میں عوامی دلچسپی

کا وہ حوصلہ اور دور شروع ہوا جس میں رائے عامہ نے جنم لیا۔ ان صحافیوں میں فرانسیس گلیڈون۔ جان سلک بکنگھم، ولیم ڈون اور ولیم جونس شامل تھے۔

اس سے قبل کے سیاسی نظام میں ہندستان میں رائے عامہ کئی صدیوں تک حکمران کی چشم و ابرو کی پابند تھی۔ اگر عوام نے کبھی شاہی پالیسی سے اختلاف محسوس بھی کیا، تو وہ عام طور پر رعایا کے سینوں ہی میں گھٹ کے رہ گیا۔ یہ کسی قلمی اخبار یا جلسۂ عام میں ظاہر نہیں ہونے پایا۔ اب زمانہ بدلنے کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناراض ملازموں کی طرف سے چھاپے گئے اخباروں کے ذریعہ اختلاف کے عوامی اظہار نے عوامی فکر و عمل کے گویا نئے دروازے کھول دیے۔

ان نئے وسائل کی طرف بنگال کے تعلیم یافتہ اصلاح پسندوں نے تعمیری توجہ کی۔ راجا رام موہن رائے ان میں سرفہرست تھے جنھوں نے انگریزی تعلیم کے فروغ کے لیے ۱۸۱۶ء میں اپنے خرچ پر ایک اسکول قائم کیا جہاں طالب علموں سے فیس نہیں لی جاتی تھی[۱] بلکہ بذات خود انھوں نے یہ زبان سیکھنے کے لیے ۱۷۹۶ء میں بھی کوشش شروع کی اور چند ہی سال کی مشق اور محنت سے اس میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ انگریزی اخبار پابندی کے ساتھ پڑھنے لگے[۲] مغرب کے نوآمدہ سماج کے مذہب کو سمجھنے کے لیے انھوں نے عبرانی زبان بھی سیکھی اور ۱۸۲۰ء میں انجیل کا ایک خلاصہ بھی شائع کیا۔ اس خلاصے کی سیرام پور کے عیسائی مشنری داد نہ دے سکے اور انھوں نے اپنے اخبار "فرینڈ آف انڈیا" میں "حق پرست" کے فرضی نام سے اس کتاب کے خلاف ایک مضمون شائع کیا۔ اس مضمون سے ایک مباحثہ شروع ہو گیا جس میں رام موہن رائے نے سرگرم حصہ لیا اور رفتہ رفتہ ان کی مطبوعات کی یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں نے ستائش کی۔ عیسائی مشنریوں سے ان کی اپنی زبان میں براہ راست آویزش کا یہ اولین دور تھا جس نے انیسویں صدی کے اوائل ہی میں نئے دانشوروں کو اپنے اہل اقتدار کے مقابل کھڑا کر دیا۔

تاہم مذہبی بحثوں کی اس گرم بازاری میں "جام جہاں نما" (اردو) نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس نے نہ تو سیرام پور کے مشنریوں کی مخالفت کی نہ اپنے ممدوح راجا رام موہن رائے کی ان مناظراتی سرگرمیوں کو سراہا۔ اس کے برعکس اس نے اپنے اردو اڈیشن

میں صلح کل رجحانات کو فروغ دیا۔

بہر حال اس صف آرائی نے ہندستان کی نوزائیدہ رائے عامہ کو نیا رخ دے دیا اور یہ انیسویں صدی کے اختتام سے قبل ہی حریت کی سیاسی راہوں پر گامزن ہوگئی۔ اولین پریس آرڈی ننس کے خلاف جو دسمبر ۱۸۲۳ء میں جاری ہوا، راجا رام موہن رائے کے مہذب احتجاج اور اسی احتجاج کی تکمیل میں اپنے جریدہ "مرآۃ الاخبار" کو بند کر دینے کے دہے ہی میں کلکتے کی فارسی صحافت ایسی سیاسی تحریریں پیش کرنے لگی تھی جن میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے ابتدائی آثار موجود تھے۔

بہر کیف جیسا کہ بیان کیا گیا، نئے چھاپے کی مطبوعات کو مذہبی مباحثے کے لیے استعمال کرنے کا رواج سیرام پور کے پادریوں ہی نے شروع کیا۔ انیسویں صدی کے پہلے دو دہوں میں اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے لارڈ ویلزلی نے اخباروں کی آزادیٔ تحریر پر کئی پابندیاں عائد کر دیں۔ ان ممانعتوں کی زد سے بچنے کے لیے سیرام پور کے بپٹسٹ مشنریوں نے صدی کے آغاز ہی میں فارسی، ہندستانی اور بنگلہ زبانوں میں ہندو دھرم، پیغمبر اسلام اور ہندستانی سماج کے کئی پہلوؤں کے خلاف جارحانہ انداز کے پمفلٹ اور مراسلے شائع کیے۔ یہ مطبوعات بھی ہندستانی سپاہ کے اس غدر کے اسباب میں شامل تھیں جو مئی اور جولائی ۱۸۰۶ء میں ویلور میں ہوا[۴۲]۔

تقریباً نصف صدی پہلے کے اس غدر کی وجوہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے ملتی جلتی تھیں اور مذہبی جذبات سے تعلقات رکھتی تھیں۔ حکومت نے ہندستانی سپاہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی داڑھیاں منڈوا دیں۔ ماتھے پر تلک نہ لگائیں، کانوں سے بندے نکال دیں۔ پگڑی باندھنا چھوڑ دیں۔ اور سر پر ولایتی ہیٹ پہنیں جن کی ساخت میں سور اور گائے کا چمڑا استعمال ہوتا تھا[۴۳]۔

اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ منٹو نے خود محسوس کیا کہ سیرام پور کے مشنریوں کے یہ پمفلٹ اشتعال انگیز ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ان مشنریوں سے کہا کہ وہ اپنا پریس سیرام پور سے، جو اس وقت ڈنمارک والوں کا علاقہ تھا کلکتہ منتقل

کریں۔ لیکن مشنریوں نے اخراجات کے غدر پر اس سے معذرت چاہی اور حکومت سے وعدہ کیا کہ آیندہ وہ اپنی کوئی تصنیف شائع کرنے سے پہلے اس کیلیے حکومت کے محکمہ سنسر سے منظوری حاصل کریں گے[۶۵]

مذہبی بحثوں کے علاوہ لسانی بنیاد پر قارئین کی تقسیم کا تصور اور رواج بھی مشنریوں کے سرپرست اربابِ کمپنی ہی نے قائم کیا۔

کمپنی کے اختیار اور حکم سے چھپنے والے "کلکتہ گزٹ" نے اپنی ۲۷ نومبر ۱۸۲۶ء کی اشاعت میں جام جہاں نما کا مقابلہ دیوناگری حروف میں جاری ہونے والے نئے اور پہلے ہندی اخبار "اودنت مارتنڈ" سے کیا اور لکھا:

> (وہ جام جہاں نما کے فارسی اڈیشن کے ساتھ) شمالی ہند کے لیے اس کا ایک ضمیمہ ہندستانی میں بھی شائع ہوتا ہے جو تمام تر ترجموں پر مبنی ہے۔ اس میں اب کافی عرصے سے بونا پارٹ کی تاریخ شائع ہو رہی ہے۔ تاہم شمالی ہندستان کے ہندوؤں کے لیے عام طور پر "اودنت مارتنڈ" ایک زیادہ مفید اخبار ہوگا کیونکہ یہ ایک زیادہ خالص اسلوب میں رقم ہوتا ہے اور دیوناگری حروف میں ہے۔ ابھی یہ زیادہ سلیقے سے نہیں چلایا جا رہا ہے ، ورنہ دیسی لوگوں میں اس کی زیادہ مانگ ہی ہے۔ خود کلکتہ میں اس کی مانگ اور بھی کم ہے اور اس کے نواح میں تو لوگ اس کے نام تک سے واقف نہیں لیکن عین ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ یہ ترقی پا جائے گا اور پھر بہت قابلِ قدر تبدیلیوں کا ذریعہ ثابت ہوگا۔[۶۶]

ہندستانی (اردو) اور ہندی زبانوں کے اس فرق کا آغاز کمپنی کی حکومت ہی نے کیا۔ یوں اس سے قبل مغل عہد میں عوامی زبان ہندی اور اشراف کی زبان اُردوے معلیٰ میں تفریق اٹھارہویں صدی میں طبقۂ اشرافیہ نے پیدا کر دی تھی، جب اس سے سنسکرت کے الفاظ خارج کر کے ان کی جگہ فارسی اور عربی کے الفاظ داخل کیے گئے، لیکن یہ تفریق فرقہ وارانہ نہیں تھی بلکہ اس میں طبقاتی اور لسانی تصورات مضمر تھے۔ اس طبقے نے اردوے معلیٰ میں ایک ثقافتی امتیاز قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اربابِ کمپنی نے اپنی استعماری مصلحتوں کے پیش نظر عمداً مروج ہندستانی کو رسم الخط کی بنیاد پر دو فرقوں میں تقسیم کر دینے

کی تدبیر کی۔ ان کی تجویز میں اتنا جوش اور ہیجان تھا کہ انھوں نے جام جہاں نما جیسے ترقی یافتہ جریدے کے مقابلے میں اودنت مارتنڈ کے سے ایک نوزائیدہ اور ناتواں جریدے کو رکھ دیا، جو اپنی ناتوانی کے باعث روزِ اوّل ہی سے اپنے روزِ آخر کا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔

انیسویں صدی کے دوسرے رُبع میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے انتظامی نظریات میں کچھ تبدیلی ہوئی اور اس نے اسکولوں میں انگریزی زبان کی تعلیم رائج کر دی۔ اس تعلیم کے رواج اور فروغ کا دیسی صحافت کی رفتارِ ترقی پر گہرا اثر پڑا۔

نئی تعلیم کے نفاذ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اصحابِ اختیار نے مذہبی غیر جانب داری کو ایک اصول کے طور پر اختیار کیا۔ یہ سراسر نئی بات تھی کیونکہ ہندستان میں نئی نسل کی تعلیم کو مذہبی اسباق سے شروع کرنے کا رواج تھا۔ اب اسکولوں کے نئے نصاب میں مذہبی تعلیم کو خارج کر کے ہندو اور مسلم دونوں فرقوں کی حد تک اسے تمام تر سیکولر کر دیا گیا۔ ملی جلی ثقافتوں کے حامل ہندستان کے لیے فرنگی حاکموں نے اسی تدبیر کو مناسب سمجھا اور اس کے ذریعہ انگریزی کے فروغ میں عمومی جاذبیت اور وسعت کے امکانات دیکھے۔ لیکن اسی رواج سے ہندستان میں تعلیمی تفاوت اور پسماندگی کا ایک ایسا عمل شروع ہوا، جس نے ہندستانی سماج کے لیے نئے اقتصادی اور سیاسی مسائل کھڑے کر دیے۔ اس دور کے مسلم علما نے نئی تعلیم اور اس کا نصاب پسند نہ کیا۔ وہ نئی نسل کو صرف مذہبی تعلیم دینے کے حق میں تھے اور نئے فرنگی حاکموں کی رائج کردہ انگریزی تعلیم کو اپنے بچوں کے لیے مضر سمجھتے تھے۔ ہندوؤں کے کچھ رہنماؤں نے بھی نئی انگریزی تعلیم کی مخالفت کی لیکن ان کی یہ مخالفت زیادہ زور نہ پکڑ سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم فرقے نے ہندو فرقے کی حد تک تعلیم کے نئے مواقع سے فائدہ نہ اُٹھایا اور اس طرح مختلف فرقوں میں تعلیم کی رفتار یکساں نہ رہی۔ چنانچہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی بنیاد جس نے بعد میں بیحد طول پکڑا، اسی زمانے میں پڑی۔ اگر سرسید احمد خاں اس زمانے میں پیدا ہو گئے ہوتے تو شاید ہندستان

ے لوگوں کی تعلیمی پسماندگی کا وہ عالم نہ ہوتا جو انیسویں صدی کے آغاز ہی میں پست ہوگیا اور پھر وہ خراب سے خراب تر ہوتا چلا گیا۔ سرسید احمد خاں اور رام موہن رائے کا لازماً اشتراکِ عمل ہوگیا ہوتا اور نئی تعلیم کی تحریک بڑی وسعت اور جامعیت پا جاتی۔

بہر حال اس وقت کے مسلمانوں کی مذکورہ بیزاری میں یہ نفسیاتی پہلو بھی شامل تھا کہ انھیں اپنے اقتدار کے زوال اور پھر تمدنی شکست کا جس میں فارسی کی جگہ انگریزی کا نفاذ سرِ فہرست تھا بہت رنج اور ملال تھا۔

تعلیم سے اس لاتعلقی سے کئی سمتوں میں ناخوشگوار نتائج ظاہر ہوئے۔ ان میں صحافت کی سمت نمایاں تھی۔ صحافت کا تعلق چونکہ خواندگی کے معیار سے ہے لہٰذا مسلمان انگریزی صحافت کے میدان میں پیچھے رہ گئے اور وہ آج تک بھی ایک موثر انگریزی پریس کے مالک نہ بن سکے۔ فارسی اور اردو صحافت میں بھی اولیت ہندوؤں کے ہاتھ میں رہی اگرچہ اس کی ایک بڑی وجہ ہندوؤں کی آبادی میں اکثریت بھی تھی۔

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی نے ان کی اقتصادی پسماندگی کو بھی جنم دیا اور یہی محرومیاں ان کے سیاسی مرتبے کی راہ میں حائل ہوئیں۔ بیشک ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد کمپنی کے حکام نے مسلمانوں کے خلاف بہت سخت انتقامی رویہ اختیار کیا لیکن اس پسماندگی کی وجہ صرف مغل اقتدار کا زوال ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اسباب نفسیاتی اور جذباتی دھاروں میں بھی تھے جن کی درستی اور اصلاح کے لیے سرسید احمد خاں کی آمد سے پہلے کوئی کام نہ ہوا۔

انگریزی تعلیم اس زمانے کی ایک نہایت اہم حکمتِ عملی تھی جس پر بنگلہ کے نوزائیدہ اخباروں نے زیادہ توجہ دی۔ دوسری زبانوں کے اخباروں میں سے امداد یافتہ اخباروں نے تو سرکاری پالیسی کی حمایت کی اور دیگر اخباروں نے شک و شبہات یا لاتعلقی کی روش اختیار کی۔ جام جہاں نما نے نئے مدرسوں کی سرگرمیوں پر کئی خبریں شائع کیں۔

۲۹ دسمبر ۱۸۲۲ء کے شمارے میں مرزا پور (کلکتہ) کے ایک مدرسے کے امتحان

کی خبر ملتی ہے۔ اسی زمانے میں وہاں لڑکیوں کے ایک مدرسے کے قیام کی بھی اطلاع ملتی ہے۔ بعد کے ایک اور شمارے میں کلکتہ میں ایک طبی مدرسہ کھلنے کی اطلاع ہے جس میں ہندستانیوں کو صرف دیسی زبان میں ڈاکٹری کی تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا تھا اور اس مدرسے میں صرف وہ طالب علم داخل کیے جاتے تھے جو "ہندی زبان فارسی وناگری رسم الخط میں پڑھنے کی اہلیت رکھتے ہوں"[۲۵]

جام جہاں نما نے راجا موہن رائے کی وفات پر ان کی یاد میں ایک بڑا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی حمایت کی تھی۔ نئی تعلیم کے موضوع میں بنگلہ صحافت کی سرگرمی اور ترقی کی بڑی وجہ رام موہن رائے کی قیادت تھی۔ ان کی شخصیت اور مسلک کے کئی پہلو تھے۔ ہر پہلو میں ان کی غیر معمولی پیش بینی اور فراست کا درخشاں کردار ظاہر ہوا لیکن ۱۸۳۳ء میں جب وہ بادشاہ دہلی اکبر شاہ ثانی کے وظیفے اور دوسرے امور کے مقدمے کی قانونی کارروائی کے لیے انگلستان گئے ہوئے تھے، اور ان کا وہاں ناگہانی انتقال ہوگیا تو ان کی یادگار قائم کرنے کے لیے جو اولین تجویز سامنے آئی وہ ایک مدرسے کا قیام تھی۔ اس کے لیے گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنک کی طرف سے پانچ سو روپے اور دیگر اصحاب کی طرف سے دس ہزار روپے کی رقوم فوراً پیش ہوگئیں۔ جام جہاں نما نے اپنی خبر میں اس پر تبصرہ کیا کہ اس مدرسے کو معیاری اور مرحوم کے مرتبے کے شایانِ شان بنانے کے لیے ایک لاکھ روپے سے کم میں یہ نیک کام پورا نہ ہو پائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ارکانِ حکومت کی جانب سے ضروری امداد کی جائے۔" اخبار نے مزید کہا کہ "رؤسا پر (بھی) لازم ہے کہ وہ بابو مرحوم کے نام نامی پر مدرسے قائم کرنے کے لیے حسبِ استطاعت مدد کریں کیونکہ بابو صاحب مرحوم نے شہنشاہ ہندستان کے مقدمے (کی پیروی) کے لیے سخت محنت کی حتیٰ کہ اپنی جان بھی قربان کردی۔" شمارہ مورخہ ۲ جولائی ۱۸۳۳ء[۲۶]

حواشی

۱۔ R.R.PEARCE:"WELLESLEY'S MEMOIRS," VOL. I . P.280-283.

QUOTED BY DR. B.M.SHANKHDHAR, IBID P.52

۱ تامس روبک۔ متذکرہ۔ ص ۴۵

۲ PERCIVAL SPEAR:"TWILIGHT OF THE MOGHULS" PP. 76-78

۳ INDIA OFFICE RECORD F/4/1343 NO.53427

۴ ایضاً

۵ ایضاً

۶ ایضاً

۷ ایضاً

۸ مارگریٹا بارنسر متذکرہ۔ ص ۲۷

۹ HOME PUBLIC CONS. NO. 64 & 65 DT. 29 JUNE AND CONS. NO. 75 DT. 8 MARCH

۱۰ کلکتہ گزٹ بحوالہ محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۷۷

۱۱ HOME PUBLIC CONS NO. 63 DT. 19 JANUARY 1827

۱۲ مارگریٹا بارنسر۔ متذکرہ۔ ص ۱۵۷

۱۳ A.C.DASGUPTA:" DAYS OF JOHN COMPANY," IBID. P. 161

۱۴ مارگریٹا بارنسر متذکرہ۔ ص ۱۶۳

۱۵ ایضاً

۱۶ ایضاً

۱۷ ایضاً

۱۸ ڈاکٹر بی۔ ایم شنکھدھر متذکرہ۔ ص ۳۴۲

۱۹ ایضاً۔ ص ۲

۲۰ HOME PUBLIC CONS. NO. 8 DT. 25 MARCH 1823.

۲۱ محمد عتیق صدیقی متذکرہ۔ ص ۱۳۴

۲۲ ایضاً۔ ص ۱۳۰

۲۳ ڈاکٹر بی۔ ایم شنکھدھر متذکرہ۔ ص ۵۵

۲۴ DR.TARA CHAND:"HISTORY OF THE FREEDOM MOVEMENT IN INDIA," NEW DELHI, 1967. VOL II P P.31, 32 QUOTED BY DR.

B.M.SHANKHDHAR, IBID, P. 65

۲۵ھ جے نٹ راجن۔ متذکرہ۔ ص ۱۱، ۱۲

۲۶ھ A.C.DASGUPTA, IBID P. 161

۲۷ھ بحوالہ محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۱۵۶، ۱۵۷

۲۸ھ ایضاً۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴

ساتواں باب

اخبار کا نیا دور

"جامِ جہاں نما" کی زندگی کے چھٹے سال اس کے ولایتی پرنٹر اس سے الگ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی اخبار کا نیا دور شروع ہو گیا۔ اب نہ صرف ایک چھاپہ خانہ اس کی ملکیت میں آگیا بلکہ یہ سراسر فارسی کا اخبار بن گیا۔ اس کے بعد یہ اپنے اختتام تک جو غالباً صدی کے آٹھویں دہے میں ہوا، یہ فارسی ہی میں چھپتا رہا۔ بہرحال اس کے اُردو اور فارسی اڈیشن ایک ہی ادارے سے پیدا ہونے والے توام بھائی تھے۔ اخبار کا لائسنس روزِ اوّل سے فارسی اور ہندستانی زبانوں کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کا مالک ایک ہی تھا۔ خبروں میں فرق ضرور روا رکھا گیا۔ لیکن وہ تنوع اور تجارتی اغراض کے لیے تھا۔ اخبار کی پالیسی اور مقصد بھی ایک ہی تھا۔

اس وقت تک فارسی صحافت ہی اردو صحافت کی سنگِ بنیاد اور شاخِ اُمید تھی۔ چھاپہ خانہ آتے ہی اردو صحافت کلی کی بجائے غنچے کی صورت میں نمودار ہوئی اور جلد ہی فارسی صحافت کی جانشین بن گئی۔ اب ان کے رشتے میں خاندانی آہنگ روا رہا۔ اُردو یا ہندستانی بول چال میں رائج تھی۔ فارسی دیسی برادری کے معزز حلقوں کی تحریری اور علمی زبان بن گئی لیکن ان دونوں کے قارئین کا حلقہ کم و بیش ایک ہی تھا۔ اس میں یورپی قارئین کا اضافہ ایک وقتی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا احساس اور اظہار دونوں طرف ہوا۔ یورپی ناشروں نے اپنے انگریزی اخباروں میں فارسی کے کالم شروع کیے اور دیسی ناشروں نے اپنے اخباروں میں یورپی قارئین کی دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

کلکتہ کے فارسی کے کئی اخبار اردو کا کالم بھی شائع کرتے تھے۔ "شمس الاخبار" نے بھی جو "جام جہاں نما" کے ایک سال بعد مئی ۱۸۲۳ء میں جاری ہوا تھا اپنا لائسنس فارسی اور ہندستانی (اردو) دونوں زبانوں کے لیے لیا تھا۔ البتہ دوسرے فارسی اخباروں نے جام جہاں نما کی سی باقاعدگی اور استقلال سے اردو کا کوئی آزاد ضمیمہ شائع نہ کیا۔

اس زمانے میں نہ صرف فارسی اور اردو کا آپس میں سرگرم تعاون تھا، بلکہ فارسی اور بنگلہ، فارسی اور انگریزی اور اُردو اور ہندی صحافت میں بھی قریبی تعلقات تھے۔ ان تعلقات کی بدولت دیسی صحافت کو جو فائدہ علم اور حوصلہ حاصل ہوا، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس زمانے میں ہمارے صحافی اور دانشور الگ الگ خانوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے بلکہ وہ ایک دوسرے سے ذہنی اشتراک کے انداز سے کام لے رہے تھے۔ اسی اشتراک کی بدولت مختلف زبانوں کے اخباروں کے ناشر اپنے اخباروں کے لیے ملتے جلتے اور ہم معنی نام رکھتے تھے۔ اس رجحان کے لیے مندرجہ ذیل فہرست دیکھیے۔

نام اخبار	سالِ اجرا	زبان	معنی
سماچار درپن	۱۸۱۸ء	بنگلہ	خبروں کا آئینہ
مرآۃ الاخبار	۱۸۲۲ء	فارسی	" "
شمس الاخبار	۱۸۲۳ء	فارسی	خبروں کا آفتاب
اودنت مارتنڈ	۱۸۲۶ء	ہندی	" "
سماچار چندریکا	۱۸۲۲ء	بنگلہ	خبروں کا ماہتاب
ماہِ عالم افروز	۱۸۲۳ء	فارسی	دنیا کا چاند
آئینہ سکندر	۱۸۳۱ء	فارسی	سکندر کا آئینہ
مہرِ منیر	۱۸۳۶ء	فارسی	روشن آفتاب
جام جہاں نما	۱۸۲۲ء	اُردو اور فارسی	مینارِ روشنی

ہمارے نئے دور اور نئی فکر کے اوّلین سیکولر دانشور راجا رام موہن رائے

نے اپنے اخباروں کے ذریعے سے ان پانچوں زبانوں میں دلچسپی لی، جو اس وقت کلکتہ میں بولی جاتی تھیں۔ ان میں بنگلہ، ہندستانی (اُردو) ہندی اور انگریزی کے علاوہ فارسی بھی شامل تھی جو پچھلے تقریباً تین سو سال سے وہاں کی عدالتی زبان رہی تھی۔ یہ اشراف اور تعلیم یافتہ طبقوں کی شناخت کا نشان تھی۔ اس زبان میں اوّلین اخبار "مرأۃ الاخبار" راجا رام موہن رائے نے جاری کیا۔ ان کے بنگلہ ہفت روزہ "بنگ دوت" (۱ جرا مئی ۱۸۲۹ء) میں بنگلہ کے علاوہ انگریزی، فارسی اور ہندی کے کالم بھی تھے۔[۱] جام جہاں نما کا اڈیٹر منشی سدا سُکھ پہلے ایک بنگلہ اخبار "سماچار چندریکا" سے وابستہ رہا تھا۔[۲] بعد میں وہ ہندی صحافت میں بھی نمایاں رہا۔ انگریزی اخبار "بنگال ہیرلڈ" (۱ جرا مئی ۱۸۲۹ء) میں ایک فارسی حصہ تھا جو غالباً راجا رام موہن رائے کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔[۳]

کلکتہ سے ۳۱ر مئی ۱۸۲۶ء کو ہندی کا جو پہلا اخبار "اودنت مارتنڈ" نکلا اس کی زبان میں فارسی اور ہندستانی کے اثرات نمایاں تھے۔ یہ صرف اسی حد تک ہندی تھی کہ یہ دیوناگری رسم الخط میں لکھی ہوتی تھی۔ ورنہ یہ آج کی ہندی سے کوسوں دور تھی۔ اخبار کے اوّلین شمارے کا یہ اعلان دیکھیے:

"اس کاغذ کے پرتایک کا اشتہار"

"یہ اودنت مارتنڈ اب پہلے پہل ہندستانیوں کے ہت، جو آج تک کسی نے نہیں چلایا پر انگریزی اور پارسی اور بنگلہ میں جو سماچار کا کاغذ چھپتا تھا اس کا سکھ ان بولیوں کے جاننے اور پڑھنے والوں کو ہی ہوتا ہے اور سب لوگ پرایے سکھ سکھی ہوتے ہیں۔ جیسے پرانے دھن دھنی ہونا اور اپنی رہتے پرائی آنکھ دیکھنا ویسے ہی جس گُن میں جس کو پیٹھ نہیں اس کو اس کے رس کا سواد ملنا کٹھن ہی ہے......

"جو کوئی پرشست لوگ اس خبر کے کاغذ کے لینے کی اِچھا کریں تو امڑتلہ کی گلی، ۳۷ انک مارتنڈ چھاپہ گھر میں اپنا نام او ٹھکانا بھیجنے ہی سے ستوارے کے ستوارے یہاں کے رہنے والے گھر بیٹھے اور باہر کے رہنے والے ڈاک پر کاغذ پایا کریں گے۔ اس کا مول مہینے میں دو روپیا اور ڈاک کے محصول کی

تہائی لی جائے گی اور یہاں سے باہر رہتے ہیں، ان کو یہاں روپے کی مالگزاری کر دینا ہوئے گی کاہے سے کہ بھینے بھینے کے اندر روپے بھر پاونے کی رسید بھیجنے میں کسی جگہ ڈیڑھ اور کہیں ایک روپیا ڈاک کا محصول لگے گا.....،"[۵۴]

اس عبارت میں فارسی کے الفاظ بار بار ملتے ہیں. مثلاً "اشتہار" "کاغذ" "رسید" "محصول"۔

اس اخبار کا مالک پنڈت جگل کشور شکل (کانپوری) جو اخبار کا اڈیٹر بھی رہا۔ ہندی اور سنسکرت کے علاوہ فارسی میں بھی مہارت رکھتا تھا[۵۵]

یہ آہنگ کئی سال تک جاری رہا۔ ۱۸۴۶ء میں مولوی نصیرالدین نے کلکتہ ہی سے "جگت دیپک بھاسکر" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا جو فارسی، ہندی، انگریزی، بنگلہ اور ہندستانی (اردو) پانچ زبانوں میں چھپتا تھا۔ سب کے موضوعات یکساں ہوتے تھے۔

گو ایسے اخبار مخلوط الاثر ہو جاتے ہوں گے، لیکن ان سے یہ بخوبی واضح ہے کہ اس زمانے میں ایک ذہنی رویہ رہا تھا جس کے تعلق سے مختلف زبانوں کے ہمارے دانشور مشرقی دانش کی فضیلت کے معتقد اور داعی تھے۔ چنانچہ رام موہن رائے نے اپنے اوّلین بنگلہ اخبار "سنباد کومدی" میں اس کے مندرجات کو فارسی زبان میں پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

اس وقت ہر لسانی صحافت ایک مشترک ذہنی قافلے میں چل رہی تھی۔ اس قافلے میں فارسی زبان کا کردار منبع اور رہبر کا تھا۔ اشراف کے باہمی معاملات میں اور ملازمتوں میں فارسی اور اس کے ساتھ ہی ہندستانی (یا اردو) کو جو کل ہند مرتبہ حاصل تھا وہ انگریزی کو کہیں انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں جاکر حاصل ہوا[۵۶]

"جامِ جہاں نما" گو بار بار فارسی کی طرف مراجعت کرتا رہا اور اس کا دمِ آخر بھی فارسی ہی کی گود میں ہوا، تاہم اردو کے فروغ سے اس کی عقیدت کبھی کم نہیں ہوئی۔ جنوری ۱۸۲۸ء میں اردو ضمیمے کے اختتام کے بعد بھی جب وہ کاملاً

فارسی اخبار بن چکا تھا، اس میں اردو کی غزلیں چھپتی رہیں۔ اس کے ۱۲ فروری ۱۸۲۸ء اور ۱۲ مارچ ۱۸۲۸ء کے شماروں میں ڈی کاسٹا کی غزلیں ملتی ہیں۔

گو اردو سے اس کی مایوسی اس زبان کی کساد بازاری کی وجہ سے ہوئی لیکن اختتام کے اعلان کے دو ہی ہفتے بعد اس کے ۲۰ فروری ۱۸۲۸ء کے فارسی اخبار میں ہمیں اڈیٹر کی، جو اپنے ذاتی حالات کے بارے میں اب تک خاموش رہا تھا، بیماری کی خبر ملتی ہے (جس کا متن اوپر تیسرے باب میں پیش کیا جا چکا ہے۔)

خیال ہوتا ہے کہ غالباً اس بیماری کے باعث ہی مدیر اخبار منشی سدا سکھ لعل جو غالباً صوبہ جات شمال و مغرب سے کلکتہ آئے تھے، واپس اپنے وطن چلے گئے اور یوں جامِ جہاں نما سے ان کا رشتہ منقطع ہو گیا۔ بہر حال اخبار کے بانی اور مدیر دونوں نے ہمیشہ اردو کے فروغ پر خصوصی توجہ دی۔ اور اس کے اردو اڈیشن کو اس لیے بند کرنا پڑا کیونکہ "بہتیرے قدر شناس جنھوں کی لطف گستری سے اس کاغذ نے رونق اور شہرت پائی اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے۔"

"جامِ جہاں نما" کا ایک ہمعصر "شمس الاخبار" (۱۸۲۳ تا ۱۸۲۷ء) رائج الوقت فارسی زبان میں چھپنے کے باوجود اپنے قارئین کی "بے حسی اور بے اعتنائی" کی وجہ سے چار ہی سال بعد بند ہو گیا۔ اس کے اڈیٹر نے بڑے تلخ انداز میں لکھا تھا۔

"ہر شخص کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جس دن سے میں نے شمس الاخبار جاری کیا ہے، سوائے محرومی و ناکامی کے اور کچھ میرے ہاتھ نہیں آیا۔"[۵۵]

ہندی اخبار "اودنت مارتنڈ" تجارتی طور پر باثروت طبقے کا نمایندہ تھا لیکن کساد بازاری کی وجہ سے وہ چھاپے کے سامان کا کرایہ تک ادا نہیں کر سکا تھا اور ان بقایا جات کی عدم ادائی کی وجہ سے عدالت نے اس کے دفتر پر قفل لگا دیا اور اس کے بعد جلد ہی اس نے دم توڑ دیا۔[۵۶] اس پر اس نے لکھا تھا: کہ "کرم کی ریکھ کون میٹے۔"[۵۷]

شمس الاخبار نے اپنے حشر کا الزام قارئین کی بے حسی کو دیا۔ اور "اودنت مارتنڈ" نے "قسمت" کو لیکن حقیقت وہی تھی کہ عوام صحافت سے بے حسی برتتے رہے تھے صدیوں

سے شہنشاہیت کا اسیر رہنے کی وجہ سے ان کا رویہ سلطنت کے معاملات میں، جو صحافت کا اہم موضوع ہیں، تقدیر اور قضا و قدر کے عقیدے سے وابستہ تھا۔

سرکاری اخبار "کلکتہ گزٹ" دیسی اخباروں کی اس بیچارگی پر پھبتیاں کسا کرتا تھا۔ اس نے لکھا کہ "ہندستان کے لوگ شاید ایک دو صدیوں کے بعد اخبار کی اہمیت محسوس کریں گے"۔[۵۴] نیز اس نے کہا کہ "لوگوں کی بے حسی کی اصلی وجہ ان کی ناخواندگی اور علم حاصل کرنے کی خواہش کی کمی ہے"۔[۵۵]

اس پھبتی کی تہ میں سامراجی ذہنیت موجود تھی۔ اخباروں کی بے چارگی کے پیچھے دیسی صحافت کے بارے میں حکومت کی اپنی پالیسی، ڈاک محصول کی دروں کی گرانی اور "دیسی رعایا کی غربت" سب ہی کچھ تھا۔ اس غربت کی طرف فارسی سکریٹری اینڈریو اسٹرلنگ نے دیسی صحافت پر اپنی متذکرہ رپورٹ میں واضح اشارہ کیا تھا۔

لوگوں کی بے حسی کا ذکر چیف سکریٹری بیلی نے بھی کیا تھا، لیکن اس نے کلکتہ گزٹ کی طرح یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے خاتمے کے لیے صدیوں کی مدت درکار ہوگی۔ بلکہ یہ امید ظاہر کہ دیسی اخبار مستقبل قریب میں عوامی مقبولیت حاصل کریں گے۔

بہر حال جام جہاں نما نے اپنے ہمعصروں سے "شمس الاخبار" اور "اودنت مارتنڈ" سے کہیں زیادہ سخت جانی کا ثبوت دیا۔ اس سخت جانی سے بھی اس کے حکومت کا وظیفہ خوار ہونے کے مفروضے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس مفروضے کی جڑ ایسٹ انڈیا کمپنی کا وہ نشان ہے جو کچھ عرصے تک اخبار کی پیشانی پر چھپتا رہا۔ لیکن اس نشان کی اشاعت یا اخبار کی بعض خبروں میں سرکاری تائید کرنے کی بنا پر اسے ایک بے وقعت یا معمولی اخبار تسلیم کر لینا، سطحی اور سہل انگار انداز فکر ہوگا۔ اسے سمجھنے کے لیے ہمیں اس دور کے سرکاری دبدبے اور طنطنے کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔ اس کا اعتراف اس دور کی مجبوری یا مصلحت تھی، اخبار کی روح یا ہستی نہیں تھی۔ مزید اس کا بھی امکان ہے کہ یہ ایک کاروباری ضرورت ہو۔ اس وقت حکام کمپنی کی مروّت یا ہمت افزائی کے بغیر صحافت کی کامیابی ممکن ہی نہیں تھی۔ بہر حال جیسا کہ ہم نے دیکھا اس نشان کو ترک کر دینے کے بعد بھی جام جہاں نما تقریباً ساٹھ سال تک زمانے کے تمام حوادث اور سانحات کا

مقابلہ کرتے ہوئے زندہ وسرگرم رہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ منشی سدا سُکھ لعل کی علاحدگی کے بعد اخبار کی ادارت کا کام خود ہری ہردت نے سنبھال لیا تھا۔ شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے لکھا ہے

"۱۸۲۸ء میں جام جہاں نما کا اپنا مطبع محلہ کولوٹولہ میں قائم ہوگیا۔ اس کے بعد ہری ہردت نے اس کی پالیسی میں نمایاں تبدیلیاں کیں اور انھوں نے اس کے ابتدائی دور میں بھی انگریزوں کی مخالفت کی تھی، جس کی وجہ سے اخبار کے ساتھ انگریزوں کی تمام تر ہمدردیاں ختم ہوگئیں۔ حکومت کی سرپرستی سے آزاد ہونے کے بعد ہری ہردت کا قلم بھی آزاد ہوگیا اور وہ اپنے خیالات کا آزادانہ اظہار کرنے لگے۔ ہری ہردت کو اُردو صحافت کی کسی تاریخ میں بھی "جام جہاں نما" کا مدیر نہیں لکھا گیا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ "جام جہاں نما" کی شہرت انہی کے دور میں ہوئی۔ "جام جہاں نما" کے اکثر مضامین کے ترجمے "کلکتہ جرنل" میں شائع ہوتے رہے۔۔۔ ہری ہردت "جام جہاں نما" کے مدیر تھے اس کا تذکرہ اس دور کے اخبارات ورسائل میں جا بجا پایا جاتا ہے۔ مثلاً ۱۹/ دسمبر ۱۸۲۹ء کے (بنگلہ ہفتہ وار) "بنگ دوت" ۲۶/ مارچ ۱۸۳۱ء کے (بنگلہ ہفتہ وار) "سماچار درپن" اور سیلیکٹ کمیٹی ۱۸۳۲ء کی رپورٹ وغیرہ ہیں۔"[12]

ان حقائق کی روشنی میں "جام جہاں نما" کے بارے میں مروّج مفروضات پر نظر ثانی کرنا واجب ومناسب ہے۔

اس کے مزاج اور مرتبے کا تعین کرنے کے لیے ہمیں حکومت کے چیف سکریٹری ڈبلیو۔ بی۔ بیلی کے ریویو اور محکمۂ فارسی کے سکریٹری اینڈریو اسٹرلنگ کی رپورٹ کو ہیشِ نظر رکھنا چاہیے جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ ان کے ساتھ محکمۂ فارسی کے قائم مقام سکریٹری سائمن فریزر کے نام خود صاحبِ جام جہاں نما کے مراسلے اور اخبار کی خبروں کے بین السطور اس کے تبصروں کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔

جب اس کے مذکورہ صدر مراسلے کی بنا پر حکومت نے اس کے لیے محصول

ڈاک کی رعایت منظور کرلی اور اس نے اپنے کالموں میں اس کا باضابطہ اعلان کیا تو ہمعصر سرکاری گزٹ نے، جو ان دنوں "کلکتہ گزٹ" کے نام سے چھپتا تھا اور مقامی صحافت کے مدّوجزر پر محققانہ رائے زنی کرتا تھا، لکھا:

سیرام پور کے اخباروں اور "جام جہاں نما" میں کلکتہ کے اخباروں سے ترجموں کے ذریعہ حقیقی اطلاعات کی درست اور وسیع اشاعت کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی جریدوں سے بھی مضامین لیے جاتے ہیں۔ اس طرح دیسی قارئین کو نئی اور مفید معلومات ملتی رہتی ہیں۔ جام جہاں نما میں شمالی ہندستان کے لیے ہندستانی زبان میں ایک ضمیمہ بھی شامل کیا جاتا ہے جس میں ان دنوں کافی عرصے سے بونا پارٹ کے محاربات کی تاریخ شائع کی جارہی ہے۔

"کلکتہ گزٹ" نے اس کا مقابلہ "اودنت مارتنڈ" سے کرتے ہوئے لکھا:

تاہم شمالی ہندستان کے ہندوؤں کے لیے اس سے زیادہ مفید اخبار اودنت مارتنڈ ہے، جس کی زبان زیادہ خالص انداز کی ہوتی ہے اور جو دیوناگری حروف میں شائع کیا جاتا ہے اگرچہ یہ زیادہ خوبی سے نہیں چلایا جارہا ہے۔ ہماری دانست میں دیسی لوگوں میں یہاں تک کہ کلکتے میں بھی، اس کی مانگ زیادہ نہیں ہے اور کلکتہ پریذیڈنسی کی حدود سے آگے تو کوئی اس کا نام بھی نہیں جانتا ہوگا۔[۳۱]

اس اقتباس میں سرکاری اخبار کی طرف سے ہندی اور اردو کی فرقہ وارانہ تقسیم میں فرنگی سامراج کا ذہن آشکار ہے اور اس میں سامراج کی آنے والی لسانی پالیسی کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے۔ ایک ایسے اخبار کو جو "زیادہ خوبی سے نہیں چلایا جارہا ہے" اور "جس کی کلکتہ اور اس کے اطراف میں بھی زیادہ مانگ نہیں ہے" شمالی ہندستان کے ہندوؤں کے لیے "جام جہاں نما" سے، جس کی اپنی خبروں میں شمالی ہندستان کی رپورٹنگ ہوتی تھی، اس لیے "زیادہ مفید" قرار دیا جارہا ہے کیونکہ فرنگی نظر میں اس کی زبان "زیادہ خالص انداز" کی ہوتی ہے۔

یہ رائے ۱۸۲۶ء میں ظاہر کی گئی تھی جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی کوئی واضح لسانی پالیسی نہیں تھی۔ اس نے ابھی تک انگریزی کو سرکاری زبان کے طور پر حکماً رائج نہیں کیا تھا، اور یہ مروّج عدالتی زبان فارسی سے اپنا کام چلا رہی تھی۔ بہرحال اس کے اہلِ اختیار ہندستان کا نظم و نسق سنبھالنے میں مصروف تھے اور اس ذمہ داری میں سابق اقتدار کی زبان فارسی کو شریک بنانے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن وہ اس کے حامیوں کے محسوسات اور جذبات سے بھی خوب واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے غالباً ان کے جذبات کی تسکین کے لیے اور بیشتر تسلسل قائم رکھنے کے لیے ۱۸۳۶ء میں اُردو (ہندستانی) کو عدالتی زبان بنا دیا جو شکل و صورت میں فارسی سے ملتی جلتی تھی۔ لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اردو (ہندستانی) کے مختلف شعبوں میں ہندو بھی فعّال ہیں اور اردو اور فارسی دونوں کی صحافت میں ہراول اقدام کر رہے ہیں۔ یہ اشتراک ان کے سامراجی عزائم کے لیے خوش آیند نہیں تھا۔ چنانچہ انھوں نے اردو کو مسلمانوں سے جوڑنے کی تدبیر کی اور اپنے مخصوص نظریۂ توازن کو قائم رکھتے ہوئے ہندی کو ہندوؤں سے جوڑ دیا۔

اس پالیسی کے بارے میں گارسیں دُتاسی کا تجزیہ بہت درست تھا اگرچہ انھوں نے یہ تجزیہ بہت بعد انیسویں صدی کے وسط میں رقم کیا لیکن ان کی نظر فورٹ ولیم کالج کے آغاز سے کمپنی کی لسانی پالیسی کے نفاذ پر تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

> ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی یہ تھی کہ اُردو کو ہندی سے ایک الگ زبان سمجھا جائے۔ چنانچہ اس (فورٹ ولیم کالج کے) زمانے میں جو نیا اردو ادب مرتب کیا گیا اس میں ہمیشہ عمداً عربی اور فارسی کے الفاظ شامل کیے گئے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان الفاظ کو ترجیح دی گئی۔ سرکاری اسکولوں میں بھی اس نئے ادب کی حوصلہ افزائی کی گئی۔"[۱۴۵]

اس ضمن میں اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ہمارے اوّلین صحافی فرنگی فہم و دانش کے مدّاح ہونے کے باوجود اپنی تحریروں میں ایک خاص ذہنی رجحان پیش کر رہے تھے اور فرقہ وارانہ علاحدگی کے برطانوی تصورات کی تائید یا حوصلہ افزائی

نہیں کر رہے تھے۔ اس کے باوجود ہندو مسلم کی تقسیم کا فرنگی موقف انیسویں صدی کے اوائل ہی سے پروان چڑھ رہا تھا لیکن جدید علم و شعور کے ہمارے اولین معمار رام موہن رائے نے یہ موقف قبول نہ کیا اور مسلمانوں کی سابق حکومت کے بارے میں "برادرانہ خیالات" قائم رکھنے اور انہیں ترقی دینے کی پوری کوشش کی۔[۲۷]

پھر صاحبِ جامِ جہاں نما نے "تاریخِ عالم گیری" کی اشاعت کے اہتمام پر اپنے تبصرے میں اورنگ زیب کے عہد کی صفات پیش کیں۔

صحافت کے اس نئے شعبے میں سب سے پہلے ہندو آئے، جن کی ملک میں اکثریت تھی۔ لیکن یہ پیشہ کسی مذہبی اصول یا نظریے کی بنیاد پر یا ترقی کے لیے شروع نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں نے اسے علم و شعور کی ایک جدید اور دلچسپ راہ سمجھ کر اختیار کیا تھا اور اس کے ابتدائی دور میں اقلیتوں کے افراد بھی اس میں پیچھے نہیں رہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں مسلمانوں اور پارسیوں نے بھی جگہ جگہ سے اپنے اخبار نکالے۔ ان میں سے اکثر پہل کاروں نے ملک کے سب مذاہب کو قابلِ عزت خیال کیا اور ایک دوسرے کی روایات کی حفاظت کرنے پر قائم رہے۔ چنانچہ "سنباد سبھا راجندرو" نے جو سرکاری ریکارڈ کے مطابق، کسی مسلمان کی طرف سے شروع کیے جانے والا پہلا مطبوعہ اخبار تھا اور فارسی اور بنگلہ دو زبانوں میں چھپتا تھا، ان تبدیلی پسند ہندوؤں پر کڑی نکتہ چینی کی جنھوں نے انگریزی تعلیم اور اثرات کے تحت ہندو دھرم اور سماجی اداروں میں کیڑے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔[۲۸]

اس دور کے مسلم اڈیٹر ہندو فرقے کے جذبات سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ دونوں فرقوں کے اخباروں میں (مذہبی) خیالات کے تصادم کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔[۲۹] اس دور کے دیسی صحافیوں کے لیے صحافت کوئی تجارتی سرگرمی نہیں تھی، بلکہ اپنے ملک کی آبرو اور اپنے ہم وطنوں کے مفاد کی حفاظت اور ترجمانی کا ایک ذریعہ تھی۔[۳۰]

بہر حال ہمعصر "کلکتہ گزٹ" کے موازنے نے "جامِ جہاں نما" کے حق میں جو ٹھوس اور مستند شہادت پیش کی ہے اور اس سے اس اخبار کی جو تصویر اُبھرتی

ہے وہ اس سے سراسر مختلف ہے، جو اس کے نامدار مورخین نے پیش کی ہے۔ ان مورخین کے نظریات کے اختلاف کی وجہ سے اس اخبار کی ہستی اور موقف کے بارے میں کسی واضح اور قطعی نتیجے پر پہنچنا ہی محال ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل اقتباسات دیکھیے۔

"۱۸۳۶ء میں 'اردو اخبار' دلی میں جاری ہوا اور یہ اس زبان میں پہلا اخبار تھا کہ میرے والد مرحوم (مولوی محمد باقر) کے قلم سے نکلا"[۱۹]

مولوی ذکار اللہ نے 'سید الاخبار' دہلی کو اولیت کا درجہ دیا ہے اور اس کا سالِ اشاعت ۱۸۳۸ء ٹھہرایا ہے[۲۰]

"۱۸۳۶ء میں دہلی سے مولوی محمد باقر نے "دہلی اردو اخبار" جاری کیا تھا یہ دوسرا اخبار تھا، پہلا مولوی اکرام علی نے کلکتہ سے ۱۸۱۰ء میں نکالا تھا"[۲۱]

"ہندستانی پریس قائم کرنے کے بعد اکرام علی کا دوسرا ادبی کارنامہ کلکتے سے "اردو اخبار" کا اجرا تھا۔ اکرام علی کے (اس) 'اردو اخبار' کی نایابی کا سہارا لے کر یہ یقین کر لینا مناسب نہیں کہ اس نام کا کوئی اخبار انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں نکلا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے آیندہ چل کر "اردو اخبار" کلکتہ کے شمارے سامنے آجائیں"[۲۲]

"اُردو کا پہلا اخبار خیر خواہ ہند" کے نام سے ۱۸۳۷ء میں بنارس سے جاری ہوا"[۲۳]

"جام جہاں نما کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی حاصل تھی"[۲۴]

"جام جہاں نما کے سرورق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا نشان پابندی سے چھاپنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس اخبار کو کمپنی بہادر کی حمایت و سرپرستی حاصل تھی"[۲۵]

سرکار پسندی کا پہلو تو جام جہاں نما میں یقیناً موجود تھا لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، یہ بوجوہ تھا۔ بنیادی وجہ تو یہی تھی کہ اس کا مالک کمپنی کا ایک تنخواہ دار ملازم تھا، پھر اس کا مطبع بھی ایک انگریزی تجارتی کوٹھی کی ملکیت تھا۔ اس کے علاوہ یہ ایک ایسا دور تھا جب کمپنی کا اقتدار بام عروج پر تھا اور اس کے ناظم اپنی نئی حاصل کردہ سطوت قائم رکھنے کے لیے مستعد تھے۔

اخبار کے اردو حصّے کی اشاعت۔ جن تین گورنر جنرلوں کے تحت رہی انھوں نے خود یا ان کی کونسل کے ممبروں نے پریس پر نہایت کڑی نظر رکھی۔ چنانچہ لارڈ ہیسٹنگز (۱۸۱۶ء تا ۱۸۲۳ء) جو پریس کے بارے میں خود تو متوازن خیالات رکھتے تھے، اپنی کونسل کے دو ممبروں جان ایڈم اور جان فینڈل اور چیف سیکریٹری ڈبلیو۔ بی۔ بیلی کے پریس مخالف خیالات سے متاثر ہوئے۔ ان کی رخصتی کے بعد جان ایڈم قائم مقام گورنر جنرل ہوئے (۱۸۲۳ء) اور انھوں نے اپنے زمانے میں پریس مخالف پالیسی کو سختی سے نافذ کیا۔ انھیں کے عہد میں پریس کا اوّلین آرڈی ننس جاری ہوا جس کے خلاف راجا رام موہن رائے نے اپیل کی۔ اور اس اپیل کی ناکامی کے بعد انھوں نے احتجاجاً اپنے پرچے مرأۃ الاخبار کی اشاعت بند کر دی

جان ایڈم کے جانشین لارڈ ایمہرسٹ (یکم اگست ۱۸۲۳ء تا ۱۰ر مارچ ۱۸۲۸ء) برما کی جنگ اور بھرت پور اور بارک پور میں سپاہیوں کی بغاوت جیسے سنگین معاملوں میں مصروف رہے اور پریس کے شعبے میں اپنے پیشرو ہی کی پالیسی سے کام لیتے رہے۔

پھر اس زمانے میں ایگزکٹو کو جوڈیشری پر بالادستی حاصل تھی۔ اس لیے گورنر جنرل اِن کونسل کے نام سے جاری ہونے والے احکام حتمی اور فیصلہ کن تصور کیے جاتے تھے۔[۲۶]

حیرت اور ستایش کی بات تو یہ ہے کہ ایسے ماحول میں "جامِ جہاں نما" کمپنی کے انتظامیہ کی "بدعتوں" اور پریس کے بارے میں اس کی امتیازی پالیسی پر حرف گیری کرتا رہا۔ اس معاند ماحول میں ایک سرکاری ملازم نے ایک ایسی ابتدا اور مثال قائم کی، جو فکر و بیداری کی نئی راہیں دکھا رہی تھی۔ اس کے لب و لہجے میں آزاد روی کے جو رجحانات تھے ان کے خطرات کو حکومت کے چیف سکریٹری نے اس کی پیدایش کے ابتدائی مہینوں ہی میں بھانپ لیا تھا اور جیسا کہ مندرجۂ بالا متعدد مثالوں سے ثابت ہوتا ہے، ان رجحانات میں بعد میں بھی کوئی کمی نہ ہوئی۔

ایک ایسے اخبار کو جسے کمپنی کا وظیفہ خوار تصور کیا جاتا ہے اور جو حکومت کی پبلسٹی بھی کر رہا تھا، ڈاک کے محصولات کے بارے میں حکومت سے شکایت

نہیں ہونا چاہیے تھی لیکن یہ شکایت پیدا ہوئی اور اخبار نے ایک حساس اور آزاد فرض شناس اخبار کی طرح اس کا اظہار کیا۔ یہ شکایت اس نے اپنے اخبار ہی تک محدود نہیں رکھی، بلکہ دیسی پریس کے بارے میں حکومت کی امتیازی پالیسی کو بے جھجک بے نقاب کیا۔ اس بیباکی میں سرکشی نہیں تھی بلکہ یہ ایک مہذب احتجاج تھا اور یہ اس روایت کی پیروی تھی جو راجا رام موہن رائے نے قائم کی تھی۔

"جامِ جہاں نما" اس دور کے کسی بھی اخبار کو الگ تھلگ رکھ کر اس سے انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس دور میں ہمارے اہلِ شعور کو قدم قدم پر خوف اور انجام کے خدشات کا سامنا تھا، جسے اس زمرے کا ہر رکن تہذیب و اخلاق سے رفع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ راجہ رام موہن رائے اسی طبقے کے نمایندہ اور منفرد صاحبِ قلم تھے۔ انھوں نے انگلینڈ کے آزادیِ صحافت کے ترجمان انگریزی اخباروں کے علاوہ ہندستان کے ان اوّلین یوروپین صحافیوں کی تحریریں بھی پڑھی تھیں جن میں لارڈ ویلزلی کی عائد کردہ پابندیوں کے باوجود کمپنی کے معاملات پر برملا نکتہ چینی کی گئی۔ یہ سب اثرات ان کی اس اپیل میں موجود تھے جو انھوں نے گورنر جنرل ایڈم کے پریس آرڈی نینس کے خلاف سپریم کورٹ میں کی۔ یہ اس صحافت شکن اور اپنی نوعیت کے اوّلین قانون کے خلاف سب سے پہلی اپیل تھی۔ گو اس کا لہجہ نرم تھا اور یہ وفاداری کے جذبات سے پُر تھی، لیکن اس کے دلائل بڑے حریت پرور اور انقلابی تھے۔ امرِ واقع یہ ہے کہ دیسی صحافت کے اسی مقدمے میں "انقلاب" کا لفظ سب سے پہلی مرتبہ رام موہن رائے کے احتجاج کی عبارت میں استعمال ہوا۔ اپنی اپیل میں انھوں نے کہا:

> آج تک دنیا کے کسی ملک میں بھی صحافت کی آزادی سے انقلاب نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان مقامی حکام کے طور طریقوں سے پیدا ہونے والی شکایتوں کی حکومتِ اعلیٰ کے دربار میں آسانی سے نمایندگی کر سکتا ہو، تو ان کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے اور اس طرح بےچینی کی وہ زمین تیار ہی نہیں ہوتی، جس سے انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جہاں پریس کو اظہار کی آزادی نہ دی گئی ہو اور شکایتوں

کا اظہار نہ ہو یا ان کا علاج نہ ہو سکے وہاں دنیا کے مختلف حصوں میں بیشمار انقلاب برپا ہوئے اور اگر حکومت کی مسلح طاقت نے ان کی آواز کو دبا دیا تو وہاں لوگ بغاوت کے لیے آمادہ اور تیار رہے۔[۱۱۴]

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ دیسی صحافت میں انقلاب کی اسی اوّلین نمایندگی نے یہاں کے لوگوں کے ذہن کو جو بیشتر دیسی صحافت کی وساطت سے تیار ہوا، سیاسی انقلاب کے تصور سے متعارف کیا۔

اپیل کے عین آخری جملے میں رام موہن رائے نے ایک ایسی دلیل دی ہے جو ان سے تقریباً ایک صدی بعد آنے والے مہاتما گاندھی کے طرزِ فکر سے مماثل تھی۔ انھوں نے کہا:

ہر نیک دل حکمراں جو فطرتِ انسانی کی کمزوریوں کا قائل ہے اور اس دنیا کے ابدی حکمراں کی عظمت کا بھی احترام کرتا ہے، اسے ایک عظیم الشان سلطنت کا انتظام کرنے والوں سے غلطی سرزد ہو جانے کی فطری اہلیت کا بھی ضرور احساس ہوتا ہے اور وہ اس بات کے لیے مضطرب رہتا ہے کہ فرد کو ایسے مواقع حاصل ہوتے رہیں کہ وہ ان معاملات کو فوراً اس کے علم میں لاسکیں، جن میں اس کی مدافعت ضروری ہو۔ اس اہم مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ اشاعت کی بے روک ٹوک آزادی عطا کی جائے۔[۱۱۵]

پھر اس میں ایک ایسی دلیل دی گئی جس کی بازگشت ۳۵ سال بعد سر سیّد احمد خاں کی تصنیف "اسبابِ بغاوتِ ہند" میں سنائی دیتی ہے۔

رام موہن رائے نے کہا تھا کہ نئے قانون کے نفاذ سے "ملکِ معظم کی وفادار رعایا جو سلطنت کے دور دراز خطوں میں بستی ہے اپنے فرماں روا اور اس کے وزرا کی خدمت میں اپنے حقیقی حالات بیان کرنے سے محروم ہو جائے گی۔"[۱۱۶]

اور سر سیّد احمد خاں نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے اسباب پر خیال آرائی کرتے ہوئے کہا تھا:

"گورنمنٹ رعایا کے اصلی حالات اور اطوار و عادات اور ان مصائب سے

ناواقف رہی جو ان پر گزرتے تھے اور جن سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھٹتا جاتا تھا...... رعایا سے ہندستان کو تجاویزِ گورنمنٹ میں ذرا بھی مداخلت نہ تھی اور اگر کسی نے کچھ بے قاعدہ کوئی عرضی پرچہ بھیجایا بحضور نواب۔ گورنر جنرل بہادر پیش کیا، وہ بطور استغاثہ تصور کیا گیا نہ بطور استحقاق مداخلت تجاویزِ گورنمنٹ میں اور اسی لیے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔[۱۲]"

ان تحریروں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگرچہ انیسویں صدی کے اوائل میں دیسی صحافت وفاداری کی رو میں بہ رہی تھی، لیکن حسبِ استطاعت اس پانی میں کچھ شوخ اور حریت خیز لہریں بھی پیدا ہو رہی تھیں۔ اُس شعبے میں فارسی صحافت پیش پیش تھی، جو اس وقت اردو صحافت کی ایک خوب تر شکل تھی اور اپنے قارئین کے طبقۂ اشرافیہ سے مخاطب تھی۔

اس کی اوّلین لہر تو سب سے پہلے فارسی اخبار "مرآۃ الاخبار" کے اڈیٹر رام موہن رائے ہی نے پیدا کی۔ انھوں نے گورنر جنرل جان ایڈم کے پریس آرڈی نینس کی باضابطہ مخالفت کی اور اس کے خلاف سپریم کورٹ اور تاجِ برطانیہ تک اپیل دائر کی۔ اس اپیل میں انھوں نے بڑے مہذب طریقے سے پریس کے بارے میں مروجہ سرکاری نظریے کو باطل قرار دیا اور ایک غلام ملک میں بھی آزادیِ اظہار کی اہمیت اور وقار کو نمایاں کیا۔ یہ وہ قدریں تھیں، جو ان سے عین قبل ہندستان میں مقیم کچھ یوروپین اڈیٹر بھی پیش کر رہے تھے۔ ان میں "کلکتہ جرنل" کے اڈیٹر جیمز بکنگھم، جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، پیش پیش تھے، ان کی تحریروں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام کو بڑی ذہنی کوفت ہوئی تھی۔ اور جن کی پاداش میں وہ ہندستان سے واپس انگلستان جانے پر حکماً مجبور کیے گئے تھے۔

رام موہن رائے نے پریس آرڈی نینس کے خلاف جو دلیرانہ احتجاج کیا تھا، اس کی پشت پر حکامِ کمپنی کا بکنگھم سے ناروا سلوک بھی تھا۔ وہ بکنگھم کے جمہوری خیالات کے مداح اور ہمنوا تھے اور اپنے مرآۃ الاخبار کو اسی پیرایے پر چلاتے

تھے۔ حکومت نے ان کی اپیل نامنظور کر دی جس پر رام موہن رائے نے شہری آزادیوں کی آمرانہ خلاف ورزی" اور جیمز بکنگھم کے اخراج کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے "مراۃ الاخبار" کی اشاعت بند کر دی[۱۲]

یہ احتجاج ہندستانی صحافت کے آغاز کی وہ آواز تھی جو فرنگی راج کے اختتام تک گونجتی رہی اور جسے چیف سیکریٹری بیلی نے "مراۃ الاخبار" اور "جام جہاں نما" کی پیدائش کے سال ہی میں نہ صرف سن لیا، بلکہ گرہ باندھ لیا۔

اگر "مراۃ الاخبار" زندہ رہتا تو یہ نوزائیدہ صحیفہ دیسی صحافت کی آزادی کی بنیادوں کو ضرور مستحکم کرتا۔ اسی آواز سے جرأت پاکر "جام جہاں نما" کے سے اخبار نے جس کا مالک سرکاری ملازم تھا، دیسی پریس کے بارے میں حکومت کی امتیازی پالیسی پر زوردار اعتراض کیا تھا۔

انیسویں صدی کے دوسرے رُبع میں اس اندازِ نظر نے جلد ہی ایک تسلسل قائم کر لیا۔ چنانچہ "آئینہ سکندر" (اجرا ۱۸۳۱ء) کے مدیر مولوی سراج الدین احمد لکھنوی نے رام موہن رائے کی طرح عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کی مخالفت کی۔ اے۔ ایف۔ ایم عبدالعلی نے لکھا ہے کہ آئینہ سکندر نے اپنے اسلوب، خبروں کے انتخاب اور طباعت میں جام جہاں نما ہی کا طرز اختیار کیا[۱۳]

"ماہِ عالم افروز" (اجرا ۱۸۳۳ء) کے اڈیٹر مولوی وہاج الدین نے سر چارلس مٹکاف کے عہد میں، جب ۱۸۳۵ء میں پریس ایکٹ منظور ہوا، برطانوی راج اور اس کے نسلی امتیاز کی روش پر نکتہ چینی کی۔[۳۲]

لیکن سب سے بالا "سلطان الاخبار" (اجرا ۱۸۳۵ء) تھا۔ اس کے اڈیٹر سید رجب علی حسینی لکھنوی نے، جو لکھنؤ سے آئے تھے اور اس شہر کے سب سے پہلے معلوم اخبار نویس تھے[۳۳] نہایت جگرداری اور جرأت سے احتجاجی آواز کو علی الاعلان سیاسی رخ دے دیا۔ اس اخبار نے فرنگی راج کی بدعنوانیوں اور بے انصافیوں پر برملا نکتہ چینی کی۔ ۹ اگست ۱۸۳۵ء کے شمارے میں اس نے اودھ کے نظم و نسق کا برطانوی علاقے کے نظم و نسق سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھا:

اگر تعصب سے کام نہ لیں اور انصاف کی بات کی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ

انگریز سرکار کے زمیندار پریشان ہیں لیکن مملکتِ اودھ کی رعایا خوش حال ہے۔ اکیلے کلکتہ شہر میں صرف قتل ہی کی وارداتیں پوری مملکتِ اودھ کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔[۴۵]

"سراج الاخبار" نے دہلی کے ایک انگریز ریزیڈنٹ کے قاتلوں، کریم خاں اور نواب شمس الدین، کو جن کو عدالت نے پھانسی کی سزا دی تھی، شہید کا لقب دیا اور ان کے مزاروں پر خلقت کے ہجوم اور چراغاں کی خبریں پرجوش انداز سے چھاپیں، حالانکہ یہ مقدمہ غیر سیاسی تھا اور خاندانی جائداد کے ایک جھگڑے سے متعلق تھا۔[۴۶]

کمپنی راج کے اس مرحلے پر رشوت ستانی عام تھی۔ اس کے انگریز ملازم نجی تجارت اور دولت کی ہوس میں غلطاں تھے۔ دیسی باشندوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم تھا اور عدالتیں انگریزوں کو دیسی باشندوں کے قتل پر بھی سزا نہیں دیتی تھیں۔

"سلطان الاخبار" نے ان معاملات کو بڑی کڑی نظر سے دیکھا۔ اس نے فرنگی عدالتوں کے موضوع پر لکھا:

> عدالتوں کے منشیوں کا حال کیا لکھوں کہ یہ سب کے سب بیجا کی ظلم اور زیادتی میں آج کے ہلاکو نظر آتے ہیں ..... اور محکمۂ ڈاک کے ملازمین خصوصاً عیسائی جسارت سے بے ایمانی کرتے ہیں۔ اگر کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اعلا حکام کے پاس رفعِ شکایت کے لیے درخواست بھیجے تو اعلا حکام اس پر توجہ نہیں دیتے اور بیچارے شکایت کرنے والے کو ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے۔[۴۷]

اس اخبار کا کوئی شمارہ مشکل ہی سے ملے گا جس میں انگریزوں کی زیادتیاں اور انگریزی عدالتوں اور دفتروں کی ناانصافیاں اور بدعنوانیاں کھلے اور واضح الفاظ میں بیان نہ کی گئی ہوں۔[۴۸]

ایسی خبریں پڑھتے ہوئے بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات رونما ہونے سے، تقریباً چوتھائی صدی پہلے سے ان اخباروں کے

کالموں کے بین السطور سے جھانکنے لگ گئے تھے۔

ملک کی دولت کو تاجروں کی ایک ٹولی نے جس طرح لوٹا، سلطنت اودھ کو جس طرح تاراج کیا گیا، پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اور سرنگا پٹنم کی جنگ میں ٹیپو سلطان کے ساتھ جو کچھ ہوا، ان کی یاد کی چنگاریاں لوگوں کے دماغوں اور دلوں میں موجود تھیں۔ بیشک کمپنی کے نواب ان چنگاریوں کو بھڑکنے سے روک رہے تھے لیکن فارسی صحافت اس احساس اور شعور سے گرم تھی جو آزادی سے محروم ہو جانے والے کسی ملک کے اہلِ دانش میں اپنے آپ پیدا ہوتا ہے۔

اس کے باوجود مذکورہ بالا مثالوں سے یہ باور کرنا غلط ہوگا انیسویں صدی کے اوائل ہی میں تمام کے تمام دیسی اخبار بڑے مصمم ارادے یا منظم طریقے سے سیاسی آزادی کے لیے جہاد پر آمادہ تھے۔ صحافت کی طفولیت اور حکومت کی سخت گیری کے زمانے میں یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ لیکن اتنا تو آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ فرنگی حاکموں نے نوزائیدہ دیسی صحافت کو اپنی امتیازی اور عدم معاون پالیسی سے اسے بے اثر اور بے ضمیر بنانے کی جو کوششیں بھی کیں وہ کامیاب نہیں ہوئیں اور کلکتہ میں شروع ہونے والی ہماری صحافت کے کئی ارکان بے پناہ اقتصادی اور انتظامی مشکلات کے باوجود صحافت کے جمہوری مزاج کو اپنانے سے خائف اور گریزاں نہ رہے۔ انھوں نے اس شعلے کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا جو "مرأۃ الاخبار" کی رضاکارانہ شہادت نے روشن کیا تھا۔ اس شعلے کو "جام جہاں نما" نے بھی جسے اقتصادی مشکلوں اور حکومت کی نیم دلی کا مسلسل سامنا رہا، برقرار رکھا اور پھر اسی شعلہ کی حرارت شمالی ہند تک پہنچی۔ جہاں اس کے اولین اخباروں بالخصوص "دہلی اردو اخبار" (اجرا ۱۸۳۶ء) اور "صادق الاخبار" (اجرا ۱۸۵۴ء) نے اسے ۱۸۵۷ء کی آتشِ بغاوت کا پیش خیمہ بنادیا۔[وسیع]

حواشی

[۱] آر۔ آر۔ بھٹناگر۔ متذکرہ۔ ص ۶۹

۲؎ نادر علی خاں۔ متذکرہ۔ ص ۳۳

۳؎ آر۔ آر۔ بھٹناگر۔ متذکرہ۔ ص ۱۲

۴؎ بحوالہ محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۴۳۷۔ ۴۳۸

۵؎ ایضاً۔ ص ۱۶۶

۶؎ آر۔ آر۔ بھٹناگر۔ متذکرہ۔ ص ۵۰

۷؎ محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۱۶۹

۸؎ A.C.DASGUPTA:"DAYS OF JOHN COMPANY...."IBID,P.231

۹؎ بحوالہ محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۴۳۸

۱۰؎ A.C.DASGUPTA IBID P.242

۱۱؎ ایضاً۔ ص ۲۱۲

۱۲؎ شانتی رنجن بھٹاچاریہ۔ "جام جہاں نما اور ہری ہردت" متذکرہ۔ ص ۱۵، ۱۶

۱۳؎ A.C.DASGUPTA, IBID, P.161

۱۴؎ MADAN GOPAL:" HISTORY OF HINDI - URDU LITERATURE" (UNDER PRINT)

۱۵؎ بحوالہ محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ۔ ص ۱۳۸

۱۶؎ HOME PUBLIC ORIGINAL CONSULTATION, 7 SEPTEMBER 1830, NOS. 104-105 QUOTED BY DR.B.M.SHANKHDHAR IBID, P.P.155, 156

۱۷؎ ایضاً۔ ص ۲۳۵، ۲۳۳

۱۸؎ ایضاً۔ ص ۲۳۴

۱۹؎ محمد حسین آزاد۔ "آب حیات" رام نرائن لعل و جے کمار، الہ آباد ۱۹۸۰ء، ص ۲۶

۲۰؎ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی۔ "دہلی اردو اخبار"۔ شائع کردہ شعبۂ اردو۔ دہلی یونی ورسٹی دہلی ۱۹۷۲ء۔ مقدمہ۔ ص۔ ب

۲۱؎ پروفیسر حامد حسن قادری۔ "داستان تاریخِ اردو" اردو اکیڈمی۔ سندھ (پاکستان) چوتھا اڈیشن۔ ص ۹۷۔ (پروفیسر قادری نے اس اخبار کا نام تحریر نہیں کیا ہے)

۲۲؎ نادم سیتاپوری: "فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی" متذکرہ

۲۳ قاضی عبدالغفار "اردو صحافت" ماہ نامہ نگار، لکھنؤ۔ نومبر ۱۹۴۲ء بحوالہ شانتی رنجن بھٹاچاریہ۔ "جام جہاں نما اور ہری ہردت" ماہنامہ آج کل۔ نئی دہلی۔ جون ۱۹۶۳ء ص ۱۱

۲۴ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، متذکرہ ص ۵۲

۲۵ محمد عتیق صدیقی، متذکرہ۔ ص ۱۵۵

۲۶ ڈاکٹر بی۔ ایم۔ شنکدھر۔ ص ۱۱۶

۲۷ KALI DAS NAG'S ARTICLE IN "CULTURAL HISTORY OF INDIA," P. 407 QUOTED BY R.R.BHATNAGAR, IBID P.37

۲۸ RAM MOHUN ROY(CENTENARY PUBLICATION)

بحوالہ محمد عتیق صدیقی، متذکرہ ص ۱۷۹

۲۹ ایضاً

۳۰ الطاف حسین حالی۔ "حیات جاوید" ترقی اردو بورڈ۔ نئی دہلی ۱۹۷۹ء ص ۸۲۸، ۸۲۹

۳۱ ڈاکٹر بی۔ ایم۔ شنکدھر متذکرہ۔ ص ۱۱۷

۳۲ A.F.M.ABDUL ALI

BENGAL PAST & PRESENT, JAN.-JUNE 1927 P.35

۳۳ محمد عتیق صدیقی متذکرہ۔ ص ۲۴۱، ۲۴۲

۳۴ ایضاً۔ ص ۲۴۴

۳۵ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی متذکرہ کتاب کے ص ۵۴ سے ایک فارسی خبر کا ترجمہ۔

۳۶ محمد عتیق صدیقی۔ متذکرہ ۲۴۸، ۲۶۰

۳۷ ایضاً

۳۸ ایضاً۔ ص ۲۴۶، ۲۴۷

۳۹ ایضاً۔ ص ۲۸۵۔

آٹھواں باب

اردو صحافت کا نقشِ اوّل

"جام جہاں نما" کا مطالعہ دراصل اردو صحافت کی ابتدا اور بنیاد کا مطالعہ ہے۔ اپنی ابتدا سے قبل اس صحافت کے پاس اپنے آبا و اجداد کی شاندار علمی وراثت اور قریبی پیشروؤں کی فارسی کی خاصی ترقی یافتہ قلمی صحافت تھی۔ لیکن اپنی صحافت کی کوئی روایت یا مثال موجود نہیں تھی۔

ایسے حالات میں "جام جہاں نما" کی پیشہ ورانہ کارکردگی ایک غیر معمولی چیز تھی۔ اس زمانے میں ڈاک، تار، ریلوے، ٹیلی فون یا خبروں کی فراہمی کے لیے آج کی طرح کا کوئی تیز رفتار با قابلِ اعتماد نظام بھی نہیں تھا۔ دید و شنید کی رپورٹنگ بھی ابھی فعال نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا ہر دیسی اخبار کو لازماً ترجموں کا سہارا لینا پڑا۔ یہ ترجمے دستیاب انگریزی اخباروں سے، فارسی وقائع سے یا چند متفرق کتابوں سے کرنا پڑتے تھے۔ ان سنگلاخ حالات کے باوجود "جام جہاں نما" کی کارگزاری معمولی یا ناقابلِ توجہ نہیں تھی۔ اس کے ترجمے سپاٹ چربے ہی نہیں تھے بلکہ عموماً زبان اور واقعات۔ دونوں کے اوصاف کے حامل تھے۔

یہ خصوصیات اس کی اپنی توجہ اور محنت سے پیدا ہوئیں۔ اس نے اپنے ذرائع سے اسکوپ شائع کرنے کی اپج بھی دکھائی اور اپنے قارئین کے خطوط کے ذریعے سے اہم واقعات کی اطلاعات بھی فراہم کیں۔ یہ مواد ابتدائی سہی لیکن یقیناً یہ صحافت کا خمیر تھا۔ آج کی کسوٹی پر پرکھنے سے یہ اخبار شاید خالص سونا

ثابت نہ ہوسکے لیکن مطبوعہ اردو صحافت کی سیڑھی کا یہ وہ پہلا قابلِ لحاظ زینہ ضرور تھا جس کی مثال سے اس کے فوری اور لائق جانشین "دہلی اردو اخبار" نے اپنی تشکیل و ترتیب استوار کی۔ "دہلی اردو اخبار" کی کارگاہ اس سے ساڑھے چودہ سو کلومیٹر دور دلی میں تھی لیکن اس دوری نے اس کے ذہن اور پیشہ ورانہ انداز میں دوری پیدا نہ کی۔

حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ "جام جہاں نما" کو اس کے اپنے دور ہی کے حالات میں رکھا اور پرکھا جائے۔

۱۸۲۲ء میں جب یہ جاری ہوا تو ہندستان میں مطبوعہ صحافت کی جو انگریزی زبان میں تھی، عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ بظاہر یہ عمر اطمینان بخش نشو و نما کے لیے کافی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہر پیدائش کا معیار اور وقار اس کے گرد و پیش سے مرتب ہوتا ہے۔ نوزائیدہ انگریزی صحافت کو یہاں جو گرد و پیش نصیب ہوا وہ اس کے عمدہ اور نستعلیق معیار کے لیے معاون نہیں تھا۔ حالات نے اس کے یوم پیدائش ہی سے اس پر اندیشوں اور خطروں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔ اس سلسلے کے پس منظر میں نئے برطانوی اقتدار کے سایے میں جنم لینے والا نیا سماج تھا۔ اس سماج کے بارے میں مشہور برطانوی مصنف جان ولیم نے لکھا ہے:

> یہ سماج بد اخلاقی اور ناشائستگی کا روادار تھا۔ اس میں جاری ہونے والے اخباروں پر صرف وہی پابندیاں عائد ہوتی تھیں، جو ایک اڈیٹر اور قلم کار کو (اپنی تحریروں کی وجہ سے) اپنے جسم و جان کے خطرے سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ ان صحافیوں کی کینہ توز نکتہ چینیوں کا موضوع مقامی (انگریزی) حکومت کے عہدیدار نہیں تھے بلکہ کلکتہ کے یورپی سماج کے سرکردہ ارکان ہوتے تھے۔ پہلا ہندستانی اخبار وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں جاری ہوا۔ اس کا نام "ہکیز گزٹ" تھا اور یہ ۱۷۸۰ء میں جاری ہوا۔ یہ بدترین گالی گلوچ کا پلندہ تھا۔ چونکہ یہ ایک زبان دراز اخبار تھا، لہٰذا اس کا جواب دینے والوں نے بھی وہی روش اختیار کی، جس سے (بلو کھلائے ہوئے) لوگ

ایسے موقعوں پر عموماً کام لیتے ہیں۔ جنگی قانون پر مبنی انتقام کا یہ عمل اس زور شور سے ہوا کہ مسٹر ہکی کو، جس نے خود بھی کردار کشی کا راستہ اختیار کیا تھا، نہ صرف اپنی ذات پر عام حملوں کی، بلکہ اپنے قتل کے امکان کی بھی شکایت کرنا پڑی ...... اس کے اخبار میں کوئی حقیقی قوت نہیں تھی۔ اس کے بعد جاری ہونے والے اخبار اس سے زیادہ صحت مند تھے۔ انھوں نے عمر بھی زیادہ پائی اور ان کی کارگزاری بھی بہتر رہی۔ لارڈ کارنوالس اور سر جان شور کے دورِ حکومت میں سماج کے اخلاق میں اصلاح ہوئی اور ہندستان کے پریس کو مستحکم وقار حاصل ہوا۔ اب اخبار اہلِ کمپنی کے شرمناک نجی معاملوں کی بجائے عوامی موضوعات میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ بہر حال ان کی تحریریں اکثر و بیشتر بے ضرر ہوتی تھیں، اگرچہ کسی اعلا نگارش کا نمونہ نہیں ہوتی تھیں۔ یہ زیادہ تر یورپ کے اخباروں سے مستعار ہوتیں اور کچھ خبریں مقامی واقعات پر مبنی ہوتی تھیں۔ لیکن ان میں لارڈ کارنوالس اور اس کی حکومت کے خلاف کچھ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ جب بھی ان کا ذکر ہوتا بڑے احترام سے ہوتا تھا۔ ان کی اطلاعات کے فروغ سے عوام میں کوئی بے آرامی پیدا نہ ہوئی۔[1]

اسی ماحول میں دیسی اخباروں کا جنم ہوا۔ ان کے لب و لہجہ کی تشکیل میں ان انگریزی اخباروں کے رجحانات کا لازماً اثر ہونا چاہیے تھا لیکن ابھی دیسی اخبار پالنے سے باہر بھی نہیں نکلے تھے کہ برطانیہ کو محاربات نپولین سے سابقہ پڑ گیا۔ اسی زمانے میں لارڈ ویلزلی ہندستان آئے۔ وہ پریس کو "بدترین عذاب" سمجھتے تھے۔ انھوں نے آتے ہی پریس پر سنسر شپ عائد کر دیا۔ اس قانون کا اصلی عمل دخل بنیادی اور لازمی طور پر انگریزی اخباروں پر تھا لیکن اس سے خوف اور ہیبت کا جو ماحول پیدا ہوا، دیسی اخبار اس کے اثر سے باہر نہیں رہ سکتے تھے۔

جان ولیم کے نے لکھا ہے کہ لارڈ منٹو کے زمانے میں حکومت پر اس تصور سے ایک لرزہ طاری ہو جاتا تھا کہ اطلاعات کی اشاعت کو آزادی دے دی جائے۔

ان دنوں ہماری پالیسی یہ تھی کہ ہندستان کے باشندوں کو جہالت اور تاریکی کے گہرے غاروں میں رکھا جائے اور ہر ایسی کوشش کی سختی سے مخالفت اور مزاحمت کی جائے جو ہمارے یا آزاد ریاستوں کے لوگوں میں علم کی روشنی پھیلانے کے لیے کی جائے۔[۲۵]

گویا کمپنی کے حکام اپنی پارلیمنٹ کے منظور کردہ اس چارٹر کی صریحاً اور عمداً خلاف ورزی کر رہے تھے جس میں علم کے فروغ کے لیے ایک خصوصی رقم منظور کی گئی تھی۔

اردو اور دیسی صحافت کی ابتدا کا جائزہ لیتے وقت ان حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس چشم پوشی سے اس کی نشوونما کی معذوریاں اس کی فطری خامیاں بن سکتی ہیں۔

"جام جہاں نما" کے ہمعصر سرکاری "کلکتہ گزٹ" نے تو جوان حقائق سے بخوبی واقف ہوگا" اور بھی آگے بڑھ کر کہا تھا کہ ہندستان کے لوگ اخبار کی اہمیت اور ضرورت کے شعور ہی سے عاری ہیں۔

اقتصادی مشکلات کی وجہ سے، جن کا بنیادی سبب ڈاک کے سرکاری محصولات تھے، فارسی ہفت روزہ "شمس الاخبار" اور ہندی ہفت روزہ "اودنت مارتنڈ" کے بند ہو جانے پر تبصرہ کرتے ہوئے "کلکتہ گزٹ" نے بڑی کاری پھبتی کسی تھی اور کہا تھا کہ دیسی اخبار سورج کی طرح نہیں بلکہ ٹوٹتے ہوئے تارے کی طرح ڈوبتے رہیں گے۔ اودنت مارتنڈ پر، جو اپنے اجرا کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد بند ہو گیا تھا، رائے زنی کرتے ہوئے اس نے اپنے دس دسمبر ۱۸۲۷ء کے شمارے میں لکھا:

> یہ اخبار خاصی اہلیت سے چلایا جا رہا تھا اور اس کا رخ ایسے طبقے کی طرف تھا جس کی آبادی کلکتہ میں نہ صرف کثیر ہے، بلکہ تجارتی طور پر خوشحال بھی ہے۔ اس کے باوجود یہ اپنے اخراجات پورے نہ کر سکا۔ اڈیٹر نے اخبار کے بند ہونے کے لیے اپنے ستاروں کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے، لیکن اس میں ستاروں کا کوئی قصور نہیں ہے، قصور خود اڈیٹر کے اس تصور میں

ہے کہ اس کے ہم وطن اخبار جیسی عیاشی کے تمنائی یا ضرورت مند ہیں۔ یہ لوگ شاید ایک دو صدیوں کے بعد ایک روزنامے یا ہفت روزہ کی اہمیت، امور خارجہ پر اس کے تبصروں اور اڈیٹر کے تیز و تند خیالات کے اظہار کی اہمیت کو محسوس کر سکیں۔ اس اچھے وقت کے آنے تک دیسی اخباروں کے مدار کے سیارے "اودنت مارتنڈ" کی طرح طلوع تو ہوں گے لیکن ان کا طلوع، ان ٹوٹے ہوئے تاروں کی طرح ہوگا جو آناً فاناً گوشۂ گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔

یہ تبصرہ ایک غیر ملکی اخبار کا تھا، لیکن اس میں ایک منصف یا ادارے کی ابتدائی حالت کو نہ سمجھنے کی غلطی بلکہ خواہش صاف عیاں تھی۔

اپنے ابتدائی دور میں صحافت ایسی صنف کا خام اور ناکام ہونا قابل فہم ہے۔ خود انگلستان کی انگریزی صحافت بھی اپنے ابتدائی قریباً دو سو سال میں ایسے ہی حالات سے گزری۔ اس موضوع پر خود "کلکتہ گزٹ" ہی نے اپنے ایک سابقہ شمارے میں ایک مضمون شائع کیا تھا، جو اس نے لندن کے اخبار "مارننگ کرانیکل" سے نقل کیا تھا اور جسے اپنے تمہیدی شذرے میں "دلچسپ اور حیرت افزا" کہا تھا۔ اس مضمون میں بتایا گیا تھا:

> انگلستان کی صحافت ۱۵۸۸ء میں ملکہ الزبتھ کی نگرانی میں شروع ہوئی۔ اس کے اولین اخبار کا نام "دی انگلش مرکری" تھا۔ بظاہر یہ اخبار کسی توجہ یا تذکرے کا روادار نہیں تھا۔ بہرحال ملکہ نے اسے نہایت دشوار اور پرخطر ایام میں شروع کیا کیونکہ وہ سرکاری مقصد کی خبریں شائع کرنا اور ان افواہوں کا سد باب کرنا چاہتی تھیں جنھیں خانہ جنگی کے اس زمانے میں ان کے دشمن پھیلانے میں سرگرم تھے۔
>
> اس اخبار کے کچھ شمارے برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔ ان (شماروں) سے پتا چلتا ہے کہ یہ اخبار بڑی بے قاعدگی سے چھپتا تھا اور کئی شمارے ہر مرتبہ چار چار ماہ کے وقفے کے بعد شائع ہوئے...... جب اس کی اشاعت بند ہوگئی تو اس کے بعد کئی سال تک سیاسی خبریں دینے والا کوئی مستقل اخبار

وجود میں نہ آیا۔

جیمز اوّل کے زمانے میں کچھ چھوٹے چھوٹے متفرق پمفلٹ نکلتے رہے جو محض (علاقائی) خبرنامے ہوتے تھے۔ ان کے عنوان اس طرح کے تھے۔ "اٹلی کی خبریں" "جرمنی کی خبریں" "ہنگری کی خبریں" وغیرہ یہ خبریں عام طور پر ولندیزی اخباروں سے ترجمہ کی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں اسٹار چیمبر اور ہائی کمشن کورٹس (شہری) آزادیوں اور مصنفوں کی اطلاعات معلوم کرنے کی صلاحیت پر مطلق اختیار رکھتے تھے اور پھر اوّلین برطانوی اسٹورٹ (حکام) اکثر ایسے فرمان جاری کرتے تھے جن کے تحت لوگوں کو سیاسی موضوعات پر باہمی گفتگو کرنے سے بھی منع کیا گیا۔

ظاہر ہے کہ (ایسے حالات میں) تبادلۂ خیالات کا کوئی سلسلہ نہیں چل سکتا تھا اور خبر بھی صرف وہی فروغ پا سکتی تھی جس سے حکومت کی کوئی غرض پوری ہوتی ہو۔ اس کے علاوہ اس دور میں نہ تو قارئین کی کوئی بڑی تعداد تھی اور نہ ڈاک کے ذریعے سے اطلاعات بھیجنے کا کوئی آسان نظام موجود تھا۔

خانہ جنگی کے زمانے میں اخباروں کی تعداد میں تیز رفتاری سے اضافہ ہوا۔ ۱۶۴۴ء میں ان کی تعداد تقریباً بیس ہو گئی۔ لیکن شاہی کی بحالی کے زمانے میں (۱۶۶۰ء) سیاسی سرگرمیوں پر کڑی پابندیاں لگا دی گئیں چنانچہ کئی اخبار بند ہو گئے ولیم (فاتح) اور ملکہ آن کے زمانے میں پریس کو کچھ آزادی ملی اور کئی ادبی اخبار جاری ہو گئے۔ خبروں کی فراہمی کے لیے صرف ایک اخبار "لندن گزٹ" نامی تھا۔ جو ۱۶۶۴ء میں جاری ہوا۔ ہینوور خاندان کے پہلے دو بادشاہوں کے عہد میں لندن سے خبریں شائع کرنے والے نصف درجن سے زیادہ اخبار جاری ہوئے لیکن جدید قدروں سے میل کھانے والی صحافت ہنوز دور تھی۔ اس کے بعد بھی کئی سال تک لندن کرانیکل، سینٹ جیمز کرانیکل اور ڈیلی ایڈورٹائزر ایسے اخباروں میں بھی کوئی سیاسی بحث نہیں ہوتی تھی۔ پارلیمنٹ کی کارروائی کی کوئی خبر نہیں شائع کی جاتی تھی اور عدالتوں کے مقدموں کے بارے میں

کوئی معلومات نہیں دی جاتی تھیں۔

لیکن آج (۱۸۲۱ء میں) انگلستان کے اخبار وسیع اشاعت کے مالک ہیں۔
حال ہی میں صدر ڈاک خانہ کی ایک رپورٹ سے معلوم ہوا کہ لندن میں ایک ہفتے میں تقسیم ہونے والے اس کے اپنے اخباروں کی تعداد تین لاکھ اور پورے ملک میں ساڑھے چھے لاکھ تھی۔ ان کے علاوہ غیر ملکی جریدوں کی کثرت ہے جن میں ہالینڈ سرِ فہرست ہے۔ شاید ہی کوئی ملک یا دارالخلافہ ہو جس کا اپنا "گزٹ" نہ ہو۔ ان سب کو ان ملکوں میں ترقی ملی، جہاں (صحافت کی) آزادی کھلے بندوں روا رکھی اور سلیقے سے قائم کی گئی ہے۔

۱۸۲۳ء میں جان ایڈم کے پریس آرڈیننس کے خلاف اپیل میں راجا رام موہن رائے نے بھی یہی نظریہ پیش کیا اور کہا تھا کہ اظہار رائے پر پابندیوں سے ہمیشہ وہ بےچینی پیدا ہوتی ہے جو انقلاب کو جنم دیتی ہے لیکن برطانوی ججوں نے ان کی اپیل مسترد کر دی۔ مضمون نگار نے مزید کہا:

انگلینڈ کے بعد امریکہ کو دیکھیے جو آزادیِ تبادلۂ خیال اور اخباروں کی اشاعت کی آزادی کا عروس البلاد ہے۔ حساب لگایا گیا ہے کہ امریکن یونین میں چھپنے والے اخباروں کا سرکولیشن ڈھائی کروڑ سے اوپر ہے۔
انگلینڈ میں ہم اخباروں کے ڈاک محصول میں رعایت دیتے ہیں۔
اس کے باوجود ہم وہ کام نہیں کر سکے جو بحر اوقیانوس کی دوسری طرف (امریکہ میں) اس رعایت کے بغیر ہو رہا ہے۔ ہم ایسے اخبارات شائع کرتے ہیں، جنھیں پڑھنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ اخبار حکومت کی فیاضی پر تکیہ تو کرتے ہیں لیکن اس کی خدمت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

ان ابتدائی انگریزی اخباروں کے مقابلے میں اردو کے اوّلین اخبار "جام جہاں نما" کی، جو مذکورہ بالا تمام پابندیوں اور معذوریوں کا شکار تھا صورتِ حال بہت بہتر تھی۔ حکومت کے چیف سکریٹری مسٹر بیلی نے اسے ذہنی بیداری اور

ہل چل کا وسیلہ تصور کیا اور فارسی سکریٹری اینڈریو اسٹرلنگ نے اسے اپنے وقت کا "بہترین اخبار" کہا۔ اگر اسے اس کے اپنے دور کی ترازو میں تولا جائے تو اس کے کارنامے وزن اور وقعت دونوں کے حامل ہوں گے۔ اس کی مثال کلکتہ گزٹ کی اس پھبتی کو باطل کر دیتی ہے کہ ہندستان میں دیسی صحافت کی اہمیت قائم ہونے میں ایک دو صدیاں صرف ہو جائیں گی۔

"جام جہاں نما" ہماری اردو صحافت کی ایک معمولی ابتدا ضرور تھی، لیکن اس کی جرأت، اپنے مقصد سے شغف اور جدت پسندی اس کے معمولی مقام پر غالب ہیں۔ یہ کوئی انقلابی اخبار نہیں تھا، لیکن اپنے دور کے سنگلاخ ماحول میں ایک ایسی زبان کی نثر کا پہلا نمایندہ تھا جو صدیوں سے بول چال کی سرحد ہی پر کھڑی پر تول رہی تھی۔ اس زبان کے بولنے والوں میں اخبار بینی یا مطالعے کا کوئی نمایاں رجحان نہیں تھا۔ انھوں نے ابھی تک کوئی ایسی کتاب بھی نہیں دیکھی تھی جو ان کی مروجہ نثر میں چھپی ہو۔ ایسی زبان میں ایک باقاعدہ اور منظم اخبار نکالنا جو اپنے گرد و پیش کی زمین پر کھڑا ہو سکے ایک کٹھن اور صبر آزما تجربہ تھا۔ اس تجربے کا خواب دیکھنے والا اور پھر اس خواب کو عملی جامہ پہنانے والا یقیناً ایک جری اور مجاہد شخص ہوگا۔ اس نے کہا کہ میں "خالص ہندستانی" میں ایک ایسا اخبار نکال رہا ہوں جو قارئین کی تفریحِ طبع اور ذہنی تسکین کا سامان پیدا کرے گا۔ اس کے اردو اڈیشن نے عوام کی زبان میں دور و نزدیک کی خبروں کے علاوہ مضامین کے ایسے سلسلے شائع کیے جو صحافتی ہونے کے ساتھ ساتھ علمی، ادبی اور تاریخی بھی تھے۔ اس نے یہ تجربہ مسلسل مشکلات کے باوجود پانچ سال تک جاری رکھا۔

پھر یہ شخص فارسی کی قلمی صحافت کو، اردو کی مطبوعہ صحافت میں پیش کرنے والا وہ پہلا رکن تھا جس نے شاہی زمانے سے وابستہ وقائع نگاروں کو نئی عوامی صحافت کا درس دیا اور نیا راستہ دکھایا۔ جدید مزاج کے مطابق ان کے وقائع کو نئے طرز پر مرتب کیا اور اپنی بیشکش سے (اور نہایت اغلب ہے کہ مراسلت اور مشاورت سے) انھیں خبر نگاری کے نئے زاویوں سے روشناس کیا۔ اس

اعتبار سے "جام جہاں نما" پہلا اخبار تھا جس نے اردو صحافت میں وقائع کی ادارت شروع کی۔ مدیر کے باقاعدہ اداریوں کا رواج ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس اخبار نے وقائع کے بیچوں بیچ کہیں کہیں ہلکی سی ادارتی چٹکی بھرنے کا طریقہ شروع کیا، جس سے وقائع کے مواد اور مفہوم میں ایک نیا خیال انگیز اور اصلاحی پہلو پیدا ہو جاتا تھا۔ یہی انداز اس کے دوسرے ہمعصروں نے بھی اختیار کیا اور یہ اس دور کی اردو صحافت میں بیسیوں برس تک جاری رہا۔

"جام جہاں نما" کی ان اولیات۔ اور جدتوں کو نظر انداز کرنا یا خفیف کرنا کسی طرح سے بھی جائز نہیں۔

اسی اخبار نے اردو صحافت میں عام انسانی دلچسپی (ہیومن انٹرسٹ) کی خبروں پر خصوصی توجہ دینے اور انھیں انشا پردازی کے نمونے بنانے کی طرح ڈالی محمد حسین آزاد نے میر انشا اللہ خان کے بارے میں کہا تھا کہ

> "وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ۱۸۰۷ء میں قواعدِ اردو لکھ کر ایجاد کی ٹہنی میں ظرافت کے پھول کھلائے۔"[۱۳]

یہی قول "جام جہاں نما" پر بھی صادق آتا ہے۔

اخبار کی جامعیت۔ اور افادیت کے اپنے دور کے معیار کی خاطر بہ ہر شمارے کے فارسی اور اردو حصوں کی خبروں کو اکثر و بیشتر جداگانہ رکھتا تھا۔ فارسی کا حصہ اکثر سرکاری افسروں کے تقررات کی خبروں سے شروع ہوتا تھا۔ لیکن اردو حصے میں اکثر لکھنؤ یا شاہ جہانپور کی کسی خبر کو اولیت ملتی تھی۔ پھر اس حصے میں اس کے اپنے شہر کلکتہ یا مشرقی ہند کی نسبت شمالی ہند کی خبروں کی تعداد عام طور پر زیادہ ہوتی تھی۔ گویا "جام جہاں نما" سے اردو کے گھر شمالی ہند سے اخباروں کے فقدان کا ازالہ ہو رہا تھا۔

خبروں میں اور بالخصوص فارسی حصے میں سرکاری خبروں کی تعداد وافر تھی لیکن ان میں خبرپن کا عنصر ضرور موجود ہوتا تھا۔ اردو صحافت کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس میں ادب کا عنصر غالب رہا ہے لیکن یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ اردو کے اس اولین اخبار پر ادب کی نسبت اخباریت غالب تھی۔ اس

میں ادب۔ کا عنصر کبھی کبھی ڈی کاسٹا کی غزلوں کی اشاعت میں نظر آیا ہے لیکن اس کے دستیاب۔ شماروں میں قدیم یا اس کے اپنے دور کے دوسرے شعرا کا کوئی کلام نظر نہیں آتا، اور اس نے صحافت کو اپنا حقیقی اور منصبی میدان بنایا۔ مجموعی طور پر اخبار نہ صرف آزاد مزاج اور صحافت نواز تھا بلکہ دیسی صحافت سے حکومت کے سلوک پر بھی کڑی نظر رکھتا تھا۔ اس نے پریس کی وقعت اور آبرو کے لیے ہماری صحافت کے اوّلین غازی راجا رام موہن رائے کی مہذب لیکن جرأت مندانہ نیابت کی روایت کو آگے بڑھایا اور دیسی صحافت کے بارے میں حکومت کی امتیازی پالیسی کے خلاف تحریری احتجاج کیا۔ اس نے اپنے صحافتی اور علمی مرتبے میں خود اعتمادی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے بڑے حوصلے سے اپنا اخبار فرنگیوں کے اخباروں کے مقابلے میں پیش کیا۔ اس امتیازی پالیسی کے خلاف ہندی اخبار "اودنت مارتنڈ" نے بھی شکایت کی تھی لیکن اس نے شکایت کے اظہار کے ساتھ اطاعت شعاری کی یقین دہانی کرانا بھی ضروری سمجھا۔ اس کے برعکس "جام جہاں نما" کا رویہ خودداری، حوصلہ مندی اور قارئین میں مقبولیت کے احساس کا مظہر تھا۔ اس کے مطالبے کا احترام کرتے ہوئے حکومت نے اسے تسلیم کیا۔

> "جام جہاں نما" کی مقبولیت سے متاثر ہو کر سیرام پور کے مشنریوں نے اُردو میں بھی ایک رسالہ نکالا۔ اس کا اب کوئی ریکارڈ نہیں ملتا لیکن اندازہ ہے کہ یہ ان کے بنگلہ رسالے "ڈگ درشن" کا ضمیمہ تھا۔ اس وقت ہوگلی میں (جس ضلع میں سیرام پور تھا) اردو بولنے اور پڑھنے والوں کی خاصی تعداد آباد تھی۔ [۵]

بنگلہ صحافت کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اسے اپنی پیدائش ہی سے رام موہن رائے کا سا نابغۂ روزگار سرپرست مل گیا۔ انھوں نے از خود یکے بعد دیگرے کئی اخبار جاری کیے جن کی تحریروں سے سماجی اور ثقافتی زندگی میں ایک علم پرور ہلچل پیدا ہوگئی۔ وہ نہ صرف ایک زمانہ شناس عالم اور صاحب قلم تھے بلکہ تعمیر و اصلاح کے لیے تحریکیں شروع کرنے والے ایک مجاہد بھی تھے۔ یہ تحریکیں اتنی پُر معنی اور

دُور رس تھیں کہ ان کے بانی کے رفقائے کار اور پیرو کاروں کی ایک فوج سی وجود میں آگئی۔

اُردو صحافت کو ابتدا میں کوئی ایسا رہنما نہ ملا اور یہ صحافت محض اپنے علمی ورثے کی قوت سے نمایاں اور سرخرو ہوئی۔

اس ورثے کا ذکر بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے بانی اور پہلے صدر سر ولیم جونس نے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، بڑی فصاحت سے کیا تھا۔ اس وراثت کی بدولت یہاں کم از کم فارسی صحافت چھاپے کی آمد کے بعد شروع ہو سکتی تھی۔ اس کے پاس نہ صرف وقائع نگاروں کی طویل روایت تھی، بلکہ یہ عدالتی اور سرکاری زبان بھی تھی۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے نوابوں نے ہندستان میں صحافت کی داغ بیل ڈالنے کے لیے کسی فوری خواہش یا بیتابی سے کام نہ لیا بلکہ اپنے قیام کے ابتدائی سو سال تک نہ صرف اخباروں سے بلکہ ان کی ضرورت سے بھی بے اعتنائی ہی برتی۔ بہر حال ہندستان کے پاس پہلے سے وہ زرخیز زمین موجود تھی جو اس نئے پودے کو آسانی سے پروان چڑھا سکتی تھی۔

اسی زمین اور وراثت کی بدولت صاحبانِ "جام جہاں نما" ناگزیر فرنگی بالادستی کی نفسیاتی ندامت پر غالب آئے اور انھوں نے اپنی قلمی دشواریوں پر قابو پالیا۔ اس اخبار کا بانی اپنی حاکم کمپنی کا کوئی شعلہ بار ناقد یا مخالف تو نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس نے اس کی "بدعتوں" اور جانب داریوں کی نشاندہی ضرور کی۔ اگر اس کے اردو حصے کی تحریروں کا مجموعی جائزہ لیا جائے، تو بڑی آسانی سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ برطانوی حکومت کو ایک کارآمد تجربہ سمجھتا تھا۔ اس کے کالموں میں مغربی اور مشرقی معاشرے کی رپورٹوں کے ذریعے سے دو تہذیبوں کا فرق پیش کیا گیا۔ اس کی تحریروں سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ برطانوی اطوار یا سماج کی قبولیت۔ یا حکومت کی تحسین اور اطاعت اس کا خبط یا عقیدہ تھیں لیکن زمانے کی رفتار جس طرح ہندستان کو اس منزل پر لے آئی تھی اس کی نوعیت اور افادیت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش اس نے ضرور کی۔ اگرچہ اسے اپنی ضرورت پوری کرنے کو وافر غیر ملکی مواد ملتا رہا پھر بھی اس کے کالموں میں ہندستان کے

معاشرے کی عکاسی زیادہ ہوتی تھی۔ اس نے وقتاً فوقتاً ایسے تبصرے کیے جن میں فرنگی راج پر آزاد نظری کا رجحان نظر آتا ہے۔ ہاں اس کا ایک کاروباری نقطۂ نظر ضرور تھا کیونکہ اس وقت اخبار کی زندگی کا دار و مدار حکومت کی سرپرستی اور رعایتوں پر تھا۔ اس لیے وہ حکومت سے ٹکراؤ یا تصادم کے راستے کا راہی نہیں تھا، بلکہ وہ اس کی بالادستی اور دانائی سے استفادہ کرنے کے حق میں تھا۔ اس باب میں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اپنے دور کے اکابر کے حلقے میں تھا۔ یہ اکابر جن میں راجا رام موہن رائے اور بھوانی چرن بینرجی بھی شامل تھے، دانائیِ افرنگ کے معترف تھے۔

بھوانی چرن بینرجی نے ایک انگریز کرنل سٹین ہوپ COL. STANHOPE کی طرف سے ستی کی رسم کی حمایت کی ستایش کرتے ہوئے اپنے اخبار "سماچار چندریکا" میں لکھا:

"ہمیں اعتماد ہے کہ انصاف پسند اور ذیشان شاہِ انگلستان کی حکومت کے تحت ہمارے مذہبی رواجوں کی مخالفت نہیں کی جائے گی۔"[۹]

دراصل یہ مداحی اس وقت کا مزاج تھی۔ اس وقت لوگ اور بالخصوص نئے متوسط طبقے کے لوگ، جو صحافت کی طرف رجوع ہوئے انگریزوں کے ساتھ آنے والے عقل و اصلاح کے زاویۂ نظر کو قبول کر رہے تھے۔ "جامِ جہاں نما" نے حکومت کے قائم مقام فارسی سکریٹری سائمن فریزر کے نام اپنے ایک احتجاجی خط کے آغاز میں "حکومت کی کریم النفسی اور خیر خواہی" کا بھرپور اعتراف کیا اور کہا تھا کہ "انھیں اوصاف سے کام لیتے ہوئے اس نے ہندستانیوں کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کے لیے شفیقانہ اور قابلِ ستایش اقدام کیے ہیں۔"[۱۰]

اس طبقے نے زندگی کے نئے موضوعات کا پُرجوش خیرمقدم کیا۔ یہ نئے موضوعات تھے: مساوات اور سب کے لیے یکساں شہری حقوق، سماجی انصاف، معاشرے کی اصلاح، اور اقتصادی زندگی کی جدید کاری۔ ان موضوعات نے ملک کی روایتی زندگی کا نصاب ہی بدل دیا۔[۱۱] زیادہ پُرکشش اور دلچسپ بات یہ تھی کہ اس دور میں کچھ یورپی صحافی ہندستان میں جمہوری نظام لانے کا برملا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان میں "کلکتہ جرنل" کے ذہنگ اڈیٹر جیمز بکنگھم بہت نمایاں

تھے۔ انھوں نے ہندستان کے مستقبل کی حکومت کا ایک منصوبہ بھی پیش کیا جس میں ایک منتخب قانون ساز ادارے اور انڈین سول سروس کے کھلے مقابلے کی سفارش کی گئی تھی۔ نئے متوسط طبقے کے کئی دانشور اور اکثر ہندستانی صحافی ان نظریات سے دانائے افرنگ کی وسعتِ نظر سے نہ صرف مرعوب ہوئے بلکہ ان سے مزید استفادہ کرنے کے لیے ان کی ذہنی برتری کو بھی قبول کیا اور ان کی تحریروں اور سرگرمیوں میں گہری دلچسپی لی۔

"جام جہاں نما" نے جیمز بکنگھم کی سرگرمیوں میں جو دلچسپی لی، اس کا چیف سکریٹری ڈبلیو۔ بی۔ بیلی نے نہ صرف نوٹس لیا بلکہ اس رجحان میں دیسی اخباروں کے خطرناک رویّہ اختیار کرنے کے امکان پر گہرے اضطراب کا اظہار کیا۔

اس کا مالک ہری ہردت علمی استعداد، ذوقِ صحافت اور اس ذوق کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنے کے جذبے سے معمور تھا۔ ان میں ایک تعلقِ خاطر، شوقِ تعمیر اور حوصلۂ فن تھا جس کی بدولت انھوں نے اپنی عصری مجبوریوں احتیاجوں اور غلامیوں پر رفتہ رفتہ قابو پالیا۔ انھوں نے اردو نثر اور اس کی صحافت کی بنیاد میں علم و دانش کے ملک گیر فروغ کا خواب دیکھا اور اظہار خیالات کی نئی عوامی سلطنت میں نہ صرف اپنی حیثیت بنالی بلکہ اپنے بعد کے اس سلطنت کے جانشینوں کے لیے ایسے نقوش چھوڑے جن سے اردو صحافت کی بنیادیں استوار ہوگئیں۔

انھوں نے اپنے اخبار کا لائسنس تو فارسی اور ہندستانی (اردو) دونوں زبانوں کے لیے حاصل کیا لیکن اس کا آغاز صرف اردو اڈیشن سے کیا جو اس زمانے میں بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس وقت اردو نثر کی کوئی واضح روایت موجود نہیں تھی۔

اس کے ابتدائی زمانے میں "جام جہاں نما" کے سماج میں ہندستانی اور فارسی کے مسائل جس انداز سے ابھر کر سامنے آئے، وہ ہمارے لیے اردو زبان کے ارتقا اور لسانی مدوجزر کے مشاہدے کا اوّلین اور منفرد موقع پیش کرتے ہیں۔ اسی زمانے میں فورٹ ولیم کالج میں اردو نثر کے جو اسلوب اور سانچے ڈھل رہے

تھے، ان کے کوائف بھی سامنے آئے۔ اس عمل میں فرنگی عالم بھی شریک ہوئے اور ان مبصروں اور مدیروں نے اس پر اپنی رائے کا اظہار بھی کیا۔ یہ سب باتیں غالب کی مکتوب نگاری سے جسے جدید اردو نثر کی صبح صادق تصور کیا جاتا ہے، تقریباً ربع صدی قبل عالم وجود میں آگئی تھیں۔ مولوی محمد حسین آزاد نے لکھا ہے :

سید میر انشا اللہ خاں کے زمانے تک انشا پردازی اور ترقی اور وسعت زبانِ اردو فقط شعرا کی زبان پر تھی جن کی تصنیفات غزلیں عاشقانہ اور قصیدے مدحیہ ہوتے تھے اور غرض ان سے فقط اتنی تھی کہ امرا و اہل دول سے انعام لے کر گزارہ کریں یا تفریح طبع یا یہ کہ ہمچشموں میں تحسین و آفرین کا فخر حاصل کریں۔ وہ بھی فقط نظم میں۔ نثر کے حال پر کسی کو اصلاً توجہ نہ تھی کیونکہ کارروائی مطالب ضروری کی سب فارسی میں ہوتی تھی۔[۲۹]

انیسویں صدی کے آغاز میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے جونیر افسروں کو مشرقی زبانوں کی تعلیم دینے کے لیے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا تو :

اسے اردو نثر کی ایک بھی ایسی کتاب میسر نہیں تھی جسے کالج کے نصابِ تعلیم میں شامل کیا جاتا۔ مطبوعہ کتاب کا تو اس سے پہلے امکان ہی نہ تھا۔ قلمی کتابوں میں جو ایک دو چیزیں موجود تھیں وہ سراسر مذہبی تھیں اور کالج کے طلبا کے کام کی نہ تھیں۔ چنانچہ اس کالج کے کارپردازوں نے اپنے نصاب کے لیے خود کتابیں تیار کروائیں۔[۳۰]

نثر کے اس قحط کے زمانے میں صحافتی نثر تو بالکل مفقود تھی۔ ان حالات میں قلم کو ایک ناآفریدہ زمین پر جوتنا یقیناً ایجاد اور اُپج کا کام تھا۔ "جام جہاں نما" کی ایجادی صلاحیت کے نمونے اس کی خبروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ نادر علی خاں رقم طراز ہیں :

اس اخبار نے اُردو اسلوبِ بیان کی تشکیل تراش و خراش اور رعنائی تعمیر میں انمول خدمات انجام دیں۔ بالخصوص فارسی آمیز ثقیل و مغلق اور دقیق عبارت آرائی سے حتی الامکان احتراز کیا۔ بلکہ ہر موضوع پر قلم برداشتہ برجستہ اور رواں عام فہم اور سادہ طرز ادا کو رواج دیا۔[۳۱]

ہمارے بعض مصنف "دہلی اردو اخبار" کے سر پر اردو صحافت کی اوّلیت کا سہرہ باندھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ دہلی اردو اخبار میں بعض اوقات۔ کالم کے کالم فارسی اور عربی عبارتوں سے لدے رہتے تھے اور اس کے اردو پن کو بوجھل کر دیتے تھے۔ یہ روش "جام جہاں نما" کی پوری حیاتِ اردو میں کہیں نظر نہیں آتی۔

اردو قارئین کا حلقہ بنانے میں "جام جہاں نما" کو ابتدا میں ناکامی ہوئی۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس نے اپنے فارسی اڈیشن کے ساتھ اردو کا ایک ضمیمہ شائع کرنا شروع کیا اور مسلسل قریباً پانچ سال تک اسے چلایا۔ اس ضمیمے نے "رونق اور شہرت پائی"۔ گو یہ کوئی معرکے کا اخبار نہیں تھا تاہم اس نے اردو کی صلاحیت کا ٹھوس ثبوت ضرور پیش کیا۔ چند ہی سال بعد عدالتی زبان کا مرتبہ اردو کے حق میں منتقل کر دیا گیا۔ اگرچہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ تبدیلی لازماً "جام جہاں نما" کی بدولت ہوئی تھی لیکن "جام جہاں نما" کا تجربہ اربابِ اختیار کی نظروں سے اوجھل نہیں رہا ہوگا۔ وہ قدم بقدم ہندستان پر اپنے نظم و نسق کی گرفت مضبوط کرتے جا رہے تھے۔ اس عمل میں انھیں سابق اقتدار کی زبان فارسی کو خیرباد بھی کہنا تھا۔ اس مرحلے پر انھوں نے ضرور محسوس کر لیا ہوگا کہ اردو نہ صرف ظاہر میں فارسی سے ملتی جلتی ہے بلکہ اسے فارسی کا مرتبہ دینے سے واقع ہونے والی تبدیلی اس کے اشراف کے لیے قابلِ قبول ہوگی۔

بہر حال زبان کی تشکیل و تہذیب کے علاوہ "جام جہاں نما" مطبوعہ صحافت کی نئی صنف کا بھی ایک باشعور اور مخلص معمار تھا۔ فارسی کے مقابلے میں اس کے کمتر درجے نے اس کی ہمت نہیں توڑی بلکہ اس معاملے میں اس کی حالت بعینہ اپنے پیش رو انگریزی اخباروں کی تھی جو "چھوٹے، غیر منظم اور غریب اخبار تھے۔ لوگ اس پریس کی کوئی ٹھوس مدد بھی نہیں کر رہے تھے اور اس کے پاس کوئی لائق تیج روایات بھی نہیں تھیں۔ اس کے باوجود صحافت کا یہ حصّہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا اور اپنے اندر جرأت اور ترقی کے وہ ذرائع تلاش کر رہا تھا جو کوئی کام شروع کرنے والوں کے لیے ضروری ہوتے ہیں اور اس میں اس نظریے کا

کوئی کمی نہیں تھی کہ اگر صحافت کو کسی ملک کی خدمت کرنی ہے تو اسے آزاد ہونا چاہیے۔[۲۵]"

اپنی ساری زندگی "جامِ جہاں نما" قارئین کی دلجمعی اور خوشنودی کے لیے کوشاں رہا۔ یہ کیفیت اس کے نظریۂ صحافت کا امتیاز تھی۔ اس اخبار نے جس صحافتی کلچر کی بنیاد ڈالی اور اسے فروغ دیا، اس کا مقصد قارئین کے ذہن کی تربیت تھا۔ اس نے اپنے روزِ اجرا ہی سے قارئین کو اپنا قلمی معاون بنانے کی تدبیر کی اور صلائے عام دی کہ وہ اپنے گرد و پیش سے ہر مصدقہ واقع کی خبر اِسے اشاعت کے لیے بھیج سکتے ہیں۔ چنانچہ اسے اپنے نامہ نگاروں سے قابلِ اشاعت خبریں موصول بھی ہوئیں۔ یہ خبریں نہ صرف معلومات افزا تھیں بلکہ اس دور کی سیاست کی اصلاح کرنے والی بھی تھیں۔

پھر "تاریخِ انگلستان" "محاربات بوناپارٹ" اور "تاریخِ عالمگیری" پر اس نے جو سلسلے شائع کیے، وہ اس دور کے عوام کی ضرورتوں کے آئینہ دار تھے۔ ان سلسلوں میں سنجیدگی اور مقصدیت کے ساتھ ساتھ تفریحِ طبع بھی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ ان میں سے آخری سلسلہ یعنی "تاریخِ عالمگیری" ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء کو اردو ضمیمے کی اشاعت بند ہو جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ اس کے عین اگلے ہفتے ۳۰ جنوری ۱۸۲۸ء کے شمارے سے الف لیلیٰ کی داستان کے ترجمہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کی تمہید میں اڈیٹر نے لکھا:

> دانشمند، علم دوست اور تعلیم یافتہ نکتہ شناس اصحاب سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ الف لیلیٰ کی ہر کہانی دل خوش کن، رنگین اور بیحد دلچسپ ہے۔ یہ اپنے طرز کی انوکھی داستان ہے جس میں فاضل مصنف نے بڑی خوبی سے منظر کشی کی ہے۔ ان دلچسپ، عجیب و غریب اور فصیح و بلیغ قصوں کا ترجمہ ایک موزوں طبع انگریز نے (نام نہیں بتایا) ایسی کہانیوں کے شائقین کے لیے انگریزی زبان میں پیش کیا ہے۔ ہر چند یہ کتاب ایک اجنبی زبان میں شائع ہوئی ہے اور اس کے کرداروں کے نام بھی عربی میں ہیں لیکن یہ سرکاری کالج کے درس میں شامل ہے۔ آج تک اس کا ترجمہ فارسی و ہندی (ہندستانی یا اردو) میں نہیں ہوا ہے۔ پس یہ خاکسار ناظرین کی تفریحِ طبع کے لیے ان دلچسپ

تفریحی حکایات کو انگریزی زبان سے ترجمہ کرکے اخبار میں پیش کر رہا ہے۔

یہ ترجمہ اخبار کے صفحات ۹ تا ۱۲ کے اسی پورے آخری حصے میں شامل ہوا جہاں اردو ضمیمہ شائع ہوا کرتا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب "جام جہاں نما" نے اسے اردو ضمیمے ہی میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس ضمیمے کے آخری شمارے میں ایک "اشتہار" شائع ہوا تھا جس میں اڈیٹر نے کہا:

"سب والا گہروں کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ "تاریخ عالمگیری" کا ترجمہ تمام ہوگیا۔ اب اس خاکسار کو منظور ہے کہ الف لیلیٰ کی کتاب آغاز سے انجام تک ترجمہ کرکے کہ وہ قصہ بہت مطبوع اور حکایتیں اس کی ایسی دلچسپ ہیں کہ پڑھنے والے اس کاغذ کے بے اندازہ مسرت اٹھادیں گے۔ وہ کتاب آج تک بالکل ہندی فارسی میں ترجمہ بھی نہیں ہوئی۔ ہرچند کتاب کا ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں مشکل (ہے) اس ہیچمدان کی کیا مجال کہ ترجمے کے ارادے اخبار کے کاغذ میں اس کو داخل کرے۔ ایسی کتاب کا ترجمہ کرنا مجھ بے استعداد کا کام نہیں۔ صرف مطلب اس کا اگر سست لفظوں میں اور نادرست عبارت میں ادا ہو، پس غنیمت ہے۔ پر اس لحاظ سے کہ بہتیرے قدرشناس جنھوں کی لطف گستری سے اس کاغذ نے رونق اور شہرت پائی، اردو عبارت سے ذوق نہیں رکھتے[۵۱]"

خریداروں کی اس مسلسل قلت نے صاحب جام جہاں نما کو اس کے اردو ضمیمہ کی اشاعت بند کرنے پر مجبور کردیا۔ لہٰذا اس ترجمے کا انتظام فارسی اخبار کے لیے کیا گیا جس کے لیے خریدار موجود تھے اور ان میں اضافہ کی امید بھی ہوسکتی تھی۔ مذکورہ تینوں سلسلوں کی طرح یہ ترجمہ بھی انگریزی متن ہی سے کیا گیا۔ اس کی تمہید کی عبارت بھی انھیں مقاصد کی تائید کرتی ہے جو اس سے قبل کے سلسلوں کے لیے بیان کیے گئے تھے۔

الف لیلیٰ کے افسانے بظاہر تفریحِ طبع ہی کی ایک داستان ہیں لیکن اس کی دریافت نے اس دور میں اہلِ مغرب میں اس کے بارے میں گہری علمی دلچسپی بھی پیدا

کی. صدیوں سے یہ داستان دہقانی ادب کا حصہ تھی اور اس کی حکایتیں ایک ملک سے دوسرے ملک تک سینہ بسینہ سفر کرتی آ رہی تھیں روایت ہے کہ اس کی اصل سنسکرت کا ایک قدیم مجموعہ "برہدکتھا" تھی[۱۲] جس کی کہانیوں کو آنے جانے والے تاجروں اور زائرین نے ایران میں پہنچایا[۱۳] وہاں ابتدائی عباسی زمانے میں ایران کے ایک ممتاز مصنف ابن المقفع نے ہندستانی کہانیوں کو پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا[۱۴] اس کے بعد اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ایک فرانسیسی مصنف انتوئن گولان ANTOINE GOLLANDY نے اہلِ شام سے حاصل ہونے والے اس کے ایک قلمی نسخے کو سب سے پہلی بار فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے چھاپا اور پھر اس سے انگریزی اور مغرب کی دوسری زبانوں میں ترجمے ہوئے[۱۵]

ہندستان کی کسی زبان میں اس کا سب سے پہلا ترجمہ غالباً "جامِ جہاں نما" ہی نے طبع کیا۔ انیسویں صدی کی اس تیسری دہائی میں اس داستان کو ہندستان کے علمی اور ادبی حلقوں میں ابھی وہ شہرت نہیں ملی تھی جو اسے بعد میں حاصل ہوئی۔ یہ "جامِ جہاں نما" ہی کی فراست تھی کہ اس نے اس داستان کی آنے والی مقبولیت کا اندازہ کر کے اسے اپنے قارئین کے لیے منتخب کیا۔

اس اخبار نے نوزائیدہ اردو صحافت کے لیے ایک مخصوص مزاج اور آہنگ پیدا کیا جس میں توانائی بھی تھی اور بوقلمونی بھی۔ گو یہ خصوصیات ترجموں سے پیدا کی گئیں، لیکن ان کے عنوانات اور موضوعات کے انتخاب میں ایک ثقافتی ارتباط تھا جو اردو زبان کے تخلیقی جوہر اور ارتقا اور اس کی نئی صنفِ صحافت کا وصف اور طرۂ امتیاز بھی بن گیا۔ یہ خصوصیات اپنی جدید صورت میں آج بھی جاری و ساری ہیں۔ بہر حال اولاً اسی اخبار نے اردو کی تہذیب کے اس کردار کو روا رکھا جو یہاں مختلف ثقافتوں کے اتصال اور احترام سے استوار ہوا ہے۔

"جامِ جہاں نما"، علم و آگہی کے نئے قافلے کے ہراول دستے کا جری اور جاں نثار رکن تھا۔ اس کے کارپردازن، بالخصوص اس کے دونوں مستعد "فلسفی" "لوح و قلم کی پرورش کر رہے تھے۔ وہ جدید علوم اور ان کے امکانات کا شعور رکھتے تھے اور اس شعور کی بدولت انھوں نے پیشتر سے رائج وقائع نویسی میں کئی جدتیں پیدا

کیں۔ بد قسمتی سے ہمیں ان کے پورے کوائف میسر نہیں ہیں۔

بہر حال دستیاب ریکارڈ' شواہد اور قرائن سے جو نقوش اُبھرتے ہیں، اُن میں علم کی ایک نئی صنف کے شعور کے ظہور اور فروغ کے وہ گُر اور نمونے وافر موجود ہیں جو "جامِ جہاں نما" کے جانشینوں کے لیے مشعلِ راہ بنے۔ یہ ریکارڈ سرکاری دفتر خانوں میں مستور ہے اور ان اداروں کے قواعد کی تکمیل کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔

پھر جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں' جو ہندستان اور برصغیر کے پرانے ریکارڈ کی ایک جامع ذخیرہ گاہ ہے' "جامِ جہاں نما" کے اردو حصے کا کوئی ریکارڈ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

اس کمیابی کا ایک ناخوشگوار نتیجہ یہ ہے کہ مختلف ممالک کے اور بالخصوص پاکستان کے جہاں اردو زبان و ادب کی تاریخ و تفہیم کے لیے از سرِ نو کام ہو رہا ہے' محققین اور مورخین' جو مصروفیت یا کسی معذوری کے باعث اپنے ملک سے باہر نہیں جا سکتے اور اپنے ملک میں دستیاب مواد ہی پر اکتفا کرتے ہیں' بعض ایسے نتائج اخذ کرتے ہیں جو اصلیت سے بعید ہوتے ہیں۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد پر پاکستان کے مشہور ہفت روزہ چٹان کے نامور بانی اور اڈیٹر جناب شورش کاشمیری کی ایک تصنیف چٹان کے ادارے سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اردو صحافت کی ابتدا اور ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے بڑی حد تک یہ پیمانہ مقرر کیا گیا کہ اس زمانے کے سفر میں ہندستانی مسلمان کس مقام پر تھے اور کدھر جا رہے تھے اور عالمی سیاست بالخصوص اسلامی سیاست کے احوال و افکار اور ان کے نتائج و آثار کیا تھے۔ اس جائزے میں "جامِ جہاں نما" کے اردو مندرجات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور اسے ایک فارسی اخبار قرار دے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس اندازِ نظر سے کام لیتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

> ایسٹ انڈیا کمپنی نے فارسی زبان کو کالعدم کرنے کے لیے فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی اور اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا تو اس پس منظر میں اردو صحافت کا آغاز ہوا۔ اس کے دو مرکز تھے۔ اول دہلی۔ دوم لاہور..... دہلی میں جن اخباروں کی شہرت ہوئی ان میں مولانا محمد حسین آزاد کے

والد مولوی محمد باقر کا "دہلی اردو اخبار" سرفہرست تھا (ص ۳۹۰)

ایسی ہی حقائق بیزار باتیں ہندستان کے مصنف بھی اپنے موضوع کے دشوار دستیاب اور یجنل ریکارڈ کے عدم مطالعہ کی صورت میں کر سکتے ہیں۔

ایسے حالات میں یہ مناسب ہوگا کہ اردو اور فارسی کے جن پرانے اخبار وں کا اوریجنل ریکارڈ صرف ہندستان یا پاکستان میں موجود ہے۔ اس کی نقول دوسرے ملک کے دفتر خانوں یا اہم کتب خانوں میں رکھنے کے سرکاری سطح پر انتظامات کیے جائیں۔ ورنہ اردو صحافت جو متحدہ برصغیر میں شروع ہوئی اور اس خطے کی دیسی صحافتوں میں قدیم ترین صحافت ہے، ہمیشہ بے انصافی کا شکار ہوتی رہے گی۔

مزید براں وقت گزرنے کے ساتھ قدیم دستیاب ریکارڈ رفتہ رفتہ بوسیدگی اور گم شدگی کا بھی شکار ہو رہا ہے۔ مثلاً قومی دفتر خانہ ہند (نیشنل آرکائیوز آف انڈیا) نئی دہلی میں "جامِ جہاں نما" کا ۱۸۲۷ء کا پورے سال کا فائیل جو چند سال پہلے تحقیق کرنے والوں کو مل جاتا تھا، اب اپنے مقام پر نہیں ہے اور مجھے ۱۹۹۰ء کے سارے سال میں طلب اور انتظار کے باوجود نہ مل سکا۔ لہٰذا اس کے لیے مولانا امداد صابری اور جناب محمد عتیق صدیقی کی کتابوں سے مدد لی گئی۔ ان دونوں حضرات نے اپنی تحقیق کے دوران میں قومی دفتر خانے (نیشنل آرکائیوز) میں اس سے استفادہ کیا تھا۔ مزید ضرورت ہے کہ دستیاب ریکارڈ یا کم از کم اس کے نمایندہ انتخاب کے نئے اڈیشن چھاپ کر اسے محفوظ اور آسانی سے قابلِ دسترس بنایا جائے۔ اس سلسلے میں کوئی اردو اکادمی (بالخصوص مغربی بنگال کی اردو اکادمی) پیش قدمی کر سکتی ہے۔ اخبار کی کمپنی نواز خبروں سے قطع نظر اس میں کافی ایسا ذخیرہ بھی ہے جو اس زمانے کے حالات کا آئینہ ہے اور اس لیے قابلِ تحفظ اور قابلِ استفادہ ہے۔ بنگال کے ایک محقق نے لکھا ہے:

"جامِ جہاں نما" کو اردو صحافت میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اردو صحافت کی ایک الگ راہ متعین کرنے میں اس اخبار کا اہم حصہ ہے۔ اس میں ملکی خبریں نمایاں جگہ پاتی تھیں۔ نوابوں، جاگیرداروں اور زمینداروں

ے مقدمات کی دلچسپ رُوداد بھی تفصیل سے دی جاتی تھی۔[۱]

مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

یہ اپنے دور کے تقریباً ہر اخبار کو تبادلے میں جاتا تھا۔ ہر اخبار اس سے فیض حاصل کرتا تھا۔ اس کے حوالے سے اپنے اخبار میں خبریں نقل کرتا تھا..... اس کے علاوہ ہندستان کے ہر بڑے شہر میں اس اخبار کے نمائندے تھے جو خطوط کے ذریعے خبریں بھیجتے تھے۔ درباروں اور انگریزی ایجنٹوں کے دفتروں سے بھی اس اخبار کا تعلق تھا۔ سرکار اودھ اور دوسری ریاستوں کے طرزِ حکومت پر بھی سنجیدگی کے ساتھ رائے زنی کرتا تھا۔ سرکاری اور غیر سرکاری علمی طبقے میں یہ پرچہ وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس کی رائے کو مستند مانا جاتا تھا۔[۲]

شمالی ہند کا پہلا اور اس دور کا جادہ ساز "دہلی اردو اخبار" بھی "جام جہاں نما" سے کافی متاثر نظر آتا ہے۔ ان دونوں میں یا کسی بھی دو مختلف اخباروں میں ادارتی مماثلت پیدا ہونا تو امرِ محال تھا لیکن اخبار کی ترتیب و تشکیل کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے بہت نزدیک تھے۔

"دہلی اردو اخبار" میں "جام جہاں نما" ہی کی طرح خبر بالعموم اس عبارت سے شروع کی جاتی تھی جیسے "وہاں کے اخبار سے معلوم ہوتا ہے" یا "اخبار سے دریافت ہوتا ہے۔" بعض ناموں اور لفظوں کا املا وہی ہے جو "جام جہاں نما" نے استعمال کیا مثلاً بنبئی۔ مندراس اودہ۔ ادن۔[۳]

"دہلی اردو اخبار" کی تقطیع $\frac{20 \times 30}{4}$ بھی تقریباً "جام جہاں نما" ($\frac{20 \times 30}{4}$) ہی کی طرح تھی اور ماہانہ چندہ بھی اس کے اردو اڈیشن کی طرح دو روپے ہی تھا۔

"دہلی **اردو اخبار**" کی خبروں میں "جامِ جہاں نما" کا نام آتا تھا۔ یہ مثال ملاحظہ کی جائے۔

نیپال

اخبارِ جام جہاں نما سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں راجۂ نیپال نے باستماع آمد فوج انگریزی کے مخوف ہو کر صاحب ریذیڈنٹ کو بلوایا اور کمال تواضع سے پیش آئے۔ بہت طمانیت کی اور کہا کہ ہرچند بعضے سرکشوں

اس ریاست کے بیے بے حکم اور اطلاع ہماری کے مرتکب حرکات ناشائستہ کے
ہوکر بیخ تخریب چند موضع علاقہ سرکار کمپنی کے جرأت کی ہے، لیکن میں اقرار
کرتا ہوں کہ جس قدر نقصان سرکار کو اون کے ہاتھ سے ہوا ہوگا وہ سب
بھر دوں گا۔[۲۴]

"جامِ جہاں نما" کی طرح "دہلی اردو اخبار" بھی جس کا انگریزوں کے خلاف رویّہ رفتہ رفتہ معاندانہ ہوگیا تھا، مغرب کی اچھی چیزوں کے خیر مقدم کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس نے مغربی طب کو مشرقی طب پر ترجیح دی۔[۲۵]

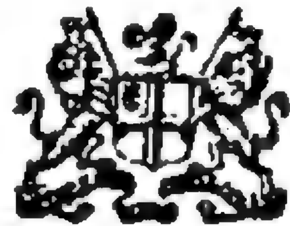
"جامِ جہاں نما" کی خبروں کے عنوان مختصراً ان کے شہروں کے ناموں کی رعایت سے دیے جاتے تھے جیسے "لاہور کی خبر"، "لکھنؤ کی خبر"۔

"دہلی اردو اخبار" نے بھی اسی انداز کو قدرے اختصار سے اختیار کیا اور صرف شہر کا نام ہی عنوان میں رکھا جیسے "لاہور"، "پشاور"، "مصر"۔

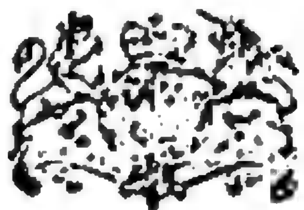
"جامِ جہاں نما" (فارسی) اپنے شمارے کے آغاز میں سرکاری افسروں کے "تقررات" کی خبر دیتا تھا تو "دہلی اردو اخبار" نے اسی مواد کو "احکام" کے عنوان سے شائع کیا۔[۲۶]

"جامِ جہاں نما" انسانی دلچسپی کے کسی واقعے کو اگر "خبرِ عجیب" کے عنوان سے شائع کرتا تھا تو "دہلی اردو اخبار" نے اسے "حیرت افزا" کا عنوان دیا۔[۲۷]

اس طرح "دہلی اردو اخبار" کا ظاہری سراپا "جامِ جہاں نما" کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ باطن میں بھی "دہلی اردو اخبار" "جامِ جہاں نما" ہی کی طرح خبروں کے متن کے اندر ہی ادارتی چٹکیاں لیتا رہا۔



جامِ جہاں نما



نمبر ۲۱۷ ، ربیع ۱۲ ماہ ۱ کتوبر سنہ ۱۸۲۵ جلوس از چہار شنبہ

. European Gentlemen, who may wish to be supplied with this Paper, either for their own

perusal, or from a benevolent desire to diffuse knowledge among the native members of their establishment, may be supplied with it, on application to TARACHUND DUTT *of Coloototluh, at three Rupees per Month, including the Oordoo Supplement.*

خبر تقرر عہدہ بصاحبان

مستر بر آودلس صاحب سکرتر کمشنر شاہجہان آباد

مستر امپ آودلس صاحب استنت ایضا

خبر ورود جناب ایزد کبر میر صاحب بہادر کمانڈر ان چیف

چہارم ایناماہ ورود از سفینہ سواری سپہ سالار معظم الیہ برگھات پار بال لنگر

خبر تشریف آوری جنس صاحب از انگلستان

ششم ایناماہ جناب سر جان فرانکس یکی از حاکمان عدالت سوپریم کورت کلکتہ رونق افزای این دارالامارہ شد و از شلک سلامی از قلعہ بتقدیم رسید

خبر برما

مضمون چتھیات جرنیل کمپل صاحب مرقومہ ہفتم و چہاردہم و نوزدہم ماہ

دہلی اردو اخبار

قیمت ماہواری دو روپیہ [illegible]

احکام

شاہ [illegible] صاحب [illegible] کے اسسٹنٹ مجسٹریٹ اور کلکٹر کو جو اختیار [illegible] ڈیوری قانون [illegible] میں دئے گئے تھے [illegible] صاحب قسمت [illegible] کے کمشنر کے اسسٹنٹ کو ۲۴ فروری گزشتہ کے حکم [illegible] رخصت عنایت ہوئی تھی [illegible] کے اسسٹنٹ کا کام اپنے ذمہ لیا منسوخ ہوئی محمد علی [illegible] خان اعظم گڑھ کے صدر امین [illegible] رخصت عنایت ہوئی صدر امین [illegible] ضلع غازیپور [illegible]

[illegible]

[illegible] قانون مندرجہ ذیل کا مسودہ کونسل [illegible] اپریل [illegible] کو پڑھا گیا قانون [illegible] بنگالہ کے قوانین [illegible]

خاندان [illegible] صاحبان [illegible] کے سپرنٹنڈنٹ پولیس [illegible] صاحبان [illegible] اور اظہار لینے میں سپرنٹنڈنٹ [illegible] حکم [illegible] کونسل [illegible] دو مہینے کی تنخواہ سے زیادہ نہ ہو [illegible] اشتہار [illegible]

[illegible]

[illegible] احسان کمشنر کے لئے

[illegible] ضلع آگرہ کے [illegible] گورنر بہادر کو واضح ہوا کہ کسی ضلع [illegible]

لاہور (پنجاب) کے مشہور اخبار "کوہ نور" کی خبروں کے عنوانات کا انداز بھی کئی بار ایسا ہی ہوتا تھا مثلاً اس کے یکم اور ۱۲ جولائی ۱۸۵۱ء کے شماروں میں دو خبروں کے عنوانات حسب ذیل تھے: "خبر لکھنؤ" "خبر بھاولپور"

جنوبی ہند میں بھی "جام جہاں نما" کی رسائی اور پذیرائی کے روشن ثبوت ملتے ہیں۔

مدراس کا اوّلین اردو اخبار "جامع الاخبار" (اجرا ۱۸۴۱ء) بھی "جام جہاں نما" کی طرح خبروں کے اپنے حصّے کا آغاز حکومت کے احکام کی خبروں سے کرتا تھا۔ بقول اڈیٹر، سید رحمت اللہ یہ اخبار:

> زبان ہندی میں واسطے ضیافت طبع خاص و انتفاع عام ارباب کونسل کے ملکی و مالی و لشکری احکام اور صدر کورٹ، سپریم کورٹ، ریونیو بورڈ، ملٹری بورڈ، پولیس پٹیل آفس وغیرہ کے قوانین و آئین اور فوج کے کمانڈران چیف صاحب کے جنرل (جنرل) آرڈر و فرامین" وغیرہ شائع کرتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ معاشی، مذہبی اور سماجی زندگی کی خبریں، متفرقہ اجناس غلہ وغیرہ کے نرخ، جہازوں کی آمدورفت اور تاجروں کے مفید مطلب اطلاعات شائع کرتا تھا۔

پھر "جام جہاں نما" ہی کی طرح اس نے بھی اپنے کالم اپنے قارئین کو پیش کیے اور کہا: "اگر کسی کو اپنا کچھ احوال اس اخبار نامے میں مشہور کرنا ہووے تو اس چھاپہ خانہ کو لکھ بھیجیں تو قانون کے موافق چھاپہ کر کر مشہور کیا جاوے گا۔" بقول اڈیٹر: "بے سبب کسی کی ستایش و نہ بے علت کسی کی خدمت سوائے وقوع واقعہ کے تحریر نہ کیا۔ ویسا ہی آج بھی لکھا ہوں اور آیندہ بھی لکھا جاوے گا..... حق گوئی کو اندیشے سے کیا علاقہ۔"

یہ اخبار اپنے کالموں میں "جام جہاں نما" کی منتخبہ خبریں بھی نقل کرتا تھا۔[۵۱]

مدراس کا ایک اور اخبار "امیر الاخبار" (اجرا ۱۸۵۴ء) بھی "جام جہاں نما" سے استفادہ کرتا تھا۔

اس کے ۴ جون ۱۸۵۷ء کے شمارے میں "جام جہاں نما" کے حوالے سے الہ آباد کی خبروں میں پہلی جنگِ آزادی کی مندرجہ ذیل خبر ملتی ہے:

اُدھر کے خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں بھی خوف وبیم پیدا ہوگیا ہے اور سپاہ رجمنٹ ششم بخوف و بے محابا سرکشی اختیار کی ہے بلکہ سرکار سے مستعد مقابلہ ہے اور طرفہ یہ ہے کہ ساکنس (ساکنین) شہر بید لرزاں درعشہ براندام ہیں اور دست ستم وجور باغیاں سے اندیشناک ہیں۔ سبب اس زیادہ خوف کا یہ ہے کہ وہاں اور کچھ فاصلہ دراز پر افواج انگلستانی بالکل نہیں ہے۔ تا وقت ضرورت۔ اعانت کے آئے۔ کپتان ہاور صاحب امدادگی توپ خانہ ماتحت خود سے وہاں کے قلعہ پر مستعد حفاظت ہیں تاکوئی فتنہ ہوجائے تو باغیوں پر یورش کریں۔[۲۹]

۱۸۵۷ء کی اس عظیم بغاوت کے موقع پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے متعدد اردو اخبارات کو ضبط کرلیا تھا اور ان کے مالکوں پر مقدمے بھی چلائے تھے۔ اس سلسلے میں "امیر الاخبار" کے ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء کے شمارے کی مندرجہ ذیل خبر دیکھیے جو "جام جہاں نما" سے "اخبارات کلکتہ" کے عنوان کے تحت نقل کی گئی:

جناب منشی احمد علی صاحب مہتمم اخبار "دوربین" پیشگاہ اجلاس میں حاضر ہوئے۔ بعد دریافت مقدمہ ان "ناٹ گلٹ" (گلٹی) ہوگیا اور بعد اس کے جناب حافظ محمد طاہر صاحب مہتمم "سلطان الاخبار" کہ ان کا مقدمہ بھی ہم قالب اسی معاملہ کا تھا بلائے گئے اور بہ سبب بے جرمی رہا ہوئے۔ بابو شام چندر صاحب مہتمم سماچار سودھا پرسن کہ ان کا مقدمہ بھی مقدمات سابق کے مطابق تھا، ایک بجے سے شام تک زیر دریافت تھا، یہ بھی بے قصور ہوکر رہا ہوگئے اور کچھ خبر مہتمم صاحب "گلشن نوبہار" وقت ضبطی سے آج تک معلوم نہ ہوئی۔ آیندہ جو حال گزرے گا لکھا جائے گا۔[۳۰]

۱۸۵۷ء کی عظیم بغاوت تک ملک کی اردو صحافت میں خبروں کی تحریر وترتیب اور پیش کش، مضامین کے عنوانات کا انتخاب اور خریداروں سے چندے کی طلب کا انداز قریب قریب وہی رہا جو "جام جہاں نما" نے قائم کیا تھا۔ اور ۱۸۵۷ء کے بعد صرف صحافت ہی کا نہیں بلکہ ہندستان کی ساری سیاست کا رنگ ڈھنگ بدل گیا۔

یہاں تک کہ عنانِ حکومت کمپنی بہادر کے ہاتھوں سے نکل کر برطانوی پارلیمنٹ اور تاج کی تحویل میں چلی گئی۔

لیکن یہ دوسرا موضوع ہے۔

حواشی

۱؎ JOHN WILLIAM KAYE:" LIFE OF CHARLES METCALFE," VOL II P.246

۲؎ ایضاً ص ۲۴۷، ۲۴۸

۳؎ A.C.DASGUPTA" THE DAYS OF JOHN COMPANY, SELECTIONS FROM CALCUTTA GAZETTE, 1824-1832 ", P.242

۴؎ گورنمنٹ گزٹ۔ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۸۲۲ء۔ تیسرا ضمیمہ۔ ص اول۔ نیشنل آرکائیوز لائبریری۔ نئی دہلی۔

۵؎ ایضاً

۶؎ محمد حسین آزاد۔ "آبِ حیات"

۷؎ ڈاکٹر جاوید نہال۔ "۱۹ویں صدی میں بنگال کا اردو ادب"۔ متذکرہ۔ ص ۳۳، ۵۲۹

۸؎ A.C.DAS GUPTA THE DAYS OF JOHN COMPANY SELECTIONS FROM CALCUTTA GAZETTE (1824-1832)

۹؎ مارگریٹا بارنز۔ متذکرہ ص ۵۵ تا ۱۵۷

۱۰؎ ڈاکٹر بی۔ ایم۔ شنکھدھر۔ متذکرہ۔ ص ۲۱۳ سے اخذ

۱۱؎ مولوی محمد حسین آزاد۔ "آبِ حیات"۔ متذکرہ ص ۲۵

۱۲؎ حامد حسن قادری۔ "داستانِ تاریخِ اردو"۔ اردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی۔ چوتھا اڈیشن ۱۹۸۸ء۔ ص۔ ۹۷

۱۳؎ نادر علی خاں۔ "اردو صحافت کی تاریخ"۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۸۷ء، ص ۴۹

۱۴؎ WC WORDSWORTH'S ARTICLE"THE PRESS" IN"MODERN INDIA & THE WEST" EDITED BY L.S.S.O'MELLY QUOTED BY DR.B.M.

SHANKHDHAR IBID P.218

۱۵ امداد صابری۔ تاریخ صحافت اردو (جلد اول) ص ۱۱۶، ۱۱۷

۱۶ (i) EDWARD BALFOUR "ENCYCLOPAEDIA ASIATICA," ORIGINALLY PUBLISHED IN 1858. REPRINTED BY COSMO PUBLICATIONS, NEW DELHI 1976. VOL I P128

(ii) COLLIER'S ENCYCLOPAEDIA, 15TH EDITION, VOL. 2 pp.88,89

(iii) ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA (MICROPAEDIA READY REFERENCE), 15TH EDITION, 1986, VOL II P. 733

۱۷ CHAMBER'S ENCYCLOPAEDIA, LONDON 1955 VOL.I PAGE 507

۱۸ ایضاً۔ ص ۵۱۲

۱۹ ایضاً۔ ص ۵۰۷

۲۰ شورش کاشمیری۔ "ابوالکلام آزاد (سوانح وافکار)" چٹان پرنٹنگ پریس لاہور۔ فروری ۱۹۸۸ء ص ۳۹۷

۲۱ ڈاکٹر جاوید نہال۔ "انیسویں صدی میں بنگال کا اردو ادب" متذکرہ۔ ص ۵۹۴

۲۲ امداد صابری۔ متذکرہ۔ ص ۶۶

۲۳ خواجہ احمد فاروقی۔ "دہلی اردو اخبار" (شعبۂ اردو۔ دہلی یونی ورسٹی ۱۹۷۲ء) مقدمہ

۲۴ ایضاً ص ۲۰۱ (دہلی اردو اخبار، شمارہ نمبر ۱۸۲ مورخہ ۲ اگست ۱۸۴۰ء)

۲۵ ایضاً۔ مقدمہ ص ج ا ی

۲۶ دہلی اردو اخبار۔ شمارہ نمبر ۱۵۵ مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۴۰ء شمارہ نمبر ۱۵۷ مورخہ ۲۳ فروری ۱۸۴۰ء

۲۷ دہلی اردو اخبار۔ شمارہ نمبر ۱۵۶ مورخہ ۱۶ فروری ۱۸۴۰ء

۲۸ ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال: "جنوبی ہند کی اردو صحافت"۔ حیدرآباد ۱۹۸۱ء۔ حیدرآباد۔ ۱۹۸۱ء۔ ص ۴۳ تا ۴۸

۲۹ ایضاً۔ ص ۸۳۔۸۴

۳۰ ایضاً۔ ص ۸۵

کتابیات

اردو

سید محمد اشرف: اختر شاہنشاہی۔ لکھنؤ ۱۸۸۸ء۔ آزاد محمد حسین: آب حیات۔ الہ آباد ۱۹۸۰ء حالی الطاف حسین: حیات جاوید۔ نئی دہلی ۱۹۷۹ء۔ خورشید ڈاکٹر عبد السلام: صحافت، پاکستان و ہند میں۔ لاہور۔ اقبال ڈاکٹر محمد افضل الدین: جنوبی ہند کی اردو صحافت۔ حیدر آباد ۱۹۸۱ء خان نادر علی: اردو صحافت کی تاریخ۔ ۵۷-۱۸۲۲ء۔ علی گڑھ ۱۹۸۷ء۔ سریرام: تذکرہ ہزار داستان المعروف بہ خمخانۂ جاوید۔ جلد چہارم۔ دہلی ۱۹۲۶ء۔ شورش کاشمیری: ابو الکلام آزاد (سوانح وافکار)۔ لاہور ۱۹۸۸ء۔ صابری امداد: تاریخ صحافتِ اردو۔ جلد اوّل۔ دہلی ۱۹۵۳ء۔ صدیقی محمد عتیق: ہندستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) علی گڑھ ۱۹۵۷ء۔ صدیقی محمد عتیق: گل کرسٹ اور اس کا عہد۔ نئی دہلی ۱۹۷۹ء عبد الخالق محمد سعید: میسور میں اردو۔ حیدر آباد ۱۹۴۲ء۔ فاروقی پروفیسر خواجہ احمد: (مرتب)۔ دہلی اردو اخبار۔ دہلی ۱۹۷۲ء۔ قادری پروفیسر حامد حسن: داستانِ تاریخِ اردو، چوتھا اڈیشن، کراچی ۱۹۸۸ء۔ منقبت الحسن سید: کلکتہ کے قدیم اردو مطابع اور ان کی مطبوعات، ایک تذکرہ۔ کلکتہ ۱۹۸۲ء۔ نادم سیتاپوری: فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی۔ لکھنؤ ۱۹۵۹ء۔ نہال پروفیسر جاوید: انیسویں صدی میں بنگال کا اردو ادب۔ کلکتہ۔ ابو النصر محمد خالدی (مرتب): تقویم ہجری و عیسوی۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ۱۹۷۷ء

اخبارات و رسائل

ماہنامہ آج کل پبلی کیشنز ڈویژن، وزارت اطلاعات ونشریات، نئی دہلی

فروری ۱۹۵۶ء   جون ۱۹۶۳ء   فروری ۱۹۷۵ء

روزنامہ عوام۔ دہلی۔ ۱۳ جون ۱۹۸۹ء

ہندی

امبکا پرشاد باجپئی: سماچار پتروں کا اتہاس